SHEIK-AHMED-DEEDAD

کنفیوشس، زرتشت اور اسلام

شیخ احمد دیدات

CHRISTIANITY

The
TORAH
JUDAISM

کنفیوشس زرتشت
اور اسلام

پسِ منظر، اہم معلومات، سنسنی خیز حقائق اور تقابل

مشہور و معروف محقق، عظیم اسلامی سکالر، عالمِ تقابلِ ادیان
شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ کی عالمی شہرت یافتہ کتاب
کا بامحاورہ اردو ترجمہ

مصنف ——— شیخ احمد دیدات رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ ——— مصباح اکرم
ترتیب و تحقیق ——— مفتی محمد وسیم اکرم القادری

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور

ہماری کتابیں۔ معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر: مشتاق احمد
اہتمام: سلمان منیر

نام کتاب — کنفیوشس، زرتشت اور اسلام
مصنف — شیخ احمد دیدات ؒ
ترجمہ — مصباح اکرم
ترتیب جدید — علامہ مفتی محمد وسیم اکرم القادری
اشاعت — 2010ء
مطبع — اسد نیئر پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن — عاطف بٹ
کمپوزنگ — گُل گرافکس
قیمت — 250 روپے

استدعا

پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ شکریہ۔ (ناشر)

فہرست

☆ مقدمۃ الکتاب ---------- 7
☆ تقسیم مذاہب عالم ---------- 7
☆ سامی وغیر سامی ---------- 7
☆ تین بین الاقوامی نسلی گروہ ---------- 7
☆ **حصہ نمبر1** 10
☆ کنفیوشس ازم ---------- 10
☆ کنفیوشس کا پس منظر ---------- 11
☆ حکیم کنفیوشس کے حالات زندگی ---------- 13
☆ کنفیوشس ازم حکیم کنفیوشس کے بعد ---------- 17
☆ کنفیوشس کے اہم ترین اقوال ---------- 20
☆ کنفیوشس کی اہم ترین کتب ---------- 26
☆ کنفیوشی ادب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ---------- 29
☆ کنفیوشس کی اہم ترین تعلیمات ---------- 31
☆ **حصہ نمبر2** 37
☆ زرتشت اَزم ---------- 37
☆ ابتدائی تعارف ---------- 38

☆ ایران قبل از زرتشت ---------- 39
☆ زرتشت کے حالات زندگی ---------- 41
☆ عقائد و تعلیمات ---------- 46
☆ دینی ادب ---------- 48
☆ زرتشی ادب کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ ---------- 50
☆ زرتشت کے عقائد ورسومات ---------- 51
☆ زرتشت ازم...... زرتشت کے بعد ---------- 56
☆ **حصہ نمبر 3** 63
☆ دنیا...... اسلام سے قبل ---------- 64
☆ عرب...... اسلام سے قبل ---------- 67
☆ رسول اللہ ﷺ کا مختصر تعارف ---------- 72
☆ اقوالِ محمد ﷺ ---------- 79
☆ معجزاتِ رسول ﷺ ---------- 118
☆ اسلام کی مقبولیت ---------- 258
☆ دین اسلام...... پیغمبر اسلام کے بعد ---------- 260
☆ اسوۂ رسول اکرم ﷺ ---------- 261
☆ القرآنُ المجید ---------- 266
☆ اساسی تعلیمات ---------- 340
☆ سیاسی تعلیمات ---------- 360
☆ معاشی تعلیمات ---------- 377
☆ اخلاقی تعلیمات ---------- 383
☆ معاشرتی تعلیمات ---------- 394
☆ خصوصیاتِ اسلام ---------- 404

☆ اسلام، جدت اور حالاتِ حاضرہ -------------------------- 438

☆ عصری علوم اور دین اسلام -------------------------- 444

☆ **حصہ نمبر 4** 456

☆ کنفیوشس، زرتشت اور اسلام کا تقابل -------------------------- 456

☆ **الجزء الاول** -------------------------- 457

☆ اسلام، زرتشت و کنفیوشس میں بنیادی فرق -------------------------- 457

☆ **الجزء الثانی:** -------------------------- 459

☆ کنفیوشس اور اسلام کا تقابل -------------------------- 459

☆ **الجزء الثالث:** -------------------------- 468

☆ زرتشت اور اسلام کا تقابل -------------------------- 468

☆☆☆

انتساب

اپنے پیارے بیٹے ''محمد''

کے نام

اللہ تعالیٰ اسے ایمان کامل،

لمبی عمر اور

صحت کاملہ عطا فرمائے۔

اور یہ دین اسلام کی خدمت میں پیش پیش ہو۔

آمین

مقدمۃ الکتاب

تقسیم مذاہب عالم

سامی وغیر سامی

بنیادی طور پر مذاہب کی دو اقسام ہیں:

1: سامی مذاہب۔

2: غیر سامی مذاہب۔

تین بین الاقوامی نسلی گروہ

نسلی بنیاد پر موجود عالمی مذاہب تین نسلی گروہوں میں منقسم ہیں:

1: سامی مذاہب۔

2: آریائی مذاہب۔

3: منگول مذاہب۔

ان نسلوں کی آبادی کے لحاظ سے وہ مختلف جغرافیائی خطوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی قدرے تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

سامی مذاہب میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت داخل ہیں، لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ان مذاہب اور خصوصاً اسلام کا عقیدہ صرف سامی نسل کے لوگوں تک محدود رہا یا سامی نسل کی برتری پر مبنی ہے، کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے:

"انما المومنون اخوۃ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 27، سورۃ الحجرات)

"مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لَیْسَ لِلْعَرَبِیْ فَضْلٌ" عَلَی الْعَجَمِیْ وَلَا لِلْعَجَمِیْ فَضْلٌ"
عَلَی الْعَرَبِیْ کُلُّکُمْ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ"
(الصحیح البخاری)

"کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

اسلام کی تعلیم سامی نسل کی تخصیص یا برتری کے بجائے اصول مساوات کی آئینہ دار ہے۔ ان مذاہب کے سامی النسل ہونے کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ اس کا آغاز سامی اقوام میں ہوا۔ ورنہ! یہ تینوں سامی مذاہب آج عالمگیر اور دنیا کے ہر براعظم میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے عیسائیت اور اسلام دنیا کے ہر حصے میں آج بھی زبردست سیاسی طاقت ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا پر حکمران ہیں۔ اس طرح نسل انسانی کی تاریخ کے اہم اور بنیادی دور میں صرف سامی نسل ہی دنیا کی قیادت کرتی رہی ہے۔ اس عالمی قیادت کے نیچے اتر کر بھی یہ بات نمایاں ہے کہ غیر سامی اقوام سامی اقوام کے برخلاف کبھی اپنے مرکز سے باہر نمایاں اور بااثر نہیں رہیں۔ مشرق وسطیٰ کے علاقے یا افریقہ، یورپ اور نئی دنیا کے کسی علاقے میں کبھی ان کی عملداری نہیں رہی۔

آریائی مذاہب میں ہندومت، جین مت، زرتشتی اور سکھ مت شامل ہیں۔ بعض لوگ بدھ مذہب کو بھی آریائی سمجھتے ہیں لیکن یہ امر نزاعی ہے کیونکہ ساکھیا منی (گوتم بدھ) جس علاقہ کے رہنے والے تھے وہ تاریخی طور پر کبھی آریہ کا حصہ نہیں رہا اور نہ اس علاقے کے لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ منگولی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ نیپال اور اس کا زیریں علاقہ سرحدی ہے۔ اس لئے آریائی نسل اور تہذیب کے اثرات بھی اس سنگم میں پائے جاتے ہیں لیکن نسلی، ثقافتی اور مذہبی حیثیت سے منگولی نسل اور چینی تہذیب وثقافت کے اثرات بھی آریائی نسل اور ہندوثقافت کے اثرات پر غالب ہیں۔ محض اس ایک وجہ سے بدھ مذہب کے آریائی ہونے کی تردید ہوتی ہے لیکن اور بھی دیگر قومی قرائن اس کی تائید کرتے ہیں کہ بدھ مت آریائی نہیں بلکہ منگولی ہے۔ چنانچہ بدھ مت کے موجودہ

پیروؤں کی تعداد کا بیشتر حصہ منگولی نسل اور وطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ محض کوئی اتفاق نہیں کہ بدھ مت اپنی توسیع کے دور میں شمال میں بھوٹان، نیپال، تبت و چین اور مشرق میں جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک برما، سیام، جزیرہ نمائے ملایا اور انڈو چائنا میں پھیلا جو منگول نسل کے علاقے ہیں۔

منگول مذاہب میں کنفیوشی مت، تاؤ مت، اسلاف پرستی، شنتو مت اور اغلباً بدھ مت بھی داخل ہے۔ یہ سب کے سب مذاہب آریائی مذاہب ہی کی طرح بت پرستی کی ترقی یافتہ اشکال ہیں اور باہم ایک دوسرے کا تتمہ و ضمیمہ ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کا مجموعہ عقائد موجودہ دور کے معاشرہ کی ہمہ جہتی اور مکمل ضروریات کا کفیل ہو سکے۔ دراصل یہ سارے منگول مذاہب ایک مشترکہ خاندان ہے جس کا ابوالعائلہ "کنفیوشی مت" اور جس کا مرشد یا روحانی گرو "تاؤ مت" ہے۔

☆☆☆

حصہ نمبر 1:

کنفیوشس ازم

پس منظر......تعارف......بانی......کتاب......عقائد......

اہم ترین معلومات......اور حقائق

کنفیوشس کا پس منظر

ملک چین اور اس کی حکمت و دانش

چین کا شمار دنیا کے قدیم ترین ممالک میں ہوتا ہے اور یہ قدیم حکمت و دانش کا مرکز رہا ہے۔ قدیم تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے چین کے متعلق یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ یہ قوم حکمت، فلسفہ، فکر اور دانش کی خصوصیت سے محروم رہی ہے، لیکن اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ چینی علم و حکمت تک لوگوں کی رسائی نہیں ہو سکی۔ نیز چینی زبان بھی کافی مشکل ہے۔ جس کا سیکھنا کچھ آسان نہیں۔ اسی وجہ سے دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے اس کے اصل معنی کو پوری طرح واضح نہیں کرتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مشہور فرمان ہے، جو امام غزالی نے احیاء العلوم کی کتاب العلم میں نقل کیا ہے:

''اُطْلُبُوْا الْعِلْم وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنَ''

''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔''

یہ قول اسی چینی حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آخر کار اس قدیم حکمت و دانش سے حجاب اٹھ گیا اور لوگ چین کے علم و حکمت و فکر و دانش اور عملی اخلاق سے واقف ہوئے۔

تین اہم ترین مذاہب

چین میں تین مذاہب خاص طور پر مروج رہے ہیں جن میں دو خاص اسی علاقے میں ظہور پذیر ہوئے:

1: تاؤازم۔
2: کنفیوشس ازم۔
3: بدھ دھرم۔

بدھ دھرم ہندوستان سے پہلی صدی عیسوی میں تبلیغ کے ذریعے چین میں پہنچا۔

مذاہب اور مردم شماری

یہ تینوں مذاہب آپس میں اس قدر مخلوط اور مدغم ہو گئے ہیں کہ ایک ہی شخص بیک وقت تینوں مذاہب کا پیروکار ہو سکتا ہے، حتی کہ مردم شماری میں اہل چین کو ان مذہب کی بناء پر مختلف گروہوں میں شمار کرنا محال ہے۔

مذہبی تعصب اور چین

مذہبی تعصب کے فقدان اور مذہبی رواداری کی وجہ سے چین کی تاریخ میں کوئی قتل و غارت کا واقعہ نہیں ملتا۔

کنفیوشس کی مقبولیت اور نام

ان تینوں مذاہب میں زیادہ مقبولیت جس کو حاصل رہی ہے وہ مذہب کنفیوشس ہے۔ اس کو نیا نام عیسائی مشنریوں نے دیا ہے، ورنہ خود اہل چین اسے "Ju-Chia" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جس کے معنی ہیں "علماء کی تنظیم"

☆☆☆

حکیم کنفیوشس کے حالات زندگی

کنفیوشس اور اس کی مشکلات

کنفیوشس ایک معلم، فلسفی اور ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے چین میں معروف ومقبول ہے، جس کے افکار نے مشرقی ایشیا کی تہذیب پر دوررس اثرات چھوڑے ہیں۔ افکار وتعلیمات کی شہرت ومقبولیت کے باوجود کنفیوشس اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو حسرتوں میں بدل کر اس دنیا سے رخصت ہوا، لیکن عزائم کی ناکامی نے کبھی بھی اس کے مزاج میں تلخی پیدا نہ کی۔

گمنام تاریخ

کنفیوشس کی اصل زندگی مختلف قسم کی روایات کے طومار میں دب کر رہ گئی ہے، حتیٰ کہ اس کی زندگی کے بارے میں بہت کم مواد دستیاب ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش، خاندان اور دیگر تفصیلی حالات سے آگاہی محال ہے۔

کنفیوشس کا زمانہ اور والد

کنفیوشس کا زمانہ تقریبا 551 تا 479 ق م ہے۔ کنفیوشس کا ظہور ایسے زمانے میں ہوا جبکہ چین میں جاگیرداری نظام اپنی موت آپ مر رہا تھا اور ایک نیا چین ابھر رہا تھا۔ کنفیوشس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک معمولی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بعض نے ان کے والد شولان کو شاہی خاندان سے بھی منسوب کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کنفیوشس کے والد ایک بہادر سپاہی اور ایک شہر کے حاکم تھے۔ ان کی بہادری کی داستانیں زبان زد خاص وعام تھیں۔

پیدائش

کنفیوشس 551 قبل مسیح میں چین کے قدیم صوبے لو(Lu) میں اپنے والدین کے ہاں بڑی کبر سنی میں طویل دعاؤں سے پیدا ہوئے۔

نام اور کنفیوشس کی حقیقت

کنفیوشس کا خاندانی نام "Kung" تھا۔ کنفیوشس دراصل کنف فوتس (Kung-fu-Tze) کی لاطینی صورت ہے جس کے معنی ”ماسٹر کنگ“ کے ہیں۔

یتیمی، غربت اور حصول تعلیم

یہ تین برس کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ چونکہ والد نے کوئی اثاثہ نہ چھوڑا تھا، لہٰذا ابتدائی زندگی نہایت غربت و عسرت کے عالم میں بسر کی، لیکن اس کسمپرسی میں بھی تحصیل علم میں مصروف رہے۔

ترقی در ترقی

17 برس کی عمر میں کنفیوشس کو توشہ خانے کا محافظ مقرر کیا گیا۔ اپنی عمدہ کارکردگی سے انہیں گورنر کے ہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر انہیں زراعت کا نگران مقرر کیا گیا۔

علمی ترقی اور شادی

انیس برس کی عمر میں وہ سلسلہ ازدواج میں منسلک ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ دانش قدیم کے ماہر تسلیم کئے جانے لگے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ صوبہ لو(Lu) کے وزیر اعظم نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے کو تاکید کی وہ کنفیوشس سے علم حاصل کرے۔

علمی محافل اور تدریس

23 برس کی عمر میں انہوں نے تعلیم و تدریس کے میدان میں قدم رکھا اور ایک معلم کی

حیثیت سے لوگوں کو تعلیم دینے لگے۔ چنانچہ ان کے مکان پر بڑی بڑی مقتدر شخصیتیں حاضر ہو کر ان سے علمی راہنمائی حاصل کرتیں، حتیٰ کہ ان کے تلامذہ کی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ وہ پندرہ برس تک تدریس میں مصروف رہے اور اپنے فلسفیانہ افکار سے لوگوں کو بہرہ ور کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا:

''برائی سے بھاگنا بہادری نہیں۔''

مجسٹریٹ سے وزیر عدل تک

52 برس کی عمر میں انہیں "Chungtoo" کا مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ ان کی اصلاحات اس قدر موثر ثابت ہوئیں کہ انہیں اور اعلیٰ عہدوں کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ آخر محکمہ عدل کا وزیر مقرر کر دیا گیا۔

مثالی ریاست کا قیام

انہوں نے اپنے لائق شاگردوں کی مدد سے صوبہ لو (Lu) کو سلطنت کی قابلِ رشک مثالی ریاست بنا دیا، لیکن کنفیوشس نے اصلاحات کا معیار اتنا اونچا رکھا تھا کہ وہ زمانے کا ساتھ نہ دے سکیں۔

عروج سے زوال تک

خود غرض، لوگوں نے کنفیوشس کے دیگر معاملات میں رکاوٹیں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ ہمسایہ ریاستوں نے کنفیوشس کے لئے سازشوں کا جال بچھا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ "chi" کے مراکش حکمران نے ڈیوک (Duke) کو 80 رقاصائیں اور 120 عمدہ گھوڑے بھجوائے اور ساتھ سفارش کی کہ کنفیوشس کو معزول کر دیا جائے۔

لو (Lu) کے ڈیوک نے ان تحائف کو قبول کر لیا اور کنفیوشس کو فارغ کر دیا۔ چنانچہ 496 قبل مسیح میں کنفیوشس کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔

گشت اور آخری آرزو

پھر 13 برس تک کنفیوشس چین کے مختلف حصوں میں گھومتا پھرتا رہا۔ اس کی آرزو یہ تھی کہ اسے کوئی سلطنت مل جائے جہاں وہ اپنے اصولوں کو نافذ کر کے ایک مثالی ریاست بنا کر اپنے اصولوں کی صداقت کو ثابت کر سکے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

لائق ترین شاگرد

کنفیوشس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے لائق شاگردوں کا ایک حلقہ تیار کر لیا جس نے دانش قدیم کو کھنگالا اور انہیں مرتب صورت میں پیش کیا۔

وفات

485 قبل مسیح میں کنفیوشس صوبہ لو میں واپس آ کر مقیم ہو گیا۔ 481 قبل مسیح میں اس کا ایک مخلص شاگرد اور 489 قبل مسیح میں دوسرا شاگرد فوت ہو گیا اور اس کے سات روز بعد 489 قبل مسیح میں 73 سال کی عمر میں کنفیوشس نے وفات پائی۔

تدفین اور مقبرہ کی عبارت

کنفیوشس کو احترام کے ساتھ دفن کیا گیا اور کیوفو میں اس کا مقبرہ آج بھی ایک قومی زیارت گاہ ہے۔

اس کے مقبرہ پر ”بہترین حکیم۔ قدیم ترین معلم“ کے الفاظ کندہ ہے۔

بعض محققین کی آراء

بعض جدید محققین نے اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ کنفیوشس کے واقعات کو مبالغہ آمیز رنگ دیا گیا ہے، ورنہ وہ ایک معمولی استاد تھا۔

☆☆☆

کنفیوشس ازم حکیم کنفیوشس کے بعد

مینشش کنفیوشس کا معتقد

کنفیوشس کی وفات کے بعد اس کے کسی معتقد نے اس کی تعلیمات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ مینگ زو (Meng Tzu) جو عام طور پر مینشش کے نام سے مشہور ہے، وہ کنفیوشس کا سب سے زیادہ معتقد تھا۔ غالباً وہ اس کی موت سے ایک صدی بعد پیدا ہوا، وہ بھی لیو (Lu) کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی اکثر و بیشتر اس کے مرشد و آقا سے ملتی جلتی تھی۔ اس نے ذریعہ معاش کے طور پر فلسفے کا سکول کھول لیا۔ چالیس برس کی عمر میں وہ ایک ریاست سے دوسری ریاست میں اس مقصد سے گھوما کہ وہ حکومت سے کنفیوشی اصولوں کا نفاذ کروا سکے۔ اسے اس بارے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ حالات اب بھی سازگار نہ تھے۔ وہ کافی عرصہ زندہ رہا اور اپنی زندگی کے آخری بیس سالوں میں اس نے کوئی کام نہ کیا۔

اس نے کنفیوشی مذہب کی خدمت کی، کنفیوشی تعلیمات کی شرح و تفسیر میں اس نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور کنفیوشس کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں کو ترقی دی۔ وہ بھی اپنے استاد کی طرح انسانی فطرت کی اچھائی پر یقین رکھتا تھا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ خیر خواہی، ہمدردی اور سچائی و راستبازی جیسی بنیادی صفات انسان میں شرم و حیاء کے جبلی احساس سے جنم لیتی ہیں۔

کنفیوشس اور دوسرے چینی فلسفیوں کی مانند اس نے مذہب اور حیات بعد الممات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اس سے اپنا پہلو بچانے کی کوشش کی۔ تاہم گمانِ اغلب یہ ہے کہ وہ بلاشبہ خدائے واحد پر یقین کامل رکھتا تھا، اسے ہی تمام دنیاوی اعزازات کا مصدر و منبع سمجھتا

اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ خدا مصائب و ابتلا کے ذریعے انسانوں کے صبر و حوصلہ کی آزمائش کرتا ہے۔ خدا کو پہچاننے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے۔ وہ طاقتوروں کے مقابلے میں مسلسل کمزوروں کی حمایت کرتا رہا اور وہ بار بار اسی پر زور دیتا رہا کہ ایک حکمران کا اولین فرض عوام کی حالت کو بہتر بنانا ہے۔

ہن خاندان کا کردار

مینشش کی تعلیمات کا کوئی فوری اثر نہیں ہوا۔ البتہ ہن خاندان کے دورِ اقتدار میں جب کہ کنفیوشی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی، اس دور میں اگرچہ بادشاہ کے اخلاقی فرائض کی نسبت مذہبی تقریبات کی عمدگی اور پاکیزگی و پارسائی میں زیادہ شدت اور غلو پیدا ہو گیا تھا، لیکن اس عہد سے اس کے باوجود کہ تاؤمت اور بدھ مت اس کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے، کنفیوشی مذہب کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور یہ فیصلہ ہوا کہ پوری سلطنت کے ہر شہر میں کنفیوشی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں، جہاں پر قربانی، موسیقی اور مذہبی رسوم کے ذریعہ کنفیوشس کو خراج عقیدت پیش کیا جائے۔

عبادت گاہیں

یہ عبادت درحقیقت کنفیوشس کی پرستش نہ تھی، نہ اسے ابھی دیوتا کا مقام حاصل ہوا تھا اور نہ اس سے حاجت روائی کے لئے دعائیں مانگی جاتی تھیں، البتہ ہن خاندان کے آخری سالوں میں اس کی مورتی کنفیوشی عبادت گاہوں کی زینت بنا دی گئی۔ اس کے کئی سو سال بعد اس کے چیدہ چیدہ معتقدوں کی مورتیاں بھی کنفیوشس کی مورتی کے ساتھ شامل کر دی گئیں۔ سولھویں صدی عیسوی میں ان مورتیوں کی جگہ لکڑی کی تختیوں پر کندہ کنفیوشی تعلیمات نے لے لی۔

اب ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو کنفیوشی عبادت گاہوں میں پھلوں اور سبزیوں کے چڑھاوے چڑھائے جاتے اور ہر پندرھویں تاریخ کو لوبان جلایا جاتا۔ سال میں دو بار بہار و خزاں کے موسم میں بادشاہ اپنے امراء کے ساتھ خود مذہبی رسومات میں حصہ لیتا اور دعا و مناجات کے ذریعہ امداد کا طالب ہوتا۔

سنگ خاندان کا دور اقتدار

سنگ (Sung) خاندان کے عہد میں قدیم کنفیوشی تعلیمات کو ترقی دی گئی اور فلسفیوں کے ایک خاص مدرسہ نے ان میں کسی حد تک ترامیم بھی کیں۔ یہ فلسفی بدھ مت سے متاثر تھے، اس دور کے ایک زبردست چینی عالم ''چیوہسی'' (Chuhsi) نے ان تعلیمات کی ایک معیاری تفسیر لکھی ہے۔

چینی تہذیب اور کنفیوشس

چینیوں کے ہاں کنفیوشی تعلیمات اور تہذیب لازم وملزوم ہیں اور پھر کنفیوشی مت مذہب ہے بھی نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی مذہبی اجارہ داری ہے اور نہ خانقاہیں جیسا کہ بدھ مت یا تاؤمت میں۔ پھر بھی یہ مذہب بقائے باہمی کے اصول پر چین میں مدتوں زندہ رہا۔ بعد میں اس میں اجداد پرستی جو چینی قوم کا خاصہ ہے شامل ہوگئی۔ اس مذہب کی بیرون ملک تبلیغ کے لئے چینیوں نے کوئی جدوجہد نہیں کی۔ البتہ چینی تہذیب جب جاپان اور کوریا پہنچی تو کنفیوشی مذہب بھی خود بخود وہاں پہنچ گیا۔

داستانِ عروج وزوال

کنفیوشی مت 1912ء تک چین کا غالب اور سرکاری مذہب تھا۔ اس کے بعد صدر جمہوریہ چین ''یان شی کئی'' کے عہد میں (1916ء) اسے مختصر عرصہ کے لئے احیاء نصیب ہوا۔ 1924ء میں پھر اسے زندہ کرنے، سیاسی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی، کنفیوشی منادر کی درستی عمل میں آئی۔ پرانی رسومات کو جدید چین کے مطابق از سرنو ترتیب دیا گیا اور 27 اگست کو جو کنفیوشس کا یوم پیدائش ہے تعطیل قرار دے دیا گیا۔ اب سے کچھ عرصہ پیشتر صورت یہ تھی کہ تمام چینی بنیادی طور پر کنفیوشی تھے۔ ان کا رجحان کسی حد تک بدھ مت اور تاؤمت کی طرف بھی تھا لیکن اب سیاسی اقتدار چونکہ کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں ہے اس لئے اس بارے میں اب کچھ کہنا مشکل ہے۔ چین اور جاپان کو ملا کر دنیا میں کنفیوشیوں کی تعداد تقریباً 45 کروڑ ہے۔

کنفیوشس کے اہم ترین اقوال

ذیل میں ہم کنفیوشس کے چند اقوال درج کرتے ہیں جن سے اس کے خیالات ونظریات کا پتہ چلتا ہے۔

رئیس اور محکوم

کنفیوشس نے کہا:

”بیشک رئیسوں کے اخلاق کی مثال ہوا کی سی ہے اور محکوم لوگوں کی مثال گھاس کی طرح ہے۔ جس طرف ہوا چلتی ہے اسی طرف گھاس مائل ہوتی ہے۔“

ارواح پرستی

ایک شاگرد نے کنفیوشس سے پوچھا کہ ارواح پرستی کیا ہے تو کنفیوشس نے جواب دیا:

”جب تم زندہ کی خدمت نہیں کر سکتے روحوں کی خدمت کیا کرو گے۔؟“

"So long as you are not able to serve men,how can you serve the spirits."

آخرت وموت

کسی شاگرد نے آخرت کے بارے میں سوال یا تو کنفیوشس نے کہا:

”جب تم زندگی کو نہیں جانتے تو موت کو کیسے جانو گے۔؟“

"So long as you do not know life. How can you know death."

عبادت

ایک شاگرد نے عبادت سے متعلق سوال کیا تو کنفیوشس نے جواب دیا:

"اگر کوئی شخص انسان کی خدمت پورے طور پر بجالائے اور روحوں کا بھی قدر ے احترام رکھے تو عقل و بصیرت یہی ہے۔"

بدی کا بدلہ

کسی شاگرد نے پوچھا:

"کیا ہم کو بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیے۔؟"

کنفیوشس نے جواب دیا:

"تو پھر ہم نیکی کا بدلہ کس چیز سے دیں گے؟ ظلم کا انصاف سے بدلہ دو اور نیکی کا احسان سے۔ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو۔"

علم و تفکر کا رشتہ

کنفیوشس نے کہا:

"تفکر کے بغیر علم ایک بیکار محنت ہے اور علم کے بغیر تفکر خطرناک ہے۔"

محتاط آدمی

کنفیوشس نے کہا:

"محتاط آدمی سے فاش غلطی نہیں ہوتی۔"

والدین اور اولاد

کنفیوشس نے کہا:

"والدین کی نیکیاں اور برائیاں بچوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔"

سچائی اور عظمتِ انسان

کنفیوشس نے کہا:

”سچائی کی عظمت انسان سے ہے نہ کہ انسان کی عظمت سچائی سے۔“

"If there be righteousness in the heart there will be beauty in the character."

دل اور کردار

کنفیوشس نے کہا:

”دل کی درستگی کردار کی درستگی ہے۔“

"If there be beauty in the character there will be harmony in the home."

سیرت خاندان

کنفیوشس نے کہا:

”حسن سیرت خاندانی ہم آہنگی پر منتج ہوتا ہے۔“

"If there be harmony in the home there will be order in the nation."

ہم آہنگی

کنفیوشس نے کہا:

”خاندانی ہم آہنگی قومی نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔“

"If there be order in the nation. there will be peace in the world."

قومی نظم وضبط

کنفیوشس نے کہا:

"قومی نظم وضبط عالمی امن پر منتج ہوتا ہے۔"

نیکی اور بدی

کنفیوشس نے کہا:

"نیکی انسان کو خوشحالی بخشتی ہے اور بدی افلاس کا سرچشمہ ہے۔"

اچھائی اور برائی کا معیار

کنفیوشس نے کہا:

"اچھا آدمی وہ ہے جسے اچھے لوگ اچھا سمجھیں اور اس سے برے لوگ نفرت کریں۔ برا آدمی وہ ہے جسے برے لوگ اچھا سمجھیں اور نیک آدمی اس سے نفرت کریں۔"

اچھی حکومت

کنفیوشس نے کہا:

"اچھی حکومت وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو، وزیر وزیر ہو اور باپ باپ ہو۔"

خوشحالی اور تعلیم

ایک ریاست کی آبادی بڑھ گئی، کنفیوشس سے اس کا حل پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:

"اول انہیں خوشحال بناؤ پھر انہیں تعلیم دو۔"

اپنی پسند

کنفیوشس نے کہا:

''جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے پسند کیوں کرتے ہو۔؟''

حقیر فوائد کا لالچ

کنفیوشس نے کہا:

''حقیر فوائد کے حصول کا لالچ بڑے بڑے معاملات کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔''

ابتدا اور انجام

کنفیوشس نے کہا:

''ابتدا پر توجہ دینے سے قبل انجام کو سوچ لو۔ اس صورت میں انجام کار کوئی مشکل نہ ہو گی۔''

اعلیٰ اور ادنیٰ انسان

''اعلیٰ انسان جو چیز اپنی ذات میں تلاش کرتا ہے ادنیٰ اسے دوسروں میں ڈھونڈتا ہے۔''

لوگوں سے ملاقات

کنفیوشس نے کہا:

''جب باہر نکلو تو لوگوں سے اس طرح پیش آؤ جیسے تم ایک معزز مہمان کی خدمت بجالا رہے ہو۔''

لوگوں سے سلوک

کنفیوشس نے کہا:

"لوگوں سے تمہارا سلوک اس طرح ہونا چاہئے گویا تم ایک عظیم قربانی دے رہے ہو۔"

عزت کا معیار

کنفیوشس نے کہا:

"جو تم اپنے لئے نہیں چاہتے وہ دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو۔ اس طرح خاص و عام میں کوئی بھی تمہیں برا نہ کہے گا۔"

انسان کی امتیازی خوبیاں

کنفیوشس نے کہا:

"خیر خواہی، ہمدردی اور ایثار انسان کی امتیازی خوبیاں ہیں۔ انسانی کردار میں ان کی مجسم صورت ہی دراصل اس کے فرض شناس کی نشاندہی کرتی ہے۔"

کونسی جائیداد

کنفیوشس نے کہا:

"انسان پیدائش کے وقت کچھ بھی ساتھ نہیں لاتا اور نہ ہی مرتے وقت کچھ ساتھ لے جاتا ہے۔"

بھائی چارہ

کنفیوشس نے کہا:

"چاروں سمندروں میں جو بھی انسان ہیں وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ پھر ایک نیک انسان کیونکر غمزدہ ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی بھائی نہیں۔؟"

دوسروں کو نصیحت خود میاں فصیحت

کنفیوشس نے کہا:

”وہ شخص جو خود جھک جاتا ہے دوسروں کو کس طرح سیدھا کر سکتا ہے۔؟“

☆☆☆

کنفیوشس کی اہم ترین کتب

بنیادی پانچ کتب

کنفیوشس کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے لئے جو بنیادی کتب ملتی ہیں وہ پانچ ہیں اور ان کو (Five Kings) کہا جاتا ہے۔:

1: شو کنگ۔ 2: شی کنگ۔

3: لی چی۔ 4: بی کنگ۔ 5: چون چن۔

شو کنگ

شو کنگ کو ”شو چنگ“ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب تاریخ کی کتاب ہے جس میں اڑھائی ہزار قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی قبل مسیح تک کے مختلف شاہی خاندانوں کے حالات مذکور ہیں۔ نیز ان کی تاریخی تقریریں شامل ہیں جو پہلے 100 تھیں اب اٹھاون رہ گئی ہیں۔

شی کنگ

شی کنگ کو ”شی چنگ“ (The Book of Poetry) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر شاعری کی کتاب ہے۔ اس منظوم کتاب میں 18 سو قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی قبل مسیح تک مختلف خاندانوں کے حالات نظم کی صورت میں ملتے ہیں۔ یہ ابتداء

میں کوئی تین ہزار نظموں پر مشتمل تھی جن میں سے کنفیوشس نے 305 نظموں کا انتخاب کیا جو آگے منتقل ہوا۔

لی چی

لی چنگ کو "The Book of Rites" کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب کتابِ رسوم ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک خاص خاندان کی سرکاری کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں وہ رسومات اور طریقے درج ہیں جن پر بادشاہ اور ان کے امراء عمل میں کیا کرتے تھے۔

یی کنگ

یی کنگ کو "تابی چنگ" (Yiching) (Yiking) بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو "کتاب تغیرات" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب مختلف قسم کے واقعات اور حوادث کے بیان میں ہے اور یہ سب سے قدیم کتاب قرار دی جاتی ہے۔ کنفیوشس اس کتاب کا بڑا دلدادہ ہے۔ وہ اس قدیم مصنف کی اس قدیم تصنیف کو اس حد تک اہمیت دیتا تھا کہ ایک بار اس نے کہا:

"اگر میری عمر اجازت دے تو پچاس برس میں صرف اسی کتاب کا مطالعہ کرتا رہوں۔"

یہ کتاب مختلف قسم کے طلسماتی (جادوئی) نقشوں اور علم جعفر سے متعلق مختلف باتوں پر مشتمل ہے۔

چون چن

چون چن (Chun-Chin) کو Anais of Spring and Autumn" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب بہار اور خزاں کے واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ کنفیوشس کی اپنی تالیف ہے جس میں انہوں نے سلطنت لو (Lu) کے آٹھویں صدی قبل مسیح 722 تا 481 (اپنی وفات کے کچھ عرصہ قبل) تک کے حالات بیان کئے ہیں۔

چار افکاری کتب

چار کتابیں کنفیوشس کے افکار کے مطالعہ کے لئے ضروری ہیں جو اس کے تلامذہ نے لکھیں ہیں۔ وہ یہ ہیں:

1: اینلکٹس۔ 2: علم عظیم۔
3: چونگ جونگ۔ 4: نظریہ اعتدال۔

اینلکٹس

اینلکٹس (The Anangcts) کنفیوشس اور ان کے تلامذہ کے اقوال ومباحث پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں کنفیوشس لوگوں سے باتیں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں زندگی کے حقائق عام فہم کہانیوں اور تمثیلوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

علم عظیم

کتاب علم عظیم (The Great Learning) دراصل ”لی چی“ کا اکتالیسواں باب ہے لیکن بعد میں اسے اس کی افادیت کی بناء پر الگ سے تیار کر لیا گیا اور اس میں کنفیوشس کے بارے میں زیادہ معتبر باتیں نہیں ملتیں۔

چونگ جونگ

چونگ جونگ کو "The Doctrine of the means" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب بھی دراصل ”لی چی“ کا باب نمبر 28 ہے اور کنفیوشس کے فلسفیانہ افکار کی بڑی عمدہ تشریح ہے، جس میں خاص طور پر فطرت انسانی اور کائنات کے نظامِ اخلاق پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب کنفیوشس کے پوتے ”کیہ“ کی طرف منسوب ہے۔

نظریۂ اعتدال

کتاب نظریۂ اعتدال (The Book of Mencius) کنفیوشس کے اقوال ماننے والے مفکرین کے اقوال پر مبنی ہے اور یہ کتاب فلسفہ کنفیوشس کو سمجھنے کے لئے

زینے کا کام دیتی ہے۔

☆☆☆

کنفیوشی ادب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

کتابوں کا ضائع ہونا

کنفیوشی ادب کی کتابوں کی تاریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان کتابوں کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے۔ پورے چین کا حقیقی حکمران ڈیوک تھا، جسے شہنشاہ اعظم کہنا بجا ہوگا۔ یہ چن (Chun) خاندان کی مختصر سی حکومت کا بانی تھا، جس نے چین کے تمام صوبہ جات کو اپنے زیر نگیں کر کے 221 قبل مسیح میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی اور شہنشاہ اول کا لقب اختیار کیا۔ اس نے پرانے جاگیرداری نظام کا قلع قمع کیا، سلطنت کو 36 صوبوں میں تقسیم کیا اور دنیا کے عجائبات میں سے ایک مشہور عجوبہ دیوار چین تعمیر کرائی۔ اسی نے نیا سکہ ایجاد کیا اور چینی طرز تحریر کی اصلاح کی، لیکن ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اس شہنشاہ نے 213 قبل مسیح میں یہ حکم دیا کہ کنفیوشس کی تمام کتابوں کو جلا دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس شخص نے کنفیوشس کے چار سو بیس علماء کو زندہ دفن کروا دیا، لیکن تین سال ہی گزرے تھے کہ یہ شہنشاہ فوت ہوگیا۔

ہن خاندان کا دور حکومت

شہنشاہ اول کی موت کے بعد ”ہن“ (Hun) خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس دور میں کنفیوشس کی کتابوں کو دوبارہ برسرعام لایا گیا اور انہیں ازسرنو شہرت حاصل ہوگئی۔ بہرحال جو کتابیں کنفیوشس نے خود لکھیں، اس سے پہلے لکھی گئیں یا اس کے شاگردوں نے لکھیں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے "Lewts Brown" لکھتا ہے:

"For the most party, they are the collection of ancient rituals, hymns, cermonial laws, magic, historcial chronicles and proverbs. Their importance to us rests not upon tgheir own merrit but soley upon the very real thought night incredible on maret. They have dominated the life and tought of learned china."

(The Believing World-Brown)

یہ کتب زیادہ تر قدیم رسومات، بھجن، روایتی قوانین، تاریخی روایات اور ضرب الامثال کا مجموعہ ہے۔ ان کی اہمیت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے زمانہ دراز تک چین کی علمی اور فکری زندگی کو متاثر کیے رکھا ہے۔

☆☆☆

کنفیوشس کی اہم ترین تعلیمات

مذہب اور روحانی پہلو

کنفیوشس مشرق بعید کا قدیم ترین مذہب ہے، لیکن حقیقی معنوں میں کنفیوشس مت کوئی مذہب نہیں ہے، کیونکہ کنفیوشس نے الہام کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، نیز کنفیوشس مذہب، خدا، وحی، الہام، جنت وجہنم اور اخروی جزاوسزا جیسے مابعد طبعیاتی مسائل کے متعلق خاموش ہے۔ اس میں کوئی ’’مذہبی عبادت‘‘ یا ’’دینی عقائد‘‘ نہیں پائے جاتے۔ اس نے کبھی روح کو غیر فانی نہیں کہا۔ فی الحقیقت وہ کسی اعلیٰ تر الٰہی وجود کے ازلی وابدی علم اور کامل ہدایت کے سرچشمے سے سیراب نہیں ہوا، اس لئے اس میں روحانی تسکین اور قلبی طمانیت کا وجود نہیں۔ الغرض کنفیوشس کی تعلیمات میں روحانی پہلو ناپید ہے جو اہم مذہبی خصوصیت ہے۔

کنفیوشس ازم کی اہم ترین ابحاث

کنفیوشی تعلیمات کو کسی طور پر الہامی نہیں کہا جاسکتا، نہ ہی کنفیوشس نے خود الہام کا دعویٰ کیا۔ اسے صرف انسان کے ان فرائض سے بحث تھی جو اس پر معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں۔ ان ہی فرائض کی ادائیگی میں ہم آہنگی دراصل رضائے الٰہی کا موجب بنتی ہے اور جب کہ ان کی مخالفت اس کی نافرمانی۔

خدائے واحد کا تصور

کنفیوشی تعلیمات میں خدائے اعلیٰ کے بارے میں نہایت مبہم سے اشارے ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اس نے بہت ہی کم اظہار خیال کیا

ہے، ان میں سے ایک روحانی شخصیات کا مسئلہ ہے۔

مردوں کو ایصال ثواب

کنفیوشس خود مردوں کی ارواح کو ایصال ثواب کے لئے رسوم انجام دیا کرتا تھا، لیکن اس کا قول تھا:

"اگر تم انسانوں کی خدمت نہیں کر سکتے تو پھر ارواح کی خدمت کس طرح کر سکتے ہو؟"

آخرت کا انکار

اس کے ایک اور جملے سے آخرت یا حیات بعد الممات کے متعلق اس کے نظریئے پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

"جب تم زندگی کی حقیقت کو نہیں جانتے تو تم موت کو کہاں سمجھ سکتے ہو۔؟"

اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ کنفیوشس کی تعلیمات صرف دنیا تک محدود تھیں۔

دنیاوی وسیاسی نظریہ

کنفیوشس ازم حقیقتاً ایک سیاسی نظریہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سیاسی دائرہ میں اس کا وسیع اثر رہا ہے۔ لہٰذا ماہرینِ مذہب کی رائے ہے کہ کنفیوشس مذہبی مقتدا تو نہیں تھا، البتہ معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی مصلح ضرور تھا۔ زندگی کے ابتدائی شعبوں نیز اچھی حکومت اور حکمران پر اس کی کافی تعلیمات ہیں۔ وہ رعایا سے زیادہ حاکم کی اصلاح کا قائل تھا۔ اس کے خیال میں ایک نیک اور مثالی حاکم رعایا کی اصلاح کر کے اسے نیک اور مثالی بنا سکتا ہے۔ اس کا قول ہے:

"حاکم کو اپنے نام کی لاج رکھنی لازم ہے۔"

کنفیوشس اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک مرتبہ جنگل سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک عورت کو روتے ہوئے پایا۔ عورت سے پوچھنے لگا:

"وہ ایسے خطرناک مقام کو چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔؟"

عورت نے جواب دیا:

"حکومت جابر اور ظالم ہے۔"

حکیم کنفیوشس نے شاگردوں سے کہا:

"بچو! یادرکھو! ظالم اور جابر حکومت شیر سے بھی زیادہ وحشی اور خوفناک ہے۔"

کنفیوشس کی بادشاہ کے لیے تعلیمات

حکیم کنفیوشس نے حکمرانی کے پانچ اصول بتائے ہیں:

1: فیض رسانی۔ 2: دیانت داری۔
3: خوش اطواری۔ 4: عملی دانائی۔
5: خلوص یعنی صحیح عقیدہ۔

کنفیوشس ہی کا قول ہے:

"اچھی حکومت وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو اور وزیر وزیر ہو۔"

کنفیوشس کی حکومت

کنفیوشس خود کچھ عرصہ صوبہ "لو" کا وزیرِ عدل رہا تھا۔ اس وقت اس نے اسے مثالی ریاست بنانے کی کوشش کی اور بددیانتی اور برائی کو ختم کردیا۔ حتیٰ کہ گلی کوچے میں گری پڑی اشیاء کوئی نہ اٹھاتا تھا۔ اس کے زمانۂ وزارت میں وفاداری اور نیک نیتی عوام کی خصوصیات اور پاکدامنی وعفت خواتین کی خصوصیات ہوگئی تھیں۔ اس نے ایک بڑے عہدیدار کو بھی سزا دے کر اپنی انصاف پسندی کو چار چاند لگائے لیکن آخرکار حاسدوں نے اسے معزول کروادیا۔

کنفیوشس کی زندگی بھر آرزو رہی کہ اسے حکمرانی نصیب ہوتا کہ وہ مثالی حکومت قائم کرسکے، جبکہ خود اس کا قول ہے:

"میں صرف تین سال میں اپنے افکار کو عملی شکل دے سکتا ہوں۔"

"If any ruler would employ me as his director for twelve months, i would accomplish some thing considerable. In three years, I would attain the realization of my hopes."

کنفیوشس کی معاشرتی تعلیمات

تنظیم معاشرہ حکیم کنفیوشس کے نزدیک ایک حکم خداوندی ہے۔ جس کی ترکیب "پانچ رشتوں" سے ہوتی ہے۔ ہر رشتہ وفاداریوں کے نظام سے منسلک ہے۔ الغرض انہوں نے صرف ان امور سے بحث کی جن سے عوام کو روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ اس طرح اس کی معاشرتی و اخلاقی تعلیمات سادہ، عام فہم اور لچکدار ہیں، جس کا بیشتر حصہ فطری اصول پر مبنی ہے۔

حکیم کنفیوشس نے معاشرتی استحکام کے لئے مندرجہ ذیل پانچ رابطوں کے استحکام پر زور دیا ہے:

1: حاکم اور رعایا کا رابطہ۔
2: باپ اور بیٹے کا رابطہ۔
3: میاں اور بیوی کا تعلق۔
4: بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے تعلق۔
5: دوست اور دوست کا تعلق۔

کنفیوشس نے اخلاقی زندگی اور معاشرتی استحکام کی بنیاد مذکورہ پانچ رابطوں پر رکھی ہے، ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کچھ فرائض اور ہر ایک کے لئے کچھ حقوق ہیں جن کا تعلق حاکم وقت سے بھی ہے اور عام رعایا سے بھی۔ ان میں سے ہر شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ایسے نظام سے منسلک ہے جس کا تعلق ایک دوسرے سے ہے۔ پہلے چار رشتوں کے متعلق معین اصول ہیں اور پانچویں رشتے میں تسلیم و رضا اہم کردار سرانجام دیتے ہیں۔

کنفیوشس اس بات کا قائل ہے کہ بدنظمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حاکم اپنے مرتبہ کے تقاضے نبھانے میں قاصر ہو اور رعایا بھی اپنے مقام سے دور ہو چکی ہو۔ باپ اپنے مقام اور مرتبہ سے غافل ہو اور بیٹا اپنے فرائض سے منہ موڑ چکا ہو۔ علی ہذا القیاس اخلاقی بلندی اور معاشرتی استحکام اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کا خیال نہ رکھے۔

کسی نے ایک بار اس سے پوچھا:

''کیا کوئی لفظ ایسا ہے جو زندگی کے لئے بنیادی اصول کا کام دے سکے۔؟''

اس نے جواب دیا:

''ہاں!''باہمی مراعات''یعنی دوسروں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو تم دوسروں سے اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔''

کنفیوشس کا یہ بھی قول ہے:

''اچھی حکومت اور اچھا معاشرہ وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو، وزیر وزیر ہو، باپ باپ ہو اور بیٹا بیٹا ہو۔

حاکم کو تلقین کی کہ بادشاہ خود اپنے عمل سے رعایا کے لئے اچھی مثال قائم کرے، نیز تاکید کی کہ حکمران طبقہ اور رعایا اپنے فرائض خلوص سے سر انجام دیں۔

حاکم اور رعایا:

کنفیوشس کے نزدیک رعایا کو ہر حال میں حاکم کی اطاعت کرنی چاہئے۔

باپ اور بیٹا:

کنفیوشس میں باپ بیٹے کا مالک ہے اور بیٹا اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔

میاں بیوی کا تعلق:

کنفیوشس میں میاں گھر کا سربراہ ہے جبکہ بیوی اس کی غلام۔

بھائی کا بھائی سے تعلق:

کنفیوشس کہتا ہے کہ ایک بھائی کے دوسرے بھائی کے ساتھ تعلقات بہتر ہونے چاہئے۔ بہرحال بڑا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دوست کا دوست سے تعلق:

کنفیوشس میں دوستی کوئی لازمی امر نہیں۔ بہرحال اگر کسی آدمی کا کوئی دوست ہو تو اسے اس کی رعایت اور خوشنودی ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے۔

کنفیوشس کی اخلاقی تعلیمات

کنفیوشس کی تعلیمات کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ وہ اصلاح اخلاق کے لئے علم و تربیت کو ضروری بتلاتا ہے۔ کنفیوشس نے اخلاق کے جن پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے وہ والدین کی اطاعت، حاکم کی اطاعت، عدل وانصاف اور عزیزوں کی امداد ہے۔

اس کا مشہور مقولہ ہے:

''اچھا آدمی وہ ہے جسے اچھے لوگ اچھا آدمی کہیں اور اس سے برے لوگ نفرت کریں۔ جبکہ برا آدمی وہ ہے جسے برے لوگ اچھا سمجھیں اور اچھے لوگ اس سے نفرت کریں۔''

کنفیوشس کی علمی تعلیمات

کنفیوشس کا قول ہے:

''دنیا کی سب سے بڑی دولت علم ہے۔''

نیز تعلیم کی افادیت کے متعلق ان کا قول ہے:

''ایسا کوئی شخص مشکل سے ہی ملے گا جس نے تین سال تک علم حاصل کیا ہو اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو۔''

نیز کنفیوشس علم کے لئے تفکر و تدبر کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اس کا قول ہے:

''بغیر تفکر علم بیکار محنت ہے۔''

☆☆☆

حصہ نمبر 2:

زرتشت اَزم

پس منظر...... تعارف...... بانی...... کتاب...... عقائد......
اہم ترین معلومات...... اور حقائق

ابتدائی تعارف

پیروکار

دینِ زرتشت گو مشہور عالمی مذاہب میں سے ایک ہے، لیکن یہ امر خاصہ تعجب خیز ہے کہ ان تمام عالمی ادیان میں سے جو صدیوں سے زندہ رہے اور آج بھی موجود ہیں ان میں سے ایک ہونے کے باوجود اس کے ماننے والوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے یعنی پوری دنیا میں فقط سوا لاکھ کے قریب۔

ہندوستانی اور ایرانی آریا

زرتشت کی تاریخی داستان خاصی طویل ہے۔ آج سے بہت پہلے وسط ایشیا سے ایک قوم اٹھی جسے آریا کہا جاتا ہے۔ کچھ آریا لوگ مغرب کی جانب چلے گئے اور اس نسل کے لوگ یورپ میں آج تک آباد ہیں۔ کچھ مشرق کی طرف آئے جن میں نمایاں آریاؤں کی دو شاخیں ہیں:

1: ہندوستانی آریا۔

2: ایرانی آریا۔

یہ بات تاریخی شواہد سے واضح ہے کہ ان دونوں شاخوں کی جغرافیائی اصل ایک تھی۔ اس لئے قدیم ایران کا مذہب اور قدیم ہندوستان کا مذہب آپس میں مشترک ہیں اور ان دونوں مذاہب کی روایات کافی حد تک ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، اگرچہ دونوں مذاہب میں مماثلت کے باوجود بعض بنیادی اختلافات بھی ہیں۔

گمانِ غالب ہے کہ قدیم آریا کے دو صدیاں قبل دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک ایران میں رہ گیا اور ایک ہندوستان میں آ کر آباد ہو گیا۔ اصل میں دونوں کے دینی افکار کی بنیاد ایک

تھی۔ مگر جغرافیائی ماحول کی بناء پر دونوں کی آئندہ زندگی مختلف ہو گئی۔

تین اہم ترین ادوار

اہل ایران کے مذاہب کے تاریخی حالات دریافت کرنا ویدک دھرم سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ ایران کا قدیم مذہبی ادب بہت کم دستیاب ہے۔ ایرانی مذہب کی تاریخ کے مطالعہ کی سہولت کے لئے اسے تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1: ایران قبل از زرتشت۔
2: زرتشت اور اس کی تعلیم۔
3: زرتشت کے بعد زرتشتی مذہب کا ارتقاء۔

☆☆☆

ایران قبل از زرتشت

مظاہر فطرت کی پرستش

قدیم ایران کا مذہب ویدک دھرم کے مشابہ تھا۔ چنانچہ دونوں میں مظاہر فطرت کی پرستش رائج رہی تھی اور لوگ دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔

مشہور مصنف جے بی ناس نے لکھا ہے:

> "The common people worship powers known as devas, similar ones of the veda, they were personifications of the powers of nature - Sun, Moon, Stars, Earth, Fire, Water and Winds."
>
> (J.B. Noss)

ویدک دھرم اور ایرانی مذہب کی مماثلتیں

دونوں مذاہب کے ہاں ایک ہی نام اور ایک ہی خوبیوں سے متصف دیوتاؤں کی

پرستش ہوتی تھی۔ مثلاً : ہندوستانی دیوتا ''مترا'' ایرانی دیوتا ''متھرا'' سے مشابہ ہے۔ ہندوستانی دیوتا ''وایو'' ایرانی دیوتا ''ویتا'' سے مشابہ ہے، جبکہ ہندوستانی دیوتا ''یم'' ایرانی دیوتا ''جم'' سے مشابہ ہے، اسی طرح یونانی دیوتا ''یودانوز'' ویدک دھرم کے دیوتا ''ورونا'' سے مشابہ ہے۔ یہاں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جس طرح، ویدک دھرم میں مظاہر فطرت کی پرستش نظر آتی ہے اسی طرح قدیم ایرانی مذہب میں لوگ مظاہر فطرت کی پرستش کرتے نظر آتے ہیں۔

اگنی دیوتا کا تصور

ایرانیوں میں اگرچہ اگنی دیوتا کا تصور نہ تھا، تاہم براہِ راست آگ کا احترام اور اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ دیوتاؤں کے لئے قربانیاں دیتے وقت آگ جلائی جاتی تھی۔

قربان گاہ کے نزدیک گھاس کو پاک کیا جاتا تھا اور اس پر سوم رس چھڑکا جاتا تھا۔ ایک میز لگائی جاتی تھی جس پر قربانی کے ٹکڑے رکھے جاتے تھے، چنانچہ زرتشت کی آمد سے قبل مظاہر فطرت اور مختلف دیوتاؤں کی پوجا کا رواج عام تھا۔

ایرانیوں کی چند خوبیاں

ایرانیوں میں زرتشت کے آنے سے پہلے چند خوبیاں بھی موجود تھیں، جن میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ لوگ جھوٹ سے نفرت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مقروض ہونے سے بھی بڑی نفرت کرتے تھے، کیونکہ مقروض ہونا جھوٹ بولنے کے جرم کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ طب میں مہارت رکھتے تھے۔

☆☆☆

زرتشت کے حالات زندگی

زرتشت کا زمانہ پیدائش

زرتشت مذہب کے مطابق زرتشت ایران کے قدیم پیغمبر ہیں، لیکن ان کے زمانے میں اختلافات پایا جاتا ہے۔ مثلاً: مغربی محققین میں سے بعض نے ان کا زمانہ 660 قبل مسیح سے 583 قبل مسیح قرار دیا۔ بعض نے 1000 قبل مسیح، بعض نے 2200 سے 2400 قبل مسیح اور بعض محقق ایسے بھی ہیں جو زرتشت کا زمانہ 6350 قبل مسیح بتاتے ہیں۔ بعض زمانہ ماقبل تاریخ بتاتے ہیں۔ زرتشت کے متعلق معلومات کا ذریعہ اوستا اور ایرانی روایات ہیں۔

تاریخی حیثیت

بہرحال زرتشت کی شخصیت افسانوی ہے یا تاریخی اور واقعی۔ اگر تاریخی ہے تو کس صدی قبل مسیح میں؟ اس کا جواب اور اس کی تفصیلات دنیا کے کسی گوشے میں بھی یقینی طور پر نہیں مل سکیں۔ یورپ کے محققین بھی قطعی اور حتمی طور پر کچھ بیان نہیں کر سکے۔ خود زرتشت کے ایک پیروکار مانند جی ڈھلہ (Mr. M.N.Dhalla) نے "History of Zoraestrianism" میں لکھا:

"We know some thing of Buddha and Jesus but we know practically nothing of the life Zordaster"

اگر زرتشت کے متعلق کچھ معلومات میسر ہیں تو وہ فقط ان کی مذہب کی دینی کتب ''اونستہ'' میں ہیں یا دیگر ناقابل یقین روایات سے ملتی ہیں۔

لفظِ زرتشت

انگریزی لفظ "Zoroaster" یونانی لفظ زرتشا سے بنا ہے۔ اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟ اس کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئی ہیں اور حسب ذیل معنی تجویز کیے گئے ہیں:

1: بڑا پادری۔ 2: دستور۔
3: دستورِ دستوراں۔
4: روحانی رہنما (Spirtual Guide)
5: اونٹوں والا بوڑھا (شیخ الابل)۔

بہر حال ان معانی میں اول الذکر یعنی ”بڑا پادری“ معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

زرتشت کی ولادت

زرتشت کے مولد کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ غالباً وہ ”میڈیا“ یا ”باختریہ“ کے علاقہ میں پیدا ہوئے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ”پوروشاسپ“ زمیندار کے گھر میں پیدا ہوئے جن کا تعلق آریا قوم کی ایک ذات سے تھا۔

بعض مؤرخین یا محققین نے زرتشت کے مولد (موجودہ تہران) کے قریب ایک جگہ رے (Ray) قرار دیا ہے۔ اوستہ کے حوالے کے مطابق زرتشت کا گھر ”دادیا“ (Daidya) کے کنارے پر تھا۔ ایک دوسری زرتشی کتاب میں مذکور ہے کہ زرتشت کا گھر ایک دوسرے دریا ”دراجا“ کے کنارے واقع تھا، لیکن اس بات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ دریا میڈیا کے شمال مغربی سرحد پر ہے۔ علامہ شہرستانی نے دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ باپ اول الذکر علاقے میں رہتا تھا اور ماں رے میں۔

والد، والدہ اور خاندانی پیشہ

ان کے والد کا نام پوروشاسپ (Porushasep) اور والدہ کا نام دھدو (Duhdu) تھا۔ زرتشت کا خاندان جادوگروں اور پروہتوں کا خاندان تھا۔

بیٹے کی خوشخبری

کہا جاتا ہے کہ زرتشت کے والد نے شراب پی تو فرشتے نے بچے کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔

خرقِ عادت

زرتشت کے چند خارق عادت افعال درج ذیل ہیں:

1: مجوسی ازم کے مطابق زرتشت کو بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا تو آگ گلزار بن گئی اور وہ شعلوں سے کھیلنے لگے۔

2: زرتشت کو مویشیوں کے راستے میں ڈالا گیا تو ایک گائے نے ان کی حفاظت کی۔

3: زرتشت کو بھڑیوں کے غار میں چھوڑ دیا گیا تو بھیڑیے زمین میں گڑ گئے۔

4: زرتشت کو دو فرشتوں نے دودھ پلایا۔

5: کہا جاتا ہے کہ صوبے کے گورنر نے اپنے بڑے مشیروں کے مشورے سے بچے کو آگ میں ڈال دیا لیکن بچہ محفوظ رہا۔ چنانچہ ایرانی روایات میں ان کی پیدائش کے ساتھ بعض معجزے پیش کئے گئے ہیں۔ مجوسیوں کو علم نجوم سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بچہ (زرتشت) ان کے مذہب کے زوال کا باعث ہوگا، لہٰذا اس کے قتل کی بھی کوششیں کی گئیں۔

حصولِ تعلیم

کہا جاتا ہے کہ زرتشت نے بچپن میں ہی ایک اتالیق حکیم "بزاں کرزل" سے تعلیم حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں ان کی روحانی رسم ادا ہوئی۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے ملک کے دانشوروں، مسافروں، تاجروں اور سیاحوں سے مذاکرات اور مکالموں کے ذریعے معلومات جمع کیں۔ ان میں علم و فن سیکھنے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ ذہانت اس قدر تھی کہ ایک سال کے قلیل عرصے میں متعدد علوم، مذاہب، زراعت، گلہ بانی اور جراحی کے ماہر ہو گئے۔

تفکر و تدبر...... نیکی و بدی اور دو خداؤں کا تصور

زرتشت نے جوانی میں خدمت خلق کے کارنامے سرانجام دیئے۔ یہ سوچ بچار کے عادی تھے۔ پہاڑ میں گوشہ نشین ہوئے اور ان کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ انسان آئے دن طرح طرح کی مصیبتوں کا کیوں شکار ہوتا ہے۔؟

غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر زرتشت اچھل پڑا، انہیں اپنے مسئلے کا حل مل گیا تھا، وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں بٹا ہوا ہے اسی طرح دنیا بھی نیک اور بد میں منقسم ہے۔ نیز جس طرح دن رات میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح نیکی اور بدی کا باہم بدل جانا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح اندھیرا اور روشنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح دو خدا ہیں۔ ایک خدا سراپا نیکی اور خیر "اہورمزدا" (یزداں) اور دوسرا خدا سراپا بدی اور شر جسے وہ "اینگرامینوں" (اہرمن) کہتے ہیں۔ اس طرح پورے مذہب کی بنیاد ثنویت پر رکھ دی۔

بعض محققین نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ زرتشت کی تعلیم توحید کی تعلیم تھی۔

سات غیر فانی ہستیاں

دین زرتشت میں خدا کی صفات کو متشخص کر کے سات غیر فانی ہستیاں قرار دی گئی ہیں۔ یہ سات روحیں ہیں جن میں سر فہرست مزدا کا نام ہے۔ باقی چھ صفات یہ ہیں:

1: آشا یعنی صداقت اور راستی (Asa Vahisto)
2: واہو مانا یعنی نیک خیالات (Vohumano)
3: واہوار (سچا)۔
4: نعمتوں کا مالک یعنی خشاویریا۔
5: غیر فانی۔
6: آرماتی یعنی تقویٰ اور دینداری (Amereta)

حصولِ عرفان

اوستا کے حوالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت عرفان کے حصول کے لئے ایک بلند پایہ پہاڑ پر غور وفکر اور مراقبے میں وقت گزارا کرتے تھے۔ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سات برس کے لئے چپ کا روزہ رکھا۔

بعض کہتے ہیں کہ کئی برس صحرانوردی کی اور سوائے پنیر کے کچھ نہ کھایا۔ کہا جاتا ہے کہ 25 برس کی عمر میں گھر بار، ماں باپ اور تین بیویوں اور بچوں کو چھوڑ کر بیابان کی طرف روانہ ہوئے۔

زرتشی روایات کے مطابق 30 برس کی عمر میں دریائے دیتیا کے کنارے ان کے سامنے ایک قومی ہیکل صورت ظاہر ہوئی جو انسانوں سے 9 گنا بڑی تھی۔ زرتشی روایات اس ظاہر ہونے والی صورت کا نام ودہومانا (Vohumano) یا بہمن (فکر حسین وفکر جمیل) تھا۔ جب زرتشت سے "ودہومانا" نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کن لوگوں میں سے ہیں؟ تمہاری منتہائے آرزو کیا ہے؟ اور تمہاری سرگرمی عمل کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں زرتشت نے کہا:

> "میں سپتما خاندان کا زرتشت ہوں، راستی میری آرزو ہے اور میری سرگرمی عمل یہ ہے کہ میں راستہ اور سچائی پر عمل پیرا ہو سکوں۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد فرشتہ انہیں روحانی دنیا میں لے گیا، حتی کہ زرتشت کو اپنا سایہ نظر نہ آیا اور زرتشت جب آہورمزدا کے دربار میں پہنچا تو اس نے سلام کیا۔ اس کے بعد آہورمزدا نے اسے سچے دین کے اصول سکھائے۔ آئندہ دس برس تک وحی کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے اختتام پر زرتشتی روایات کے مطابق صرف ایک چچازاد بھائی ان پر ایمان لایا۔ ان کی بہت زیادہ مخالفت ہوئی، جیسا کہ گاتھا میں ہے:

> "میں کس زمین کی طرف بھاگ جاؤں اور کس طرف اپنے قدموں کو جھکاؤں؟ مجھے اپنے خاندان اور قبیلے سے نکال دیا گیا ہے۔ مجھے اپنے قبیلے کی حمایت بھی حاصل نہیں اور نہ ہی مذہبی حکمرانوں کی۔ اے مالک! میں اپنا غم

تجھے سناتا ہوں۔"

آخر بادشاہ وشتاسپ، اس کی بیوی، بھائی اور دو وزیر زرتشت پر پر ایمان لائے۔ گھوڑے کی معجزانہ صحت کے بعد ایک وزیر کی لڑکی (Hvovi) سے زرتشت کی شادی ہوگئی۔ اس طرح زرتشت کا شاہی خاندان سے تعلق قائم ہوگیا۔ بعد ازیں بادشاہوں نے زرتشت کو مذہبی راہنما بنا دیا اور پورے ایران و عراق میں آتش کدے قائم ہوگئے۔ آخر ایک جنگ میں زرتشت 77 برس کی عمر میں مارا گیا۔

☆☆☆

عقائد و تعلیمات

مذہبی عقائد

زرتشت نے آہورمزدا کے تصور کو خدائے بزرگ و برتر کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس طرح ان کا میلان توحید کی طرف ہے، اس طرح زرتشت نے خداوند نور کی 23 صفات پیش کی ہیں جو اسلامی تصور سے ملتی ہیں۔ مثلاً: خالق کائنات، مالک کل، عقل کل، علیم، رحیم اور غیر فانی وغیرہ۔

نیز زرتشت کے ہاں آخرت، جنت، دوزخ، ملائکہ کا عقیدہ اور انبیاء کی ضرورت کا نظریہ پایا جاتا ہے جو آسمانی مذاہب کے بنیادی عقائد ہیں۔ زرتشت کی بنیادی تعلیم خیر و شر کی کشمکش ثنویت ہے۔

زرتشت کی تعلیمات سے باخبر ہونے کے لئے گاتھا کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ گاتھا تعداد میں پانچ ہیں جو 17 نظموں پر مشتمل ہے اور اب وہ اوستا کے بڑے حصے کا ایک جزو ہے۔ یہ گاتھا اپنے افتتاحی الفاظ کے حوالے سے موسوم کی گئی ہے۔

گاتھا کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب زرتشت قدیم مذہب آسودہ یا آہورہ کے تصورات کی ایک ارتقائی صورت ہے۔

گاتھا میں خیر و شر کا واضح مقابلہ نظر آتا ہے جس سے اس دین کی ثنویت کا تصور کرنا

ظاہر ہوتا ہے۔ شویت "Dualism" ہے، لیکن یہاں یہ بات ملحوظ ہے کہ زرتشت کی یہ شویت غیر محدود نہیں بلکہ انجام کار آہوزمزدا کی فتح ہوگی یعنی خیر وشر پر غالب آئے گا۔

گاتھا میں پل صراط کا بھی پتا چلتا ہے جسے وہ چنوٹ (Chinnot) کہتے ہیں، جو اسلامی تصور سے قریب ہے۔ جب تک یہ مقابل خیر وشر جاری ہے، انسان کے لئے کسی نہ کسی ایک جانب کا انتخاب کرنا اور اس میں پوری کوشش صرف کرنا ضروری ہے۔ نیک خیالات، نیک اعمال اور نیک الفاظ سے انسان آہوزمزدا کے مشن کی تائید کرتا ہے۔

گاتھا میں یہ تصور بھی موجود ہے کہ ایک روز دنیا کا خاتمہ ہوگا اور اسی خاتمے پر تمام چیزوں کا ایک ٹیسٹ (Test) ہوگا یعنی انہیں جانچا جائے گا اور پگھلی ہوئی دھات کا ایک سیلاب آئے گا جس میں ساری برائیاں جل کر راکھ ہو جائیں گی لیکن سچائی کو آنچ نہیں آئے گی۔

اخلاقی تعلیمات

جناب زرتشت کی نمایاں اخلاقی تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں:

1: طہارت افکار۔ ظاہری وباطنی طہارت۔

2: صداقت وراست بازی۔

3: خدمت خلق اور امداد۔ زرتشت کہتے تھے کہ دوسروں کی اخلاقی امداد اور مالی نصرت کرنی چاہئے۔ نیز یہ امداد خندہ پیشانی سے ہونی چاہئے جیسا کہ اہور نے زرتشت سے کہا:

> "اے زرتشت! ایسے شخص پر افسوس ہے جو خیرات دیتے وقت خوش دلی سے نہ دے۔"

4: زرتشت کی تعلیمات میں عائلی زندگی پر تاکید ملتی ہے۔

5: ان کے نزدیک عمل اور محنت کی زندگی مستحسن ہے۔ زرتشت خود آخر دم تک کھیتی باڑی کرتے رہے۔ ان کا کہنا ہے:

"وہ زمین جو بیکار پڑی رہتی ہے وہ اچھی نہیں لگتی جس طرح خوبصورت بانجھ

بیوی کو لوگ پسند نہیں کرتے۔"

6: زرتشت ازم میں محرمات سے شادی کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ زرتشت مذہب کے مطابق بہن، بیٹی، ماں، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی وغیرہ سے شادی کرنا جائز ہی نہیں بلکہ نیکی بھی ہے۔

☆☆☆

دینی ادب

زند اوستا

مذہب زرتشت کی مقدس کتاب کو "اوستا" کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی "اصل متن" کے ہیں۔ زند کے معنی شرح کے ہیں۔ اس کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔ اس طرح یہ کتاب زند اوستا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مجموعہ کتب 21 صحائف پر مشتمل ہے، جن میں اب صرف گاتھا محفوظ رہ گئی ہے۔ "اوستا" کی زبان قدیم ایرانی زبان ہے اور "زند" کی زبان پہلوی ہے، گویا اوستا کی شرح پہلوی زبان میں ہے۔

اوستا کی تقسیم

اوستا کے پانچ حصے ہیں:

1: یستا (ژند۔ حمد و ستائش)
2: وسپورڈ/وسپرٹ (Vaspird۔ سرداران)
3: وندیداد (Vendidad۔ بھوت پریت)
4: یشت (Yashts۔ نذر و نیاز)
5: خورد اوستا۔

یستا

یستا 72 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں قربانی کی دعائیں جمع کی گئی ہیں، نیز قربانی

کے وقت کی دعائیں ہیں۔ یہ اوستا کا قدیم ترین حصہ ہے جو سب سے زیادہ مقدس اور الہامی قرار دیا جاتا ہے۔ گاتھا بھی اسی میں شامل ہے۔

وسپورڈ

وسپورڈ/اوسپرٹ (Vaspird سرداران) کے معنی "All the Lords" کے ہیں۔ یہ کتاب 24 ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں آہورمزدا (خدائے خیر) کے شریکوں کا ذکر ہے۔

وندیداد

وندیداد (Vendidad۔ بھوت پریت) 22 ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ ہندوستانی پارسیوں کا دستور حیات ہے۔ اس میں ارواح خبیثہ سے مقابلہ کرنے کی تدابیر ہیں۔

یشت

یشت (Yashts۔ نذر ونیاز) 21 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان میں بھجن اور دعاؤں کا ذکر ہے۔

خورداوستا

خورداوستا میں شخصی عبادت کی دعائیں ہیں، جو پروہت اور عام لوگ یکساں پڑھتے ہیں۔

گاتھا

پہلی گاتھا 7 نظموں پر مشتمل ہے اور اس کا افتتاح زرتشت کی دعا سے ہوتا ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

> "اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے میں تیری مدد کا ملتجا ہوں۔ اے مزدو! جو سب چیزوں میں اول ہے، میں تیرے حضور یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے روحانی کام کرنے کی توفیق حاصل ہو۔ اے حق وراستی! میں فکر جمیل اور روح ثور کی

خوشنودی کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔؟"

اس گاتھا کی دوسری نظم مکالمے پر مشتمل ہے جو بہشت میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ روح ثور (Oxe Soul) کی طرف سے یہ شکایت ہوتی ہے کہ زمین پر جانوروں سے تشدد روا رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ بہمن یا "Vohumana" زرتشت کو ان کی حفاظت کے لئے نامزد کرتا ہے۔ روح ثور پہلے مطمئن نہیں ہوتی، لیکن بعد میں زرتشت کی پورے خلوص سے کی گئی دعا پر مطمئن ہو جاتی ہے۔

تیسری نظم زرتشت کے عقائد کی عکاسی کرتی ہے۔

چوتھی طویل نظم مزدا کی حمد و ستائش بیان کرتی ہے۔

پانچویں نظم ایک مکالمہ ہے جس میں زرتشت شیطانوں کی مذمت کرتا ہے۔ یہ گاتھا اس دعا پر ختم ہوتی ہے:

> "مزدا! مجھے وہ تمام باتیں بتایئے! جو بہترین تعلیمات ہیں اور جو بہترین اعمال ہیں۔ اے فکر جمیل! اے حق و راستی! تو ہی حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ ہمیں یہ یقین دلا دیجئے کہ نوع انسانی آپ کی رضا کے مطابق عمل کرے گی۔"

دوسری گاتھا 4 نظموں پر مشتمل ہے، جن میں سے بعض حصے اسرار کائنات کو بیان کرتے ہیں۔

تیسری گاتھا "Spantamanu" ہے جو کہ روح خیر کے نام سے معروف ہے۔ اس سے زرتشت کے عقیدے روح خیر کا اظہار جامع طور پر ہوتا ہے۔

چوتھی اور پانچویں گاتھا صرف ایک نظم پر مشتمل ہے۔

☆☆☆

زرتشی ادب کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

سکندر اعظم اور زرتشتی ادب

زرتشت کی موت کے ڈھائی سو سال بعد 331 قبل مسیح میں سکندر اعظم نے ایران پر

حملہ کیا اور زرتشتی مذہب کی کتب مقدسہ کو نذر آتش کر دیا۔ زرتشتی علماء اور پروہت پہاڑوں میں جا چھپے۔

از سر نو مرتب……اور تحریفی و ترمیمی پہلو

جب زرتشتی مذہب کا دوبارہ احیاء ہوا تو پروہتوں نے اپنے حافظہ سے کتب مدون کیں، اس طرح لازماً ان مدونہ کتب میں تحریف و ترمیم ہوئی۔ بعد ازیں پہلوی زبان میں ترجمہ ہوا، اس طرح زرتشت کی کتب مقدسہ ژندی اور پہلوی دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔

محرف در محرف

الغرض ان کتب کی تعداد، زبان اور زمانہ تدوین کے متعلق اس قدر شدید اختلافات پائے جاتے ہیں کہ کوئی محقق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ موجودہ کتب زرتشت غیر محرف ہیں۔

☆☆☆

زرتشت کے عقائد و رسومات

خدا کا فرستادہ

زرتشت اپنے الہام کی صداقت کو بڑی تاکید سے پیش کرتا ہے۔ گویا اسے یقین ہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے اور اسکا میلان توحید کی طرف ہے۔

نظام کائنات اور کارکنانِ قدرت

گاتھا میں زمین، سورج، ستاروں اور اسی طرح دوسرے مظاہر فطرت کے حوالے سے آہورمزدا کی حمد و ستائش بیان کی گئی۔ یہ مظاہر فطرت خالق کائنات کی عظیم قوتوں کا اظہار ہیں۔

زرتشت کا خیال یہ تھا کہ آہورمزدا نظام کائنات کو قائم رکھنے کے لئے ایشا سپنتاز

(Amesha Spentas) یعنی غیر فانی کارکنانِ قدرت سے کام لیتا ہے۔

فلسفۂ خیر وشر

زرتشت کا عقیدہ یہ تھا کہ آہورمزدا خدائے بزرگ و برتر موجود ہے لیکن مخلوق میں اس کی مخالفت ذاتیں ہیں یعنی خدا کی خدائی مخالفت کے بغیر نہیں۔ زرتشت کے مذہب کے مطابق آشا (Asha) یعنی راستی اور داروغ (یا دروج) یعنی ''جھوٹ'' متضاد قوتیں متصادم رہتی ہیں۔ نیکی کا بدی سے مقابلہ جاری رہتا ہے، لیکن انجام کار کامیابی آہورمزدا کو ہوگی یعنی حق باطل پر غالب آئے گا۔ یہ خیال تعلیم زرتشت کے ہر حصے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

ہر آدمی کے قلب میں خیر وشر کا تصادم جاری رہتا ہے۔ آہوزمزدا نے ہر انسان کو خیر و شر میں امتیاز کی صفت عطا کی ہے۔ پھر اس کو کسی ایک کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا ہے۔ آہوزمزدا مجبور نہیں کرتا، لہٰذا خیر وشر کے انتخاب میں انسان خود مختار ہے۔

خیر وشر کو واضح طور پر علیحدہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لئے گاتھا میں نیک کام اور نیک آدمیوں کی صفات کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ان صفات کے اختیار کرنے سے دنیا میں نیکی کو پھیلایا جائے۔ زرتشت کا یہ عقیدہ ہے کہ حق آخر کار ضرور باطل پر غالب آئے گا۔ ان کے نزدیک قوت شر نہ ازلی ہے نہ ابدی۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ زرتشت غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا کہ جس طرح دن روشنی اور اندھیرے میں بٹا ہوا ہے اسی طرح دنیا میں نیک اور بد میں منقسم ہے، نیز جس طرح دن رات میں تبدیلی ممکن نہیں اسی طرح نیکی اور بدی کا باہم بدل جانا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں جس طرح اندھیرا اور روشنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اسی طرح دو خدا ہیں، ایک خدا سراپا نیکی اور خیر آہورمزدا (یزداں) اور دوسرا خدا سراپا بدی اور شر جسے وہ اینگرامینو (اہرمن) کہتے ہیں۔ یہی زرتشت کا فلسفہ خیر وشر ہے جس کی بنیاد ثنویت یعنی دو خداؤں کے تصور پر ہے۔

حق و باطل کی کشمکش

زرتشت کی تعلیمات کا دوسرا اہم عنصر کائنات میں خیر و شر کی باہمی کشمکش کا استحضار اور اس کا ایک ہمہ گیر تصور ہے۔ زندگی کا تاریک، پُراندوہ اور شر کے مختلف مظاہر سے عبارت پہلو انسان کے کے ہمیشہ ایک مسئلہ رہے ہیں۔

مذاہب عالم جو انسانی تقدیر کے بنیادی سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس مسئلہ سے پہلوتہی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب میں کائنات میں شر کے وجود، اس کی موجودگی میں انسانی رویہ اور اس کے دائمی حل کے سلسلے میں تعلیمات ملتی ہیں، لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ زرتشت دنیا کے ان مذاہب میں سے ہے جنہوں نے اس مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی ہے اور زندگی کے اس پہلو کو اپنی پوری توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں واضح اور تفصیلی تعلیمات پیش کی ہیں، بلکہ اگر صرف زرتشت کے اپنے کلام "گاتھاؤں" کو ہی پیش نظر رکھا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ خیر و شر کی دوئی اور ان کا باہمی تضاد ایک ایسا موضوع تھا جس نے زرتشت کو گہرے طور سے متاثر کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تعلیمات کے کسی پہلو میں اس حقیقت سے غافل نہیں رہے اور مختلف صورتوں میں یہ موضوع ان کی اکثر تعلیمات میں جھانکتا رہتا ہے۔

دوسری طرف زرتشت کے بعد ان کے پیروؤں نے اس سلسلہ میں اتنا انہماک ظاہر کیا کہ بالآخر وہ کائنات میں دو مستقل طاقتوں کو خیر اور شر کے الگ الگ سربراہوں کی حیثیت سے ماننے لگے اور "ثنویت" یا دو خداؤں پر عقیدہ رکھنے والے قرار پائے۔

یہ بات کہ خیر اور شر کی طاقتوں کا الگ الگ وجود اور ان کی باہمی کشمکش کا تصور زرتشت کی ذاتی بصیرت کی دین تھی یا اس میں ان کے ماحول اور قدیم ایرانی مذہبی تصورات کا بھی کچھ حصہ تھا۔؟ اس کا فیصلہ سر دست موجودہ تاریخی مآخذوں کی روشنی میں مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن قدیم ایرانی مذہب کی جڑواں روایت ویدک مذہب کے تصورات کو دیکھتے ہوئے جہاں کائنات میں خیر اور شر کی طاقتوں کی تقسیم، دیوتاؤں اور راکشسوں کی تفریق کی صورت میں ابتدا سے ہی موجود ہے، یہ کہنا کچھ بعید از قیاس نہ ہوگا کہ قدیم ایرانی مذہب بھی اس نوع

کے عقائد کا حامل رہا ہوگا، جہاں سے زرتشت کو خیر اور شر کے سلسلے میں بنیادی تصورات مل سکتے تھے۔

دوسری طرف گاتھاؤں میں خانہ بدوش، جنگجو قبائل اور زراعت پیشہ پرامن کسانوں کے درمیان موت وزیست کی کشمکش کو جس پرزور طریقہ سے خیر اور شر کو دوئی کے ایک بڑے مظہر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے زرتشت کے نظریات میں اس دور کے سماجی اور معاشی حالات کے اثرات بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

> ''اے خدا! میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ اس کی کیا سزا ہوگی جو شیطان کے پرستاروں کی حکومت چاہتا ہو؟ ان لوگوں کی حکومت جو برے برے کام کرتے ہیں اور جو پرامن کسانوں (اور مویشی پالنے والوں) کے جانوروں اور آدمیوں پر طاقت آزمائی کر کے ہی اپنی روزی حاصل کرتے ہوں۔؟''
>
> (یاسنا: 15،31)

بہرحال اگر قدیم ایرانی تصورات اور ان کے اپنے دور کے سماجی اور معاشی حالات کا کوئی اثر زرتشت کی تعلیمات پر تسلیم بھی کر لیا جائے تو جس شدت اور وضاحت کے ساتھ زرتشت نے خیر اور شر کی کشمکش سے متعلق تصورات کو پیش کیا ہے اسے ان کے اپنے روحانی تجربہ اور ذاتی بصیرت کی دین ہی کہا جاسکتا ہے۔

زرتشت کی تعلیمات میں اگرچہ آہورمزدا یا معبود حقیقی خیر اور شر کی کشمکش سے بالاتر ہے اور کائنات میں اس کشمکش کا وجود خود اس کی تخلیق اور اس کی اجازت سے جاری ہے، لیکن پھر بھی چونکہ آہورمزدا خیر کو پسند اور شر کو ناپسند کرتا ہے اور اس کشمکش کے آخری دور میں (قیامت کے نزدیک) بالآخر وہ شر پر خیر کی فتح کا ذمہ ہوگا۔ اس لئے آہورمزدا کو خیر کا طرف دار اور سرپرست کہا جاسکتا ہے، لیکن باوجود خیر کو پسند کرنے اور شر سے نفرت کرنے کے آہورمزدا خیر اور شر کی کشمکش میں براہِ راست دخل انداز نہیں ہوتا، بلکہ طرفین کو ایک وقت مقررہ (قیامت) تک کے لئے چھوٹ دیئے ہوئے ہے کہ وہ آپس میں نبرد آزمائی کر کے اپنے اپنے جوہر دکھالیں۔

اس طرح خیر کی جماعت کی سربراہی آہورمزدا نہیں بلکہ اس کے کارکن ''روح القدس'' (اسپنتامینیو) کے سپرد ہے، جس کو گاتھاؤں میں آہورمزدا کا ''روحانی فرزند'' کہا گیا ہے۔ یہ ''روح القدس'' ایک نمایاں مقام کا حامل ہے۔ آہورمزدا سے قربت اور روحانی درجہ بندی میں اپنی حیثیت کے لحاظ سے وہ دوسری تمام ''متبرک ہستیوں'' پر فوقیت رکھتا ہے اور تمام مخلوقات میں اولین درجہ پر فائز ہے۔ اپنی اس نوعیت کے لحاظ سے زرتشت ''روح القدس'' کے واسطہ ہی سے آہورمزدا تک پہنچنا چاہتے تھے اور یہ کہ دوسرے تمام انسانوں کو ہدایت کا راستہ ''روح القدس'' کے واسطہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

''روح القدس'' کو آہورمزدا کا اہم ترین کارکن کہا جا سکتا ہے اور جب ہم ''روح القدس'' کی اس اہم ترین خصوصیت کو سامنے رکھیں کہ خیر اور شر کی کشمکش میں خیر کی جماعت کی سربراہی ''روح القدس'' (اسپنتامینیو) ہی کے سپرد ہے تو پھر اس کو آہورمزدا کا سالار اعظم کہنا نامناسب نہ ہوگا۔

دوسری طرف کائنات میں شر کی جماعت کا سردار دوسرے الفاظ میں ابلیس اعظم انگرامینیو ہے۔ گاتھاؤں میں انگرامینیو اور اسپنتامینیو (روح القدس) کو جڑواں کہا گیا ہے اور چونکہ اسپنتامینیو کی تخلیق ارادۂ الٰہی سے بتائی گئی ہے اس طرح انگرامینیو کا خالق بھی بالواسطہ آہورمزدا ہی قرار پاتا ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں صراحت سے کوئی بیان نہیں ملتا۔ بہرحال باوجود آہورمزدا (خیر محض) کی تخلیق ہونے اور باوجود خیر کی جماعت کے سردار اسپنتامینیو کے جڑواں ہونے کے انگرامینیو نے ابتدا سے ہی اپنے لئے شر کا راستہ بند کیا۔ گویا ابتدائے آفرینش سے ہی اسپنتامینیو (روح القدس) اور انگرامینیو (ابلیس اعظم) کے راستوں کا اختلاف اور ان کی باہمی دشمنی واضح ہو گئی تھی۔ ایک جگہ زرتشت کہتے ہیں:

> ''میں اب دونوں جڑواں قوتوں کو بیان کرتا ہوں جب کہ روزِ ازل ہی میں اس نے جو کہ خیر کی روح ہے شر کی روح سے یوں خطاب کیا: ''ہمارے خیالات، ہماری تعلیمات، ہماری خواہشات، قول، فعل، دل اور دماغ کبھی بھی ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہو سکتے۔''
>
> (یاسنا:45،22)

اس طرح خیر اور شر کے ان دو سر براہوں کے اختلاف اور باہمی کشمکش میں جو روز ازل سے ہی شروع ہوگئی تھی کائنات کی مخلوقات اپنی اپنی پسند کے مطابق خیر یا شر کی جماعت میں شامل ہوتی چلی گئیں۔ ان دونوں جماعتوں کی اس جنگ میں کسی مصلحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس جنگ کا خاتمہ کسی ایک جماعت کے نیست و نابود ہو جانے سے ہوگا، جبکہ شر کی جماعت ہر لحہ خیر کو مٹانے پر تلی رہتی ہے اور خیر کی جماعت شر کو۔ یہ دونوں طاقتیں تا قیامت اسی طرح برسرپیکار رہیں گی۔

زرتشتی عقیدے کے مطابق ایک مسیحا (سوشیانت) کا ظہور ہوگا جس کی معاونت سے خیر کی جماعت شر پر مکمل غلبہ حاصل کرلے گی اور کائنات سے شر نیست و نابود ہو جائے گا۔

الغرض زرتشت کے اس فلسفہ خیر و شر کے مطابق حق آخر کار ضرور باطل پر غالب آئے گا، ان کے نزدیک قوت شر نہ ازلی ہے نہ ابدی۔

نظریہ آخرت

زرتشت کا نکتہ نگاہ یہ ہے کہ موجودہ نظام درہم برہم ہونے کے بعد ایک نیا نظام ظاہر ہوگا، حق و باطل کا موازنہ ہوگا، باطل کو آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں کھا جائیں گی اور حق و صداقت کے لئے آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں دودھ کی نہریں بن جائیں گی۔ موت کے بعد انفرادی محاسبہ ہوگا اور قیامت کے دن اجتماعی حساب کتاب ہوگا۔

☆☆☆

زرتشت ازم......زرتشت کے بعد

مجوسیوں کی کامیابی اور کثرت پرستی

زرتشت کے اس دنیا سے کوچ کرتے ہی زرتشتی تعلیمات فراموش کی جانے لگیں۔ مظاہر فطرت اور قدیم دیوتاؤں کی پرستش کا طریقہ پھر سے رائج ہوگیا۔ زرتشت کے بعد بھی اگرچہ عبادات میں گاتھا کا استعمال جاری رہا، لیکن اس کی زبان بہت مشکل تھی۔ زرتشتی علماء

نے جب اس کی تشریح وتفسیر کا فریضہ انجام دیا تو اس میں کثرت پرستی داخل ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت کی کامیابی کے بعد مجوسیوں نے اپنی تبلیغی جدوجہد کو عارضی طور پر ختم کر دیا اور اس کے کسی بہتر موقعہ کا انتظام کرنے لگے۔ زرتشت کی وفات سے انہیں پھر سے اپنے مذہب کے پرچار کا موقع مل گیا۔ عوام نے مجوسیوں کو پھر سے اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کر لیا اور کچھ عرصہ بعد لوگوں کے اعلیٰ طبقات بھی ان کے زیر اثر آ گئے، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زرتشتی مذہب میں مجوسی اعتقادات نے فروغ پا لیا۔ قدیم دیوتاؤں متھرا، تشتریا، فراواشی اور اناہتاء کی پوجا پھر سے شروع ہوگئی۔ ان دیوتاؤں کو فرشتوں کا درجہ دے دیا گیا اور ''آہورمزدا'' کے ساتھ ان دیوتاؤں کو بھی خدا کا مقام دے کر شامل کر لیا گیا۔

رسومات میں تبدیلی

زرتشت کی وفات کے بعد مذہبی رسوم میں جادو، منتر اور ستارہ شناسی پھر سے شامل ہوگئے۔ مردوں کو جانوروں اور پرندوں کے آگے پھر سے ڈالا جانے لگا۔ گاتھا میں مذہبی رسوم وشعائر کا کوئی ذکر نہیں ملتا، کیونکہ زرتشت نے ظاہری عبادات کو بہت کم اہمیت دی تھی، لیکن مجوسیوں نے اس کی تلافی کر دی اور اوستا میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جن کا گاتھا میں کوئی وجود نہ تھا اور ''انگرامیئیو'' (خالق خیر) کی ہر مخلوق کے سامنے ایک ایک شیطانی مخلوق پیدا کر دی گئی۔

شرک اور جادو

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ زرتشت کے انتقال سے ایرانیوں میں قدیم ثانوی بن کر رہ گئی، حتی کہ استائے آخر میں ''آہورمزدا'' کو فرشتوں کی عبادت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ فرشتے زرتشت سے قبل کے وہی دیوتا تھا جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جنہیں اب فرشتوں کا مقام دے دیا گیا تھا۔ صفات الٰہی ''ایشاسپتا'' کا رشتہ کھینچ تان کر کسی نہ کسی پرانے عقائد سے جوڑ دیا گیا اور ان میں سے بہت سی صفات فرشتوں سے منسوب کر دی گئیں۔ صفات الٰہی کے بعض وظائف قدیم دیوتاؤں کی طرف منتقل ہوگئے۔ پرستش کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ خدا اور اس کی مخلوق کو معبودیت کا یکساں درجہ دے دیا گیا۔

گاتھا کو منتر بنا دیا گیا حالانکہ زرتشت نے اپنے مذہب سے جادو اور منتر کو بالکل نکال دیا تھا۔

ویدوں کے عقائد

اوستائے آخر کی واحدانیت عیسائی عقائد کے مماثل ہوگئی اور یہ عقیدہ پیدا ہوگیا کہ زندگی کے بعض شعبے ماتحت روحانی ہستیوں کی ملکیت ہیں اور ان میں خدائے اعلیٰ کی مدد کی ضرورت نہیں اور زندگی کے کام انجام دینے کے لئے خدائے اعلیٰ تک رسائی ضروری نہیں، بلکہ ان چھوٹی اور ماتحت ہستیوں سے یہ کام نکلوائے جا سکتے ہیں۔

چنانچہ ان ماتحت روحانی ہستیوں (ایرانیوں کے قدیم دیوتاؤں) کی تعریف میں نظمیں لکھی گئیں، جو ''یشت'' کے نام سے اوستا کا ایک باب بن گئیں۔ ان حالات میں یہ بات کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں کہ زرتشت کی وفات کے بعد اس کے پیروؤں میں قدیم عقائد پھر سے ابھر آئے۔ سات ابواب والی گاتھا میں اس کا کافی ثبوت ہے اور یشت کی نظمیں صاف بتا رہی ہیں کہ زرتشت کے بعد ایرانیوں میں ویدوں کے عقائد و تصورات اور فطرت پرستی پھر سے رواج پا گئے تھے۔

زرتشت ساحر و کاہن

مجوسیوں نے (جو علم نجوم کے ماہر اور خوابوں کی تعبیر میں کافی درک رکھتے تھے) زرتشت کے اس عقیدے کو بالکل بگاڑ دیا کہ آنے والی زندگی ایک خالص روحانی زندگی ہوگی۔ انہوں نے زرتشت کی شخصیت کو کچھ اس طرح پیش کیا کہ گویا وہ بھی انہی کی طرح ایک ساحر و کاہن تھا۔ جسے مستقبل کے واقعات کا پتہ چلانے میں مہارت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اسے خدائے برتر کے ساتھ ایک خصوصی تعلق تھا۔ اوستا کے آخری حصے میں آہورمزدا اور زرتشت کے باہمی مکالمات میں بھی افسانوں کا خاصا عمل دخل ہے۔

نجات دہندوں کا ظہور

گاتھا میں زرتشت کے اس پختہ عقیدے کا ذکر ملتا ہے کہ جس کام پر وہ مامور ہوا تھا وہ اس کی زندگی میں ہی مکمل ہو جائے گا۔ وہ خود اور اس کے پیروکار اس کام کی تکمیل میں شریک

ہوں گے اور یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے ذریعے دنیا کو شر سے نجات ملے گی۔ مجوسیوں نے اس عقیدے کو بھی بدل ڈالا۔ زرتشت اور اس کی پیروؤں کی وفات کے بعد یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ نجات دہندوں کا ظہور مستقبل میں ہو گا۔

قربانی کی رسم

زرتشت کے بعد اس کے پیروؤں نے اس کی تعلیمات سے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ نیکی اور خیر کو شر پر بہر حال فتح ہو گی۔ چنانچہ شیطان یا ''انگرامینیو'' سے مقابلے کے لئے انہوں نے مینڈھوں کی قربانی کی رسم ایجاد کی، جس کے ساتھ گاتھا کے چند الفاظ دہرائے جاتے۔ لوگوں کی توجہ اصل گناہ سے ہٹ کر ظاہری مذہبی رسوم کی ادائیگی سے غفلت خوفناک ہو سکتی تھی۔ ۔ بے گناہ کا کفارہ یہی قربانی اور گاتھا کے چند منتر تھے۔

زیادہ اہم گناہ

اوستا کے آخر میں جو گناہ زیادہ اہم تھے، وہ یہ تھے:

1: کسی شخص پر ناجائز طور پر حملہ کرنا اور پھر اس کا تاوان نہ دینا۔

2: قتل نفس۔ اگر اس کا دوبارا رتکاب کیا جائے۔

3: کسی ایسے گھر میں آگ لے جانا جس میں موت واقع ہو اور اس کے وقوع کو ایک ماہ سے زیادہ گزرا ہو۔

4: نعش کو پرندوں کے حوالے کرنے سے پیشتر اسے اچھی طرح نہ باندھنا۔

5: کسی گڈریئے کے کتے کو اچھی غذا دینا۔

ان گناہوں کی اہمیت کا آپ نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہو گا۔؟ زرتشت کی اصل تعلیم میں ان گناہوں کا وجود ہی نہیں ملتا، لیکن ستم یہ ہے کہ ان تمام عقائد و رسوم کو زرتشت سے منسوب کر دیا گیا۔ البتہ کچھ ایسے عقائد ضرور تھے جنہیں مجوس محو نہ کر سکے۔ ان میں سرفہرست عبادات میں مجسموں اور تصویروں کے استعمال کی ممانعت ہے، نیز حیات بعد الممات اور اخلاقی جزا و سزا شامل ہیں۔

اوستائے آخر ساسانی بادشاہ شاہ پور دوم کی نگرانی میں مرتب ہوئی۔ یہ زمانہ چوتھی صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ مذہب زرتشت نے مختلف ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد جو صورت اختیار کی اس کی نشاندہی اوستائے آخر میں کی گئی ہے۔

دورحاضر کے زرتشتی

زرتشت کے ظہور سے پہلے ایران میں جو قدیم مذہب رائج رہا ہے اس میں مظاہر فطرت اور ارواح پرستی شامل تھی۔ دیو کے نام سے جنوں بھوتوں کی پوجا بھی موجود تھی۔ فرشتوں کا تصور بھی موجود تھا مگر انہیں خدا کا شریک قرار دیا جاتا تھا۔ ان مشرکانہ عقائد کی اصلاح کے لئے زرتشت نے تبلیغی مسائی انجام دیں۔ گاتھا کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت توحید کے قائل تھے، شرک کی مخالفت کرتے تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے دین میں بہت سے اوہام اور خرافات مل گئیں۔ زرتشتی مذہب میں ہنوامنشی بادشاہوں کے زمانے میں عقائد میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ ساسانی بادشاہوں کے عہد میں زرتشت سے پہلا مذہب اور زرتشت کا مذہب آپس میں خلط ملط ہو گئے۔ جب مسلمان ایران میں داخل ہوئے تو زرتشتی مذہب کی یہی مخلوط صورت ایران میں رائج تھی۔

ساسانی سلطنت کی تباہی کے ساتھ ساتھ دین زرتشت کا کوئی سہارا باقی نہ رہا۔ ایران کی آبادی میں سے کثیر حصہ مشرف با اسلام ہو گیا، کیونکہ مسلمان خلفاء کے زمانے میں ایرانیوں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ جو لوگ اپنے قدیم دین پر قائم رہنا چاہتے تھے وہ ایران کے الگ حصے سبستان وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اسلامی فتوحات کے 100 برس کے بعد زرتشتی لوگوں کی ایک کثیر تعداد ساحل ہند کی طرف منتقل ہو گئی۔ بمبئی کاٹھیاواڑ کے علاقے میں ان کی بستیاں آباد ہوئیں۔ ان لوگوں کو پارسی کہا جاتا ہے۔ جو ایران میں رہ گئے وہ خود کو زرتشتی کہلواتے تھے۔ مسلمان عام طور پر انہیں گبر کہتے ہیں۔ یہ لوگ آج تک ایران میں موجود ہیں۔ ان کے اپنے معبد اور آتش کدے ہیں۔ یہ رسوم ورواج میں قدیم زرتشتی آئین کی پیروی کرتے ہیں۔ جو زرتشتی ہندوستان میں آباد ہیں انہیں پارسی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ مذہب کے پکے ہیں۔ یہ نہ خود دین بدلتے ہیں اور نہ کسی کو اپنے دین میں داخل

کرتے ہیں۔ زرتشتی دین تبلیغی نہیں ہے۔ ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے پارسیوں پر ہندو مذہب کا گہرا اثر پڑا ہے۔ گائے کا تقدس ہندوستانی آریاؤں اور ایرانیوں میں قدیم زمانے سے مشترک چلا آرہا ہے، جس طرح ہندوؤں کے ہاں پنڈت ہوتے ہیں اسی طرح زرتشتوں کے ہاں پروہت ہوتے ہیں۔

طبقات علماء

زرتشت مذہب میں جو مذہبی رسوم کی راہنمائی کرتے ہیں ان کے تین درجے ہیں:

1: دستور۔

2: موبد۔

3: ہربد۔

دستور علمائے مذاہب ہیں۔
موبد رسوم کی راہنمائی کرتے ہیں۔
"ہربد" سب سے نچلے درجے کے مذہبی رسوم کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔

آگ کا تقدس

آگ کا تقدس قدیم ایرانی روایات سے ثابت ہے۔ اسے خدا کا نور اور زندگی کا منبع خیال کیا جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زرتشت کے اپنے زمانے میں بھی آگ کو اسی تقدس کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، تاہم اس کی پرستش نہیں کی جاتی تھی۔ زرتشتی آگ کو خدا کا نور اور نشان سمجھتے تھے اور اپنے آتش کدوں میں آگ بجھنے نہ دیتے۔

بعض پارسیوں کا دعویٰ ہے کہ آتش پرستی کے ذریعہ ایک طرف انسان کو اپنی زندگی کے ہیچ ہونے کا یقین دلایا جاتا ہے اور دوسری طرف ان میں اخوت اور باہمی الفت پیدا کی جاتی ہے۔ تیسرا یہ کہ انسان اپنے انجام کا نظارہ کر سکے۔ جس طرح آگ راکھ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن انسان مٹ جائے گا اور جس طرح آگ روشنی پھیلاتی ہے انسان کو بھی نیکی پھیلانی چاہئے۔

مردوں کی رسومات

پارسی لوگ اپنے مردوں کو نہ جلاتے ہیں، نہ دفن کرتے ہیں، نہ پانی میں بہاتے ہیں کیونکہ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آگ پانی اور مٹی تینوں مقدس ہیں۔ لہٰذا دفن کرنے سے مٹی کی، بہانے سے پانی کی اور جلانے سے آگ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں مردے کو دخمہ (مینار خاموشی۔ Tower of Silence) میں رکھ دیتے ہیں، جہاں سے گدھیں وغیرہ کھا لیتی ہیں۔

ان کے ہاں عجیب و غریب رسم یہ ہے کہ لاش کے ساتھ پروہت کتے کو ساتھ لاتے ہیں۔ ان کا نکتہ نظر یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہوائی چیزیں کتے کے ڈر سے لاش کو خراب نہیں کرتیں۔ اس رسم کو "سگ وید" کہتے ہیں۔

☆☆☆☆

حصہ نمبر3:

دین اسلام

پس منظر......تعارف......بانی......کتاب......عقائد......
اہم ترین معلومات......اور حقائق

دنیا......اسلام سے قبل

تنزل در تنزل

چھٹی صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا پست ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی۔ روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بھی بن چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر، بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔

پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے، جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کر سکتے تھے۔ دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان میں کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

جو لوگ زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انہوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ سلطنت و معیشت میں ان کے

دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک و سہیم بن گئے تھے۔ ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی۔ متوسط طبقہ کے لوگ اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے۔

باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بارے میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی۔ دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کی عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ کبھی اگر وہ اس خشک و بے مزا زندگی اور اس کے یکساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقعہ ملتا تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

انگریز سیرت نگار "آر۔ وی۔ سی۔ بوڈ" نے اپنی کتاب "پیغامبر" (The Messenger) میں قبل از اسلام دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کا درج ذیل جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> "قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزع کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول تو تباہ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت

وجلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی شے یا کوئی ایسا ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔"

یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔

عیسائیت نے ۶۲۰ء میں (جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رہنما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور وارائے اول کی زبردست عظمت وشوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی۔ بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپانی تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

چنانچہ ساری دنیا اس قول کی عکاسی کرتی تھی:

"ظهر الفساد فی البر و البحر"
"بر و بحر میں فساد اور انتشار پیدا ہو گیا تھا۔"

☆☆☆

عرب...... اسلام سے قبل

دین اسلام کو بین الاقوامی مذاہب میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام عیسائیت کے بعد بلحاظ آبادی دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے اور یہ دنیا کے تمام براعظموں میں آباد ہیں۔

اس طرح بین الاقوامی مذاہب میں اسلام کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ اس مذہب کے پیروکار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے کیونکہ آفرینش عالم سے لے کر آخری پیغمبر تک جتنے بھی سچے نبی خدا کی طرف سے حق و صداقت کی اشاعت پر مامور ہوئے بلا استثناء سب کا مذہب اسلام ہی رہا ہے۔ قدیم ترین مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام اس معنی میں جدید ترین مذہب بھی ہے کہ اس کی تکمیل ساتویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

کسی ملک کی آب و ہوا کا اس ملک کے باشندوں کے اخلاق اور ان کے معاشی واجتماعی نظام پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ ان کے طبائع اور عادات اسی آب و ہوا کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ عرب ایک جزیرہ نما تھا۔ جہاں کی زمین خشک اور بنجر ہے۔ بارش کی قلت اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کے فقدان کی وجہ سے زمین زراعت کے قابل نہیں۔ شہری زندگی مفقود ہے۔ فطری تقاضوں کے مطابق وہاں کے باشندے دیہاتی خانہ بدوش زندگی گزارتے ہیں۔ جانوروں کو چرانے کی خاطر سبزہ زاروں اور بارانی علاقوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ قریش اور قحطانی عرب اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ شہری زندگی گزارتے تھے اور خانہ بدوش نہ تھے۔ قریش تو اس لئے کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے اور انہیں مقدس و بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ یمن و شام کے تجارتی سفروں میں انہیں کوئی خوف نہ تھا۔ قحطانیوں کا علاقہ (یمن) سرسبز وشاداب تھا جہاں غذا اور پھلوں کی فراوانی بھی۔ چنانچہ

جب کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑتا تو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے پر حملہ کر کے مال وغیرہ لوٹ لیتے جس کے باعث ان کی طبیعتوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ آپس میں دشمنی، مسلسل جنگ اور دائمی شورش و ہنگامہ ان کی زندگی کا لائحہ عمل تھا۔ جنگ اور قحط ہی ان کی زندگی کے دو بڑے محرک تھے۔

اولاد نرینہ انہیں زیادہ مرغوب تھی۔ ان کے بعض قبائل فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قبیلے میں مردوں کی کثرت تعداد ان کے لئے باعث فخر تھی۔

رشتہ داریوں کے زیادہ پھیلنے کو وہ عزت و غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ سفر اور خانہ بدوشی کی زندگی سے محبت، نیز جنگ و جدل کی مصروفیت سے وہ آزاد اور بے قید زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ عصمت و وحشت کا ان پر غلبہ تھا۔

ان کا کوئی اپنا اجتماعی تمدن نہ تھا، نہ سیاسی حکومت تھی، نہ فوجی نظام، نہ ہی دینی عقائد پر مبنی کوئی فلسفہ اور کوئی وسیع سماجی تصور ان کے پاس تھا۔ ہر گھر اور ہر قبیلہ جدا جدا ایک سماج بنا ہوا تھا۔ قبائل کے سرداروں کو وراثتاً حکومت ملتی، جسے وہ اپنے بزرگوں کے مروجہ دستور کے مطابق چلاتے۔ ان کا طرز حکومت یونانیوں کی خاندانی حکومت کی طرح نہ تھا، نہ ایران ومصر کی طرح ان کے ہاں بادشاہی تھی۔ حیرہ اور شام میں عرب تاجدار تھے لیکن وہ خود مختار نہ تھے۔ حیرہ کا لخمی خاندان کسریٰ کا اور شام میں غسانی قیصر کے مطیع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمدن وشہرت، رائے عامہ، امراء کی حکومت، جمہوریت اور جاگیرداری کے مطالب کے اظہار کے لئے ان کے اور دوسری سامی اقوام کے پاس الفاظ نہیں ملتے۔

فوجی نظام تو اسلام کے بعد تک بھی مکمل شکل میں قائم نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے کہ ماتحتی میں رہنے اور اپنی انفرادی شخصیت سے دست بردار ہو جانے پر ہی فوجی تنظیم کا دارومدار ہے۔ یہی وہ عادتیں ہیں جو اس دور کے عربوں کی طبیعت اور ذہنیت کے بالکل برعکس تھیں۔ وہ مذہبی لحاظ سے بالکل سادہ، بے تکلف اور زہد و تقشف کے حامی تھے۔

چنانچہ عربوں میں کئی خداؤں کا تصور بالکل نہ تھا۔ عالیشان عبادت گاہیں بھی ان کے ہاں بالکل نہ تھیں۔ عقائد کا کوئی فلسفہ نہ تھا۔ جہالت کی کارفرمائی، خانہ بدوشی، بے سروسامانی

اور پھر طویل مدت گزرنے کی وجہ سے ان کے پاس جو دین ابراہیمی کا بقیہ رہ گیا تھا وہ بھی بگڑ چکا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ وہ بتوں کی پوجا اور ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ کعبہ میں بت رکھے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان بتوں کے توسل سے وہ خدا کا قرب حاصل کر لیں گے۔ عربوں کی بڑی تعداد اس قسم کی بت پرستی کو اختیار کیے ہوئے تھی۔ غسانی اور طے قبیلہ کے کچھ لوگ شام میں اور نجران وحیرہ کے کچھ لوگ خالص عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

خاندان ماں، باپ، اولاد، پوتے اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ باپ کو اپنے گھر والوں پر کل اختیار تھا حتیٰ کہ ان میں سے کسی کو مارنا یا باقی رکھنا بھی اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ ان سے وہ جس کو چاہے بیچ سکتا تھا اور جسے چاہے عاق کر سکتا تھا۔ کبھی مفلسی کے اندیشے سے وہ اپنی بیٹی کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ شوہر کے بعد خاندان میں بیوی کا دوسرا درجہ تھا۔ شوہر اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھتا، اسے اپنا شریک کار بناتا اور اظہار محبت کے لئے شعروں میں اسی کا نام گاتا تھا۔ ان کے ہاں شادی کی رسم میاں بیوی کے باہمی خوشگوار تعلقات اور محبت کی بنا پر انجام پاتی تھی۔ اگر نکاح کے وقت کوئی شرط نہ طے کی ہو تو پھر طلاق کا تمام تر حق شوہر کو حاصل ہوتا۔ اس کے علاوہ شادی کے دوسرے طریقے بھی تھے جو بدکاری اور بدمعاشی سے زیادہ مشابہ تھے۔ جاہلی عرب ایک ساتھ کئی شادیاں کر لیتے اور اس سلسلہ میں ان کے ہاں کوئی حد مقرر نہ تھی۔ باپ کی بیوی سے شادی کرنا ان کے ہاں جائز تھا۔ خالہ، پھوپھی، بیٹی اور بہن سے شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

اس دور کے عربوں کی عقلی اور علمی مقام کا اندازہ یمن، حیرہ اور شامی بادشاہوں کے کارناموں سے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے عالیشان بند باندھے، بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنا دیا، ویرانوں کو آباد کیا اور شہروں وغیرہ کو بسایا۔

عدنانی عرب (جو حجاز میں آباد تھے اور قریش بھی عدنان سے ہی ہیں) مسلسل برسرپیکار رہنے کی وجہ سے طب اور شہسواری میں ماہر تھے۔ بارش اور گھاس پر دار و مدار ہونے کی وجہ سے وہ ان تاروں کو پہچاننے لگے تھے جن سے بارش کی اطلاع ملتی ہے۔ ہواؤں کے چلنے کا رخ انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ بری و بحری سفروں میں وہ تاروں سے ہی راہنمائی حاصل کرتے۔

عربوں نے اپنی نسلوں کی بقا اور قومی تعصب کو برقرار رکھنے کے لئے علم نسب بیان کرنے کے لئے قصہ گوئی اور اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے شاعری میں کمال پیدا کر لیا تھا۔

فراست اور قیافہ شناسی کے وہ ماہر تھے تاکہ اپنی نسل میں بیگانوں کا دخل نہ ہو سکے اور بھاگنے والے مجرموں کو ان کے نقش قدم سے تلاش کر لیں۔

روحانی میدان نے انہیں کہانت، عرافت اور زجر پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ کہانت سے مراد غیب کی باتوں کا پتہ چلانے اور عرافت گزرے ہوئے نیز آنے والے واقعات کے پتہ چلانے کو کہتے تھے۔ عربوں کا خیال تھا کہ جنات کاہنوں اور عرفوں کے تابع ہیں جو پوشیدہ طور پر عالم غیب سے حالات سن کر انہیں مطلع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ان پر بڑا ایمان رکھتے اور اہم معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ پیچیدہ معاملات میں ان سے مشورہ لیتے، جھگڑے ان سے فیصل کراتے، بیماریوں میں ان سے علاج کرواتے اور خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھتے۔

''زجر'' جانوروں کی آواز اور ان کی حرکت و ہیئت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر کوئی شخص کسی پرندے کو پتھر مار کر یا شور مچا کر اڑاتا اور وہ پرندہ اس کے دائیں سمت سے اڑتا چلا جاتا تو اسے وہ نیک فال سمجھتے، لیکن اگر بائیں جانب سے ہو کر اڑتا تو اسے وہ بدشگونی تصور کرتے اور منحوس خیال کرتے۔

جاہل عرب فال کے بہت قائل تھے۔ کوے کو بہت منحوس اور موجب فراق سمجھتے تھے۔ الو کو بھی منحوس سمجھتے اور اس کے بولنے کو موت اور ویرانی کا موجب جانتے تھے۔ چھینک سے بری فال لیتے۔

بعض لوگ جادوگری کا پیشہ بھی کرتے اور شیطان کو اپنا دوست بنانے کے لئے بڑی بڑی ریاضتیں کرتے۔

ظہور اسلام کے وقت خانہ کعبہ اگرچہ عرب کا دینی مرکز تھا لیکن اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیغام توحید کو بھول چکے تھے۔ شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ خانہ کعبہ بتوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان کی پوجا ہوتی اور انہیں خدا کا مقام حاصل تھا۔ ہر قبیلہ اپنا جدا

بت رکھتا تھا۔ بتوں میں بعض بت مردوں کی صورت رکھتے تھے اور بعض عورتوں کی۔ عرب میں خانہ کعبہ کی طرح بت پرستی کے اور بھی کئی مرکز تھے، جہاں بتوں کی باقاعدہ پوجا کی جاتی، چڑھاوے چڑھائے جاتے اور نذرونیاز دی جاتی۔ ان اونٹوں کے گلے میں جوتا باندھ کر لٹکا دیتے اور ان کے کوہان زخمی کر دیتے جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے پھر کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرتا۔

ہبل عرب کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور اس کا بت خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ یہ بت جنگ میں کامیابی اور فتح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور جاہل عرب جنگ میں اسی کا نعرہ بلند کرتے۔

عرب جاہلیت میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ قبیلہ حمیر سورج، کنانہ چاند، جدام مشتری اور اسد عطارد کی پوجا کرتے تھے۔ اکثر قبیلوں کے بتوں کے نام ستاروں کے نام پر تھے۔ عرب کے ستارہ پرستوں میں چاند کے پرستار سب سے زیادہ تھے اور چاند سب سے زیادہ محبوب معبود سمجھا جاتا تھا۔

عرب میں ہر قسم کے دین موجود تھے۔ جن میں نصرانیت اور یہودیت جیسے الہامی مذاہب بھی شامل تھے، مگر ان کی اصلی صورت کچھ اس طرح مسخ ہو چکی تھی کہ کفر و شرک اور اصلی دین میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ توحید کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ نصرانیت تثلیث کے جھگڑوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے رستے سے بھٹک کر اوہام پرستی کے گورکھ دھندوں میں پھنس چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر ملک عربوں سے بھی گیا گزرا تھا اور تمام دنیا ضلالت و گمراہی کے عمیق اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس پستی اور زبوں حالی پر رحم آیا اور اس نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو بھیجا۔ رشد و ہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب سرزمین عرب کے ایک شہر مکہ میں طلوع ہوا اور اپنی ضیاباریوں سے تمام اقصائے عالم کو منور کر دیا۔ خدا کا یہ برگزیدہ انسان انسانیت کے لئے جو نیا الہامی مذہب لے کر نمودار ہوا اس کا نام "اسلام" ہے۔

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختصر تعارف

ابتدائی حالات

سیّدنا حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم مکہ کے مشہور قبیلہ قریش میں 9یا12 ربیع الاول کے دن پیدا ہوئے۔ یہ عام الفیل تھا۔ آپ کی پیدائش 20اپریل 571ء میں بوقت صبح ہوئی۔

آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب وفات پا چکے تھے۔ ابھی آپ چھ برس کے بھی نہ تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اس کے بعد آپ کے دادا جناب عبدالمطلب نے نہایت پیار و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی اور اپنی وفات سے قبل انہوں نے آپ کی تربیت و نگرانی آپ کے چچا جناب ابوطالب کے ذمہ کر دی۔

جناب ابوطالب نے تنگ دستی اور کثرت عیال کے باوجود آپ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔

آپ کی عادات

اگر طبعی حالات کے مطابق آپ پرورش پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیمانہ اخلاق اور جاہلانہ عادات اپنا کر جوان ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تہذیب و تربیت کا انتظام فرمایا اور عقل رسا، حسن اخلاق، نازک طبع، پروقار، شرم وحیا، متانت و بردباری، صبر واستقلال، اعتماد، ذمہ داری، قوی دل، صدق وسچائی اور جمعیت خاطر بخش کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تکمیل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی کی نجاستوں سے پاک رکھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی شراب پی، نہ بتوں پر چڑھائے ہوئے جانوروں کا گوشت کھایا اور نہ اس دور کے میلوں اور جلسوں میں شرکت

کی۔

تجارت کا پیشہ

بچپن میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع بلند کو کسب معاش کے لئے حیلہ وتدبیر کا شوق پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قومی رواج کے مطابق نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ لوگوں میں آپ کی ہوشیاری، راست بازی اور دیانت داری کا چرچہ عام ہونے لگا۔

اس وقت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے جو قریش کی مالدار اور باعزت خاتون تھیں، آپ کو اپنے مال کی تجارت کے لئے دعوت دی۔ آپ نے ان کے خادم ''میسرہ'' کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ یہ سفر بہت کامیاب رہا اور اس تجارت میں بڑا نفع ہوا۔ جب آپ مکہ واپس ہوئے تو یہ نیک بی بی اس گرانقدر منافع اور کامیاب تاجر کی امانت داری دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپ سے شادی کرنا چاہی۔ اس وقت وہ چالیس سال کی تھیں اور آپ پچیس برس کے۔ آپ نے بھی اس رشتہ کو پسند فرمایا۔ حضرت خدیجہ کی گرانقدر خدمات کے باعث اسلام کی ترقی میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

پھر آنحضرت اپنے اہل وعیال کے لئے روزی کمانے کے لئے متفرق منڈیوں میں تجارت کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے ساز وسامان اور زندگی کے آرام و آرائش سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے آپ کو نہ تو دولت جمع کرنے کی ہوس ہوئی اور نہ کسی بلند منصب پر پہنچنے کی تمنا۔ آپ دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو کر تخلیہ میں لمبی لمبی راتیں غار حرا میں بیٹھ کر عبادت اور غور وفکر میں گزار دیتے۔

وحی اول

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاکیزہ اور لطیف روح کو عالم بالا کی طرف متوجہ کرتے حتیٰ کہ اسی غار حراء میں چالیس برس کی عمر ہونے پر آپ کو بذریعہ وحی رسالت و معجزہ بخشا گیا۔ آپ پر پہلی وحی میں سورۃ الاقراء کی پانچ آیات نازل کی گئیں۔

قرآن مجید تقریباً تیس سال کے عرصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

ہوا۔ قرآن کا نام خود اس وحی الٰہی میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''شھر رمضان الذی انزل فیه القران''

''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۵۸)

یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''نزلنا علیك الكتب تبیانا لكل شیء''

''ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے۔''

(سورۃ النحل: آیت نمبر ۹۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''فیھا کتب قیمة''

''قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں۔''

(سورۃ البینہ، آیت نمبر: ۳)

یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اس طرح ہیں کہ آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ تخالف۔ قرآن مجید کے مضامین باہم دیگرے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سب ایک مسلک میں منسلک ہیں۔

دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دفعتاً وہ منزل مل گئی جس کے لئے جویاں تھے، وہ گوہر مل گیا جس کے لئے مضطرب تھے اور وہ ہدایت مل گئی جس کے لئے گریاں تھے۔ جبریل وحی نبوت لے کر آئے اور کہا:

''اقرء''

''پڑھئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' ماانابقاری ''

''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا:

''اقرء''

''پڑھیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ فرشتے نے پھر زور سے دبایا اور چھوڑ دیا۔ تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں:

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ [۱] خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [۲] اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ [۳] الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [۴] عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ [۵]''

(العلق: آیت نمبر 1 تا 5)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے آئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دو۔''

جب ذرا سکون آیا تو آپ نے تمام ماجرا سنا دیا اور کہا:

'' خشیت علی نفسی ''

''مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔''

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''واللہ ما یخزیك اللہ ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی فرائب الحق''

''اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی

مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ ''

یہ کہہ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے عم زاد تھے۔ ورقہ کو تمام ماجرا سنایا تو ورقہ نے کہا:

> '' یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش! میں جوان ہوتا کہ جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپ کی دل و جان سے مدد کرتا۔ ''

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ وحی رک گئی۔ وہ زمانہ ''فترت الوحی'' کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ دوسری وحی میں سورۃ المدثر کی آیات نازل ہوئیں۔

اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہو گیا اور کم و بیش تئیس سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔ کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے پھر قرآن نازل ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپ وحی کے ذریعے جواب دیتے۔ کبھی معاشرے میں ایسے مسائل ابھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ ''نجماً نجماً'' نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

> ''وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القران جملة واحدة وتلك لنثمت به فوادل ورتلنه ترتیلا''
>
> (الفرقان: آیت نمبر ۳۲)

دوسری وحی کا نزول

اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ پھر روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ آیات لے کر نازل ہوئے:

> '' یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ [۱] قُمْ فَاَنْذِرْ [۲] وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ [۳] وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ [۴] وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [۵] وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ [۶]

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ |۷| فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ |۸| فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ
يَّوْمٌ عَسِيْرٌ |۹| عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ |۱۰| ذَرْنِیْ وَمَنْ
خَلَقْتُ وَحِيْدًا |۱۱| وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا |۱۲| وَّبَنِيْنَ
شُهُوْدًا |۱۳| وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا |۱۴| ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ
|۱۵| كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا |۱۶| سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا |۱۷|
اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ |۱۸| فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ |۱۹| ”

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت وتبلیغ کے بارگراں کو اٹھا کر تین برس تک خفیہ طریقے سے تبلیغ دین فرماتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا دعوت حق دینے کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ نے علی الاعلان قریش کو دعوت دین پہنچائی، ان کے افکار وخیالات پر تنقید کی اور ان کے بتوں پر نکتہ چینی کی، جس کا جواب کفار نے کھلی دشمنی سے دیا۔ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکروفریب اور سازشوں کے جال بچھائے اور اس تاک میں رہے کہ زمانہ کی گردشیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر ڈالیں، مگر آپ ان کی تمام سازشوں کا مقابلہ صبر، استقلال، حوصلہ مندی اور ایمان سے کرتے رہے۔

آپ کی پشت پناہی میں آپ کے چچا ابوطالب تھے جو آپ کی مدافعت وحمایت کرتے رہے اور آپ کی نیک بیوی حضرت خدیجہ تھیں جو آپ کو تسلی دیتیں۔ حتیٰ کہ ان سخت پریشان حالیوں کا مقابلہ کرتے کرتے دس سال گزر گئے۔

نبوت کے دسویں سال آپ کے مشفق چچا اور آپ کی غم گسار بیوی یکے بعد دیگرے دو روز کے وقفے سے داغ مفارقت دے گئے، جس کا آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) کا نام دیا۔ ان دونوں ہمدردوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کا رہنا دوبھر ہو گیا۔

مدینہ کی جانب ہجرت

بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کا ارادہ

کرلیا۔ مدینہ منورہ میں قبیلہ اوس و خزرع کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ جب مشرکوں کو آپ کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے مل کر آپ کو قتل کرنے کی سازش کی، لیکن اسی رات جب وہ آپ کو قتل کرنے کی نیت سے اکٹھے ہوئے آپ اپنے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ ان کی حفاظت و نگہبانی خدا کر رہا تھا۔

ربیع الاول جمعہ کے دن اپنی عمر کے ترپین سال گزرنے پر ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو وہ دونوں مدینہ پہنچے۔

یہ مبارک ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول بالا ہونے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے پھیلنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی تکمیل کا آغاز بن گئی۔

آپ لگاتار مشرکین سے جہاد کرتے رہے اور قرآن مجید کے احکامات کے مطابق مقابلہ و مباحثہ اور تلوار سے جنگ کرتے رہے، حتیٰ کہ جہالت کا دور ختم ہو گیا۔ شرک کی بدلیاں چھٹ گئیں اور دنیا میں توحید کا بول بالا ہو گیا۔

تکمیل دین اور آپ ﷺ کا وصال

حتیٰ کہ وہ آیت نازل ہوئی جس کے ذریعہ دین کی تکمیل ہو گئی۔ اس آیت کریمہ کے نزول کو ابھی تین ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ بخار میں مبتلا ہوئے اور پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۸ جون ۲۳۲ء کو رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

پہلا انقلابی درس اور مقبولیت

داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ نے اپنی زندگی کے چالیسویں سال، سن ہجری سے تیرہ سال قبل ۶۱۰ء کے قریب انقلاب اسلام کا پہلا درس دنیا کو دیا تھا اور اس کے بعد سے آپ کی زندگی کے پورے ۲۳ سال اسی پیغام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہوئے۔ ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین کا وہ دس لاکھ مربع میل رقبہ جو جزیرہ نمائے عرب کے نام سے موسوم ہے، اسلام کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر عامل ہو چکا تھا۔ فلسطین سے لے کر یمن و حضرموت تک اور حجاز سے لے کر عمان و کویت تک جو انسانوں کا جم غفیر بستا تھا وہ سب آپ کی حیات میں ہی زندگی کا پرانا چولا بدل چکا تھا۔ چنانچہ مشہور روسی دانشور ٹالسٹائی رقم طراز ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے ہیئت اجتماعیہ کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ وہ سب سے بڑے اور عظیم ترین مصلح تھے۔ ان کا یہ کارنامہ انتہائی فخر کے قابل ہے کہ انہوں نے دنیا کی جاہل ترین قوم کو نور ہدایت سے منور کر کے صلح و آشتی کا ملجا و ماویٰ بنا دیا۔''

☆☆☆

اقوال محمد ﷺ

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

((عن أبی هریرة رغی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: حق المسلم علی المسلم ست: اذا لقیته فسلم علیه، و اذا دعاك فأجیه، و اذا استنصحك فانصحه، و اذا عطس فحمد الله فشمته، و اذا مرض فعده، و اذا مات فاتبعه))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کے حق مسلمان پر چھ ہیں، جب تو اس سے ملے تو سلام کہہ، جب وہ تجھے بلائے تو اس کے پاس جا، جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر، جب اسے چھینک آئے اور وہ اللہ کی حمد کرے تو اسے ''یرحمك الله'' کہہ، جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کر اور جب فوت ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔''

[صحیح مسلم، باب السلام: حدیث نمبر 5) (تحفۃ الاشراف: جلد نمبر 10، صفحہ نمبر 224]

اپنے سے کم نعمت والوں کی طرف دیکھو

((عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم انظروا الی من ھو اسفل منکم ولا تنظروا الی من ھو فوقکم، فھو أجدر أن لا تزدروا نعمة اللہ علیکم))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے، یہ زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو حقیر نہ جانو جو تم پر ہے۔''

[صحیح بخاری: ۶۴۹۰۔ صحیح مسلم: کتاب الزھد: ۹]

گناہ اور نیکی کی پہچان

((و عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البر و الاثم، فقال: البر حسن الخلق، و الاثم ما حاك فی صدرك، و كرهت أن يطلع عليه الناس))

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیکی عادت کا اچھا ہونا ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند جانے کہ لوگ اس پر اطلاع پائیں۔''

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۱۴، ۱۵۔ تحفۃ الاشراف: ۹/۶۰]

تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی نہ کی جائے

((عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا کنتم ثلاثة فلا یتناجی اثنان

دون الآخر حتی تختلطوا بالناس، من أجل أن ذلك یحزنه))

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے کے بغیر آپس میں سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ تم دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جاؤ کیونکہ یہ چیز اسے غمگین کرے گی۔"

(صحیح البخاری:۶۲۸۸)(صحیح المسلم، کتاب السلام:۳۷)(تحفۃ الاشراف ۷/ ۵۶)

کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ مت بیٹھیں

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه، ولکن تفسحوا و توسعوا))

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی آدمی دوسرے آدمی کو اس کی بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر خود اس میں بیٹھ جائے۔ بلکہ کھل جاؤ اور کشادگی پیدا کر لو۔"

[صحیح بخاری:۶۲۶۹)(صحیح مسلم، کتاب السلام:۲۷، ۲۸)(تحفۃ الاشراف:۶/ ۲۲۰]

کھانا ختم کرنے پر ہاتھ چاٹنے کی تاکید

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا أكل أحدكم طعاما فلا يمسح يده حتى يلعقها أو يلعقها))

"حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ صاف نہ

کرے یہاں تک کہ اسے خود چاٹ لے یا کسی کو چٹا دے۔"
[صحیح بخاری: ۵۴۵۶، صحیح المسلم، الاشربۃ: ۱۳۴، ۱۳۷۔ تحفۃ الاشراف: ۵/ ۸۸و ۹۴۵]

سلام کے آداب

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چھوٹا بڑے کو سلام کہے، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو۔"
[صحیح البخاری، ۶۲۳۱، ۶۲۳۲، ۶۲۳۴۔ صحیح المسلم، السلام ۲۱۶۰۔ تحفۃ الاشراف: ۱۰/ ۲۷۵، ۳۹۴]

چھینک کا جواب

((عن ابی هريره رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: اذا عطس أحدكم فليقل: الحمد لله، و ليقل له أخوه، يرحمك الله، فاذا قال له: يرحمك الله، فليقل له: يهديكم الله و يصلح بالكم))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ "الحمد لله" کہے اور اس کا بھائی اسے "يرحمك الله" "اللہ تم پر رحم کرے۔" کہے تو جب وہ اسے "يرحمك الله" کہے تو وہ اسے یوں کہے: "يهديكم الله و يصلح بالكم" "اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست کرے۔"
[صحیح البخاری، ۶۲۲۴۔ تحفۃ الاشراف: ۷/ ۴۲۳]

کھڑے ہو کر پانی پینا

(عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی

الله علیه وسلم: لا یشربن أحد کم قائما))

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی ہرگز نہ پیے۔“

[مسلم، الاشربۃ: ۱۱۶۔ دیکھیے تحفۃ الاشراف: ۸۹/۱۱]

جوتا پہننے اور اتارنے کے آداب

((و عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا انتعل أحد کم فلیبدأ بالیمین، و اذا نزع فلیبدأ بالشمال، ولتکن الیمنی أالهما تنعل و آخرهما تنزع))

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں کوئی شخص جوتا پہنے تو دائیں طرف سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں طرف سے شروع کرے اور دایاں پاؤں دونوں میں سے پہلے ہو جس میں جوتا پہنا جائے اور دونوں سے آخری ہو جس سے جوتا اتارا جائے۔“

[صحیح بخاری: ۵۸۵۶۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس: ۶۷۔ تحفۃ الاشراف: ۱۱۹/۱۰]

ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا

((عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا ینظر الله الی من جر ثوبه خیلاء))

”حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا نہیں جس نے اپنا کپڑا تکبر کے ساتھ کھینچا۔“

[صحیح بخاری، ۵۷۸۳، ۵۷۹۱۔ صحیح مسلم، اللباس: ۴۳۔ تحفۃ الاشراف: ۳۶۶/۵

۵/۳۴۷، ۶/۲۱۵]

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا

((وعن ابن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا أكل أحدكم فليأكل بيمينه، و اذا شرب فليشرب بيمينه، فان الشيطان يأكل بشماله و يشرب بشماله))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ کھائے اور جب پیے تو دائیں ہاتھ کے ساتھ پیئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ کے ساتھ کھاتا ہے اور بائیں کے ساتھ پیتا ہے۔“

[صحیح مسلم، کتاب الاشربة: ۱۰۵۔ تحفة الاشراف، ۶/ ۲۶۷، ۶/ ۱۴۰، ۵/ ۴۰۰]

کھانے پینے اور پہننے میں فضول خرچی اور تکبر

((عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده رضى الله عنهم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل و اشرب و البس و تصدق فى غير سرف ولا مخيلة))

”عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو) رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا: ”کھا، پی، پہن اور صدقہ کر جس میں فضول خرچی نہ ہو اور تکبر نہ ہو۔“

[صحیح بخاری، تعلیقا، کتاب اللباس: باب نمبر ۱۔ مسند امام احمد: ۲/ ۱۸۱، ۸۲، سنن ابی داؤد]

صلح رحمی کے فائدے اور قطع کے نقصانات

((عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى

الله علیه و سلم: من أحب أن يبسط له فی رزقه و أن ينسأله فی أثره فليصل رحمه))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے لئے اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کے نشان قدم (باقی رکھنے) میں دیر (عمر لمبی) کی جائے وہ اپنی رشتہ داری کو ملائے۔''

[صحیح بخاری، ۵۹۸۵۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری)

والدین کی نافرمانی اور فرمانبرادری

((و عن المغيرة بن شعبة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: ان الله حرم عليكم عقوق الامهات، و واد البنات و منعا و هات و كره لكم قيل و قال و كثرة السوال و اضاعة المال))

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے تم پر ماؤں کو ستانا، بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا، (خود) کچھ نہ دینا اور (دوسروں سے کہنا) لا مجھے دے اور تمہارے لیے (اللہ تعالیٰ نے) ناپسند کیا (یہ کہنا کہ) یہ کہا گیا اور فلاں نے کہا، زیادہ سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔''

[صحیح بخاری: ۵۹۷۵۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ: ۱۲]

مسلم بھائی کے لیے وہی جو اپنے لیے

((عن انس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال: و الذی نفسی بیده لا یؤمن عبد حتی

یحب لجاره ما یحب لنفسه))

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے ہمسائے کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

[صحیح بخاری: ۱۳۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان ۷۲]

سب سے بڑے گناہ

((وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ((سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أی الذنب أعظم؟ قال: أن تجعل للہ ندا و هو خلقك، قلت: ثم أی؟ قال: أن تقتل ولدك خشية أن يأكل معك، قلت: ثم أی؟ قال: أن تزانی بحليلة جارك))

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ''کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا۔؟'' فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے بچے کو قتل کرے اس ڈر سے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا۔؟ فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ باہم بدکاری کرے۔''

[صحیح بخاری: ۶۸۶۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۱۴۲۔ تحفۃ الاشراف: ۷/۴۲۔ ۷/۵۸]

تین دن سے زیادہ بول چال چھوڑنا

((عن أبی ایوب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یحل لمسلم أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال: یلتقیان فیعرض هذا و یعرض هذا، و خیرهما الذی یبدأ بالسلام))

”حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی مسلم کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ وہ دونوں ملیں تو یہ اس طرف منہ پھیر لے اور وہ (اس طرف) منہ پھیر لے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“

[صحیح بخاری، ۶۰۷۷ـ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ: ۳۵ـ تحفۃ الاشراف: ۳/۹۸ـ ۶/۱۰۵ـ ۱۰/۹۰]

اچھا کام صدقہ

((عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل معروف صدقة))

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر اچھا کام صدقہ ہے۔“

[صحیح البخاری: ۶۰۲۱ـ تحفۃ الاشراف: ۲/۳۷۵]

معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو

((عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تحقرن من المعروف شیئا، ولو أن تلقی

أخاك بوجه طلق))

”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؑ نے فرمایا: ”بھلائی میں سے کسی چیز کو ہرگز حقیر مت سمجھ، خواہ (اتنا ہی ہو کہ) تو اپنے بھائی کو کھلے چہرے کے ساتھ ملے۔“

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۱۴۴۔ تحفۃ الاشراف: ۵/۱۷۵]

ہمسایوں کا خیال رکھنے کا ایک طریقہ

((وعن ابی ذر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا طبخت مرقة فأكثير مآيها و تعاهد جيرانك))

”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی زیادہ کر لے اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھ۔“

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۱۴۳]

مسلمان کی مدد اور پردہ پوشی

((عن ابوهريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نفس عن مسلم كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، و من يسر على معسر يسر الله عليه فى الدنيا و الاخرة، و من ستر مسلما ستره الله فى الدنيا و الآخرة، و الله فى عون العبد ما كان العبد فى عون أخيه))

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ”جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی تنگیوں میں سے کوئی تنگی دور فرمائے گا اور جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلم پر پردہ ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں (رہتا) ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں (رہتا) ہے۔“

[صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا: ۳۸۔ تحفۃ الاشراف: ۹/۳۷۵]

نیکی کا راستہ دکھانے کا اجر

((عن أبی مسعود رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله))

”حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص (کسی کو) بھلائی (کے کام) کا راستہ دکھائے اس کے لیے بھلائی کرنے والے کے ثواب کی طرح ثواب ہے۔“

[صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: ۱۳۳۔ تحفۃ الاشراف: ۷/۳۲۹]

اللہ تعالیٰ کے نام پر کیا گیا سوال

((عن ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: من استعاذکم باللہ فاعبدوه، و من سألکم باللہ فأعطوه، و من انی الیکم معروفا فکافنوه، فان لم تجدوا فادعوا له))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ''جو شخص تم سے اللہ تعالیٰ کے (نام کے) ساتھ پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو شخص تم سے اللہ کے (نام کے) ساتھ سوال کرے اسے دو اور جو تم سے اچھا سلوک کرے اسے بدلا دو، اگر تم (بدلا دینے کے لیے کوئی چیز) نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کرو۔''

[سنن بیہقی: ۱۹۹/۴۔ المستدرک للحاکم: ۴۱۲/۱۔ مسند امام احمد: ۶۸/۲، ۹۹۔ ابو نعیم، حلیہ جلد9، صفحہ 56)

مشتبہ امور سے بچنے کا حکم

((عن النعمان بن بشير رضى الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقول و أهوى النعمان اصبعيه الى أذنيه۔: ان الحلال بين و الحرام بين، و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات فقد استبرا لدينه و عرضه، ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام، كالراعى يرعى حول الحمى يؤشك ان يقع فيه، ألا و ان لكل ملك حمى، ألا و ان حمى الله محارمه، الا و ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، و اذا فسدت فسد الجسد كله، الا و هى القلب))

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: نعمان نے یہ بات اپنی انگلیاں کانوں کی طرف لے جاتے ہوئے کہی: ''یقیناً حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شبہ کی چیزوں

میں جا پڑا وہ حرام میں جا پڑا۔ جیسا کہ وہ شخص جو ممنوعہ چراگاہ کے ارد گرد مویشی چرانے والا ہے، قریب ہے کہ اس میں جا پڑے۔ یاد رکھو! ہر بادشاہ کی کوئی نہ کوئی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، خبردار! اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں، خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، یاد رکھو! وہ دل ہے۔"

[صحیح بخاری: ۵۲۔ صحیح مسلم، کتاب الساقاۃ: ۱۰۷]

پیسے کا غلام

((عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: تعس عبد الدينار و الدرهم و القطيفة، ان أعطی رضی، وان لم يعط لم يرض))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہلاک ہو گیا دینار، درہم اور چادر کا غلام۔ اگر اسے دیا جائے تو خوش ہو جاتا ہے اور اگر اسے نہ دیا جائے تو خوش نہیں ہوتا۔"

[صحیح بخاری: ۶۴۳۵۔ تحفۃ الاشراف: ۹/ ۴۳۱، ۹/ ۴۳۹]

دنیا سے بے تعلقی

((عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: أخذ رسول الله صلی الله عليه وسلم بمنكبی، فقال: كن فی الدنيا كأنك غريب، أو عابر سبيل، و كان ابن عمر رضی الله عنهما يقول: اذا أمسيت فلا تنتظر الصباح، و اذا أصبحت فلا تنتظر المسآء، و خذ من صحتك لسقمك، و من

حیاتك لموتك))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: ''دنیا میں اس طرح رہ کہ تو پردیسی ہے یا راہ گزرنے والا ہے۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار مت کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار مت کر اور اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے (کچھ نہ کچھ) حاصل کر لے۔''

[صحیح بخاری: ۶۴۱۶۔ تحفۃ الاشراف: ۵/۴۸۱، ۶/۲۸]

غیر مسلموں کی مشابہت سے بچو

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من تشبہ بقوم فھو منھم))

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔''

(ابوداود: ۴۰۳۱) (صحیح ابی داود: ۳۴۰۱) (تخریج الاحیاء: ۱/۳۴۲) (فتح الباری: ۱۰/۲۲۲
) (الارواء: ۱۲۶۹) (تحفۃ الاشراف: ۶/۲۷۵)

صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگاؤ

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کنت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یوما، فقال: یا غلام! احفظ اللہ یحفظك، احفظ اللہ تجدہ تجاھلك، و اذا سألت فاسأل اللہ و اذا استعنت فاستعن باللہ))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سوار) تھا تو آپ نے فرمایا:

”اے لڑکے! اللہ کو یاد کر وہ تجھ پر نظر کرم فرمائے گا، اللہ کو یاد کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا اور جب سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔“

(سنن ترمذی:۲۵۱۶)

سنن ترمذی میں بقیہ حدیث یہ ہے:

”اور جان لے کہ اگر امت اس بات پہ جمع ہو جائے کہ تجھے کوئی فائدہ پہنچائے تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی مگر جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نقصان پہنچائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے، قلم خشک ہو گئے اور صحیفے لپیٹ دیئے گئے۔“

اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی محبت کا حصول

((عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ دلنی علی عمل اذا عملتہ أحبنی اللہ و أحبنی الناس، فقال: ازھد فی الدنیا یحبك اللہ، و ازھد فیما عند الناس یحبك الناس))

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ اور لوگ مجھ سے محبت کریں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دنیا سے بے رغبتی اختیار کر اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز (مال و دولت) سے بے رغبت ہو جا جو لوگوں کے پاس ہے تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔“

اسلام کی خوبی

((عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔''

[سنن ترمذی: ۲۳۱۷۔ مشکوۃ، حدیث: ۴۸۳۹۔ تحفۃ الاشراف: ۹/۳۸۱، ۱۱/۳۱۳]

زیادہ کھانے کی مذمت

((و عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما ملا ابن آدم وعاء شرا من بطنہ))

''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم نے کوئی برتن نہیں بھرا جو اس کے پیٹ سے برا ہو۔''

(السنن الترمذی: ۲۳۸۰۔ المستدرک للحاکم: ۴/۱۲۱۔ احمد: ۴/۱۳۲۔ صحیح ابن حبان: ۱۳۴۹۔ ارواء الغلیل: ۷/۴۱، ۴۲)

توبہ کرنے والا خطا کار

((عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل بنی آدم خطآء، و خیر الخطائین التوابون))

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام کی تمام اولاد بہت خطا کرنے والی ہے اور

بہت خطا کرنے والوں میں سب سے بہتر بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔"

[سنن ترمذی: ۲۴۹۹۔ سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۱۔ تحفۃ الاشراف: ۱/۳۴۰]

خاموشی دانائی ہے

((عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الصمت حکمۃ و قلیل فاعلہ))

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خاموشی دانائی ہے اور اسے (اختیار) کرنے والے کم ہیں۔"

[شعب الایمان للبیھقی: ۵۰۶۰۷]

حسد کے نقصانات

((عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایاکم و الحسد، فان الحسد یأکل الحسنات کما تاکل النار الحطب))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسد سے بچو! کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ حسد نیکیوں کا کھا جاتا ہے، جس طرح آگ ایندھن کو۔"

(سنن ابوداؤد: ۴۹۰۳]

اصل پہلوان

((عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس الشدید بالصرعۃ، انما الشدید الذی یملك نفسہ عند الغضب))

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بہت زیادہ طاقتور وہ نہیں جو (مقابل کو) بہت زیادہ پچھاڑنے والا ہے، بہت زیادہ طاقتور صرف وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔‘‘

[صحیح بخاری: ۱۶۱۲ ـ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۱۰۷ ـ تحفۃ الاشراف: ۹/۳۳۲، ۱۰/۴۱]

ظلم کا انجام

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الظلم ظلمات یوم القیامۃ))

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے اندھیرا ہے۔‘‘

[صحیح البخاری: ۲۴۴۷ ـ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۵۷ ـ تحفۃ الاشراف: ۵/۳۵۸]

کنجوسی کی مذمت

((عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتقوا الشح، فانہ اھلك من کان قبلکم))

’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن کئی اندھیرے ہوگا اور حرص سے بھری ہوئی کنجوسی سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلوں کو برباد کر دیا۔‘‘

[صحیح مسلم، کتاب البر الصلۃ: ۵۶ ـ تحفۃ الاشراف: ۲/۲۱۸]

شرک اصغر...... ریا

((عن محمود بن لبید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم: ان أخوف ما أخاف علیکم الشرك الاصغر: الریاء))

''حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے زیادہ خوف والی چیز جس سے میں تم پر ڈرتا ہوں چھوٹا شرک ریا یعنی دکھاوا ہے۔''

(مسند امام احمد: ۵/ ۴۲۸، ۴۲۹)

علاماتِ منافق

((عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آیة المنافق ثلاث اذا حدث کذب، و اذا وعد أخلف، واذا ائتمن خان)) [ولهما من حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنهما: و اذا خاصم فجر]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منافق کی نشانیاں تین ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کو امانت دار سمجھا جائے تو خیانت کرے۔''

''بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے: ''اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔''

[صحیح بخاری: ۳۳۔ صحیح مسلم: الایمان: ۵۹، عن ابی ہریرۃ۔ صحیح بخاری: ۳۴۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۵۸، عن عبداللہ بن عمر]

گالی دینا اور لڑنا

((عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ

صلی الله علیه وسلم: سباب المسلم فسوق، و قتاله کفر))

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسوق (نافرمانی) ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔“

[صحیح البخاری: ۶۰۴۴ـ صحیح مسلم: کتاب الایمان/۶۴ـ تحفۃ الاشراف: ۴/۳۵ـ ۷/۵۵، ۷/۳۹، ۷/۱۳۰، ۷/۱۳۵، ۷/۱۲۹، ۷/۳۱۴، ۷/۳۴۹]

بدگمانی

((وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ایاکم و الظن، فان الظن أكذب الحديث))

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔“

[صحیح بخاری: ۶۰۶۶ـ صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ: ۲۸ـ تحفۃ الاشراف: ۱۰/۱۷۲]

رعیت کو دھوکا دینے والا

((عن معقل بن يسار رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم يقول: ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت و هو غاش لرعيته الا حرم الله عليه الجنة))

”حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی بھی بندہ جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم بنا دے اسے

جس دن موت آئے وہ اس حال میں مرے کہ اپنی رعیت کو دھوکا دینے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔"
صحیح بخاری: ۱۵۰۷۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۱۴۲۔ تحفۃ الاشراف: ۸/۴۶۴۔ ۸/۴۶۱]

امت پر مشقت ڈالنے والے حاکم

((عن عائشه رضی اللّٰہ عنهما قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اللهم من ولی امر امتی شیئا فشق علیهم فاشقق علیه))

"ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! جو شخص میری امت کے کام میں سے کسی چیز کا ذمہ دار بنا پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال۔"
[صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: ۱۹۔ تحفۃ الاشراف: ۱۱/ ۴۷۷]

مسلمان کے چہرے پر مارنا

((عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اذا قاتل أحد کم فلیجتنب الوجه))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص لڑے تو چہرے سے بچے۔"
[صحیح بخاری: ۲۵۵۹۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۱۱۲۔ تحفۃ الاشراف: ۱۰/۲۰۴]

غصے سے اجتناب

((عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه ان رجلا قال: یارسول اللّٰہ أوصنی، قال: لا تغضب، فردد مرارا، قال: لا تغضب))

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت کیجیے۔!‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’غصہ مت کر۔!‘‘ اس نے کئی مرتبہ (سوال) دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہی) فرمایا: ’’غصہ مت کر۔‘‘
[صحیح بخاری: ۶۱۱۶]

اللہ کے مال میں ناحق دخل اندازی کا انجام

((عن خولة الانصارية رضی الله عنهما قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان رجالا یتخوضون فی مال الله بغیر حق، فلهم النار یوم القیامة))

’’حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں حق کے بغیر دخل اندازی کرتے ہیں تو ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے۔‘‘
[صحیح بخاری: ۳۱۱۸۔ تحفۃ الاشراف: ۱۱/۳۰۰]

ایک دوسرے پر ظلم

((عن ابی ذر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم فیما یرویه عن ربه قال: یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی، وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا))

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’اے میرے بندو! یقیناً میں نے ظلم اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔‘‘
[صحیح مسلم، کتاب البرالصلۃ: ۵۵۔ تحفۃ الاشراف: ۹/۱۶۹]

غیبت کیا ہے

((عن ابی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: أتدرون ما الغنیة؟ قالوا: الله و رسوله اعلم! قال ذکرك أخاك بما یکره قال: أفرأیت ان کان فی أخی ما اقول؟ قال: ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته، وان لم یکن فیه فقد بهته))

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے۔؟“ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ”اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہارا اپنے بھائی کا ذکر ایسی چیز کے ساتھ کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔“

عرض کیا گیا: ”آپ یہ بتائیں کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں (تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟)“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر اس میں وہ چیز موجود ہے جو تم کہہ رہے ہو تو یقیناً تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ چیز اس میں موجود نہیں تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔“

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۷۰۔ تحفۃ الاشراف: ۲۲۳/۱۰]

اخوت کو نقصان پہنچانے والی اشیاء

((عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تحاسدوا ولا تناجشوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، ولا یبع بعضکم علی بیع بعض. وکونوا عباد الله اخوانا، المسلم أخو المسلم: لا یظلمه، ولا

یخذله ولا یحقره، التقوی هاهنا و یشیر الی صدره ثلاث مرات، یحسب امری من الشر أن یحقر أخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام: دمه، و ماله، و عرضه))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے مقابلے میں ارادۂ خرید کے بغیر بولی نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے دلی دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے۔ تقوی یہاں ہے۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرماتے تھے۔ پھر فرمایا: "آدمی کے خود برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر جانے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔"

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۳۲۔ تحفۃ الاشراف: ۴۵۶/۱۰]

چار بری چیزوں سے بچنے کی دعا

((عن قطبة بن مالك رضی الله عنه قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اللهم جنبنی منکرات الاخلاق و الاعمال و الاهوآء و الادوآء))

"حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے بری عادتوں، برے کاموں، بری خواہشوں اور بری بیماریوں سے بچا۔"

[السنن الترمذی:۳۵۹۱_المستدرک للحاکم:۵۳۲]

جھگڑے، مذاق اور وعدہ خلافی کی ممانعت

((عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تمار أخاك ولا تمازحه ولا تعده موعدا فتخلفه))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنے بھائی سے جھگڑا مت کر، نہ اس کے ساتھ مذاق کر اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔“
(السنن الترمذی:۱۹۹۵]

بد خلقی اور بخل کی مذمت

((عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خصلتان لا يجتمعان فی مؤمن: البخل وسوء الخلق))

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل اور بد خلقی۔“
[سنن ترمذی:۲۶۸۴_الادب المفرد للبخاری:۲۸۲]

گالی میں پہل کرنے والے کے لئے وعید

((عن ابی هريرہ رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المستبان ما قالا فعلى البادی، مالم يعتد المظلوم))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ''ایک دوسرے کو گالی دینے والے جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) پہل کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔''
[صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: ۶۸۔ تحفۃ الاشراف: ۱۰/۲۳۲]

مسلمان کو نقصان پہنچانا اور اس کی مخالفت کرنا

((وعن ابی صرمۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ضار مسلما ضارۃ اللہ، و من شاق مسلما شق اللہ علیہ))

''حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلم کو تکلیف پہنچائے اللہ تعالیٰ اسے تکلیف پہنچائے گا اور جو شخص کسی مسلم کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈالے گا۔''
(سنن ابوداؤد: ۳۶۳۵۔ سنن ترمذی: ۱۹۴۰] (ارواء الغلیل: ۸۹۶۔ تحفۃ الاشراف: (۲۲۸/۹)

اللہ تعالیٰ کا مبغوض

((عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انّ اللہ یبغض الفاحش البذیء))

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ بدزبان (گالیاں بکنے والے)، بے ہودہ، گندی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔''
(سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۹۲۰۰۲)

فحش گوئی، بدکلامی اور لعن طعن

((عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفعہ: لیس المؤمن

بالطعان، ولا الفاحش، ولا البذیء))

”حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا): ”مومن بہت طعنے دینے والا، بہت لعنت کرنے والا، فحش گوئی کرنے والا، بے ہودہ بکنے والا نہیں ہوتا۔“

(سنن ترمذی: ۱۹۷۷۔ المستدرک للحاکم: ۱/۱۲۔ سنن بیھقی: ۱۰/۱۹۳۔) [تحفۃ الاشراف: ۷/۱۰۴]

فوت شدہ لوگوں کو گالی دینا

((عن عائشه رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تسبوا الاموات فانهم قد أفضوا الی ما قدموا))

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مردوں کو گالی مت دو، کیونکہ یقیناً وہ اس چیز کی طرف پہنچ چکے جو انہوں نے آگے بھیجی۔“

[صحیح بخاری: ۶۵۱۶۔ تحفۃ الاشراف: ۲/۲۹۳]

سخن چیں اور جنت

((عن حذیفه رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یدخل الجنة قتات))

”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سخن چیں (عیب جو، لوگوں کی برائیں ڈھونڈنے والا) جنت میں نہیں جائے گا۔“

[صحیح بخاری: ۶۰۵۶۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۱۶۹، ۱۷۰۔ تحفۃ الاشراف: ۳/۵۴]

غصے پر قابو کی فضیلت

((عن انس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من كف غضبه كف الله عنه عذابه))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے غصے کو روک لے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔''

(المعجم الاوسط للطبرانی حدیث: ۶۰۲۳۔ ابن ابی الدنیا ''قضا الحوائج'' صفحہ نمبر 80 اور رقم الحدیث 36۔ الفوائد المنتخبہ: ۱/۱۴۔ ابن عساکر: ۱۱/۴۴۴)

دھوکے باز اور برا مالک

((عن أبی بكر الصديق رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا يدخل الجنة خب، ولا بخيل، ولا سیء الملكة))

''حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں دھوکے باز داخل نہیں ہوگا، نہ بخیل اور نہ ہی برا مالک۔''

(السنن الترمذی: ۱۹۶۳)

کان لگانے کی سزا

((عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تسمع حديث قوم و هم له كارهون صب فی أذنيه الانك يوم القيامة يعنی الرصاص))

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص کسی قوم کی باتوں پر کان لگائے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں، اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ (سکہ) ڈالا جائے گا۔“

[صحیح بخاری: ۷۰۴۲۔ کتاب التعبیر باب من کذب فی حلمہ]

اپنے عیوب پر نظر رکھنا

((عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس))

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”طوبیٰ ہے اس شخص کے لیے جسے اس کا اپنا عیب لوگوں کے عیب سے روک دے۔“

[صحیح الجامع الصغیر: ۳۹۱۸]

بڑائی اور عظمت

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من تعاظم فی نفسہ، و اختال فی مشیتہ لقی اللہ و ھو علیہ غضبان))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اپنے دل میں بڑا بنا اور اپنی چال میں اکڑ کر چلا، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غصے میں ہوگا۔“

[مستدرک حاکم: ۱/۶۰]

جلد بازی شیطان کی طرف سے

((عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم: العجلة من الشیطان))

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔''

اصل نحوست

((عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الشوم سوء الخلق))

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اصل نحوست بد خلقی ہے۔''

(مسند امام احمد: ۸۵/۶)

بہت لعنت کرنے والے

((عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللعانین لا یکونون شفعآء، ولا شھدآء یوم القیامة))

''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک بہت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے نہ شہادت دینے والے۔''

(صحیح مسلم، کتاب البر الصلۃ: ۸۶)

گناہ کی عار دلانا

((عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من عیر أخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ))

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائے وہ فوت نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ گناہ کر لے۔''

[ترمذی: ۲۵۰۵]

لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے والا

((عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده رضى الله عنهم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ويل للذى يحدث فيكذب ليضحك به القوم ويل له، ثم ويل له))

''بہز بن حکیم اپنے باپ سے وہ اس (بہز) کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ویل ہے اس شخص کے لیے جو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کے ساتھ لوگوں کو ہنسائے۔ ویل ہے اس کے لیے، پھر ویل ہے اس کے لیے۔''

[صحیح ابوداؤد: ۴۹۹۰۔ السنن الترمذی: ۲۳۱۵۔ السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر: ۴۱۰۔ غایۃ ۳۷۶۔ مشکوۃ المصابیح ۴۸۳۸]

غیبت کا کفارہ

((عن انس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: كفارة من اغتبته أن تستغفر له))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی تم نے غیبت کی ہو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے بخشش کی دعا کرو۔''

(زوائد المسند: ۲۶۱)

اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ

((عن عائشه رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أبعض الرجال الی الله الالد الخصم))

"عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند آدمی وہ ہے جو ہٹ دھرم سخت جھگڑالو ہو۔"

[صحیح بخاری: ۷۱۸۸۔ صحیح مسلم، کتاب العلم: ۵۔ تحفۃ الاشراف: ۱۱/۴۵۶]

سچ کی خوبی

((عن ابی مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر، وان البر یهدی الی الجنة، وما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند الله صدیقا، و ایاکم و الکذب فان الکذب یهدی الی الفجور، وان الفجور یهدی الی النار، وما یزال الرجل یکذب و یتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذابا))

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی سچ کہتا رہتا ہے اور سچ کہنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف دعوت دیتا ہے اور برائی آگ کی طرف ہدایت کرتی ہے اور آدمی جھوٹ کہتا رہتا ہے اور جھوٹ کہنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔"

[صحیح بخاری: ۶۰۹۴۔ صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ/ ۱۰۵]

گمان سے بچو

((عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایاکم و الظن، فان الظن أکذب الحدیث))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔''

[صحیح بخاری: ۶۰۶۶۔ صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ: ۲۸۔ تحفۃ الاشراف: ۱۰/۱۷۲]

راستے کے حقوق

((عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایاکم و الجلوس علی الطرقات: قالوا: یارسول اللہ! مالنا بد من مجالسنا نتحدث فیھا، قال: فاما اذا أبیتم فأعطوا الطریق حقہ، قالوا: وما حقہ؟ قال: غض البصر، و کف الأذی، ورد السلام، و الأمر بالمعروف و النھی عن المنکر))

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ''ہماری مجلسوں کے بغیر ہمارا گزارا نہیں کیونکہ ہم ان میں باہمی بات چیت کیا کرتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو جب تم نہیں مانتے تو راستے کو اس کا حق دو۔'' انہوں نے پوچھا: ''راستے کا حق کیا ہے۔؟'' فرمایا: ''نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم

دینا اور برائی سے روکنا۔“
[صحیح بخاری: ۶۲۲۹۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس/ ۳۲۷۔ تحفۃ الاشراف: ۸/ ۱۲۵]

فقاہت فی الدین کی فضیلت

((عن معاویه رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین))

”حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔“
[صحیح بخاری: ۷۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ: ۹۸، ۱۰۰۔ تحفۃ الاشراف: ۸/ ۴۰۱، ۸/ ۴۳۷، ۸/ ۴۵۰]

ترازو میں اچھے خلق سے بھاری کوئی چیز نہیں

((عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما من شیء فی المیزان اثقل من حسن الخلق))

”حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ترازو میں کوئی چیز خلق اچھا ہونے سے زیادہ بھاری نہیں ہے۔“
[سنن ابی داؤد: ۴۷۹۹۔ مسند امام احمد: ۶/ ۴۴۶، ۴۴۸]

حیاء ایمان سے ہے

((عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الحیاء من الایمان))

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ”حیاء ایمان سے ہے۔“
[صحیح بخاری: ۲۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۳۷۳۔ تحفۃ الاشراف: ۳۸۸/۵، ۳۷۳/۵، ۴۲۹/۹، ۴۴/۹، ۹/۱۱، ۱۶/۱۱، ۱۱/۱۱]

وہ بات جو نبوتوں سے چلی آرہی ہے

((عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان مما أدرك الناس من کلام النبوہ الاولی: اذا لم تستحی فاصنع ما شئت))

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔“
[صحیح بخاری: ۳۴۸۳۔ ۳۴۸۴]

جدوجہد کی ترغیب اور تقدیر پر قناعت

((عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المومن القوی خیر و أحب الی اللہ من المومن الضعیف، وفی کل خیر احرص علی ما ینفعك، واستعن باللہ، ولا تعجز، و ان اصابك شیء فلا تقل: لو انی فعلت کذا و کذا، کان کذا و کذا، و لکن قل: قدر اللہ وما شاء اللہ فعل، فان ((لو)) تفتح عمل الشیطان))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور ہر ایک میں بھلائی موجود ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اس کی حرص کر اور اللہ تعالیٰ

سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو اور اگر تجھے کوئی (نقصان دہ) چیز پہنچے تو یہ مت کہہ کہ ”اگر میں اس طرح کرتا تو اس طرح اور اس طرح ہو جاتا“ بلکہ یوں کہہ کہ ”اللہ نے قسمت میں (اسی طرح) لکھا اور جو اس نے چاہا کر دیا“ کیونکہ ”لو“ (اگر) کا لفظ شیطان کا کام کھول دیتا ہے۔“

[صحیح مسلم، کتاب القدر: ۳۴ـ تحفۃ الاشراف: ۱۰/۱۵۹، ۱۰/۲۱۹، ۱۰/۲۱۴]

حکمِ تواضع

((عن عياض بن حمار رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله تعالىٰ أوحى الي ان تواضعوا حتى لا يبغي أحد على أحد، ولا يفخر أحد على أحد))

”حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ نیچے رہو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر سرکشی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے۔“

[صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ: ۶۴ـ تحفۃ الاشراف: ۸/۲۵۱ـ ۸/۲۵۲]

دینی بھائی کی عزت کا دفاع کرنا

((عن أبي الدرداء رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من رد عن عرض أخيه بالغيب رد الله عن وجهه النار يوم القيامة))

”حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع اس کے موجود نہ ہونے کے وقت کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ کو ہٹا دے گا۔“

[سنن ترمذی: ۱۹۳۱ـ غایۃ المرام: ۴۳۱ـ مسند امام احمد: ۶/۴۴۹]

مال، عزت اور رفعت میں اضافہ

((عن ابی ھریرة رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ما نقصت صدقة من مال، وما زاد اللہ عبدا بعفو عزا وما تواضع أحد للہ الا رفعه اللہ تعالی))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے کی بدولت بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور کوئی شخص اللہ کی خاطر نیچا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے۔"

[صحیح مسلم، کتاب البر والصلة: ۶۹۔ تحفة الاشراف: ۱۰/۲۳۴]

جنت میں داخلے کے اعمال

((عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: یآیها الناس، أفشوا السلام، و صلوا الارحام، واطعموا الطعام، و صلوا باللیل و الناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام))

"حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو عام کرو اور رشتہ داریوں کو ملاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رات کو نماز پڑھو اس حال میں کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔"

[السنن الترمذی: ۲۴۸۵، ۳۲۵۱]

دین نصیحت ہے

((عن تمیم الداری رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحۃ "ثلاثا" قلنا: لمن هی یا رسول اللہ؟ قال: للہ، ولکتابہ، ولرسولہ، و لأئمۃ للمسلمین و عامتهم))

"حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین صرف نصیحت ہی ہے۔" ہم نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کے لیے۔؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول، مسلمانوں کے حکمرانوں اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔"

[صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۹۵۔ تحفۃ الاشراف: ۲/۱۱۶۔ ۹/۳۴۶۔ ۹/۳۹۳۔ ۹/۴۳۴]

جنت میں لے جانے والے عمل

((عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أکثر ما یدخل الجنۃ تقوی اللہ و حسن الخلق))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اچھا خلق ہے۔"

[سنن ترمذی: ۲۰۰۴]

حسن خلق

((عنہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انکم لا تسعون الناس بأموالکم، و لکن لیسعهم منکم بسط الوجہ و حسن الخلق))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تم اپنے مالوں کے ساتھ تمام لوگوں کے لیے فراخ نہیں ہو سکتے، لیکن ان کے لیے تمہاری طرف سے چہرے کا کھلا ہونا اور خلق کا اچھا ہونا فراخ ہونا چاہیے۔''

[ابو یعلی: ۱۱/ ۶۵۵۰۔ مستدرک حاکم: ۱/ ۱۲۴]

مومن مومن کے لیے آئینہ ہے

((عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمن مرأۃ أخیہ المؤمن))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔''

[سنن ابی داؤد، ۴۹۱۸]

لوگوں سے میل جول رکھنے کی فضیلت

((عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤن الذی یخالط الناس، و یصبر علی أذاھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی أذاھم))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل کر نہیں رہتا نہ ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔''

[سنن ابن ماجہ ۴۰۳۲۔ سنن ترمذی، کتاب القیامۃ: ۵۵]

حسن صورت کے ساتھ حسن خلق کے لیے دعا

((عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی))

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے اللہ! جس طرح تو نے میری شکل وصورت اچھی بنائی ہے میرا اخلق بھی اچھا بنادے۔“

[مسند امام احمد: ۱/۴۰۳۔ صحیح ابن حبان: ۳/۹۵۹]

☆☆☆

معجزات رسول ﷺ

زرتشت اور محمد رسول اللہ ﷺ

زرتشت کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آگ میں کودجایا کرتا تھا اور اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا، گویا یہ اس کا خارق عادت تھا۔ زرتشت کا بس یہی خارق عادت تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں خارق عادت (معجزات) تھے۔ ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات نقل کیے جاتے ہیں۔

معجزات نبی ﷺ

1: ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو کفر، شرک اور جہالت کے اندھیرے سے نکالنے کی بے پناہ کوشش فرمایا کرتے تھے۔ آپ ان کے خیر خواہ اور ان کی نجات کے متمنی تھے۔ قریش اس نصیحت کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے جانی دشمن بن گئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینا چاہتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی مدد شامل تھی۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کا راستہ روکنے کے لیے بے شمار منصوبے اور پروپگنڈے کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب بھی کوئی مہمان یا مسافر حج یا کاروبار کی غرض سے مکہ مکرمہ آتا تو یہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ کر رہنے کی تلقین کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتے۔

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلۂ ''دوس'' کے ایک معزز سردار اور معروف شاعر تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مکہ میں داخل ہوا تو قریش کے سرداروں نے میرا استقبال کیا اور کہا:

> ''اے طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو، ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کے لیے مشورہ دیتے ہیں کہ ہمارے نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہت محتاط رہنا۔ اس کا کام خاصا خطرناک ہے۔ اس نے ہماری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمیں منتشر کر دیا ہے۔ اس کا کام جادو کی مانند ہے جس کی وجہ سے باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے جدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہے کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس کی زد میں نہ آ جائے۔ پس اے طفیل! آپ نہ تو اس نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی کلام کریں اور نہ ہی اس کی بات سنیں۔''

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! قریش کے سرداروں نے مجھے اتنی تاکید کی کہ میں نے ان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور فیصلہ کیا کہ ''صاحبِ قریش'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نہ تو بات سنوں گا اور نہ ہی اس سے کلام کروں گا۔ میں اپنے کانوں میں روئی ڈال کر خانہ کعبہ میں جاتا اور پھر بھی مجھے ڈر ہوتا کہ کہیں اس نوجوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو مجھ پر نہ چل جائے۔

ایک دن صبح کے وقت میں خانہ کعبہ میں آیا تو خانہ کعبہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔ خدا کا

کرنا ایسا ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کچھ کلام سن لیا۔ وہ بہت اچھا کلام تھا۔ میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا:

”میری ماں مجھے روئے! میں نے کیا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے۔؟ خدا کی قسم! میں عقل مند بھی ہوں اور شاعر بھی، اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے میں کیا حرج ہے؟ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننا چاہیے۔ اگر اچھی بات ہوگی تو قبول کرلوں گا اور اگر بری بات ہوگی تو رد کر دوں گا۔“

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو گھر کی جانب چلے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے عرض کیا:

”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں مجھے بہت کچھ کہا۔ انھوں نے اتنا پروپگنڈا کیا کہ میں اس قدر متاثر ہوا کہ آپ کی آواز اپنے کانوں میں پڑ جانے کے خوف سے میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ میں آپ کا کلام سنوں، چنانچہ میں نے آپ کا کلام سنا اور اسے اچھا پایا۔ پس آپ اپنی دعوت کا تعارف کرائیں۔“

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور قرآنِ حکیم کی تلاوت سنائی۔ خدا کی قسم! میں نے زندگی بھر اس سے بہتر کلام نہیں سنا اور نہ ہی اس سے زیادہ انصاف وعدل سے بھرپور کلام مجھ تک پہنچا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر آئندہ شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دینے کا عہد کر لیا۔ میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی قوم میں محترم ومعزز ہوں اور میری ساری قوم میری بات مانتی ہے۔ اب میں اپنی قوم کے پاس واپس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرما کر مجھے ایسی نشانی عطا فرما دیں جو دعوتِ حق کے کام میں میری معاون ہو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرماتے ہوئے کہا:

''اللھم اجعل لہ ایۃ''

''اے اللہ جل جلالہ! اسے کوئی نشانی عطا فرما۔''

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی جانب واپس لوٹتے ہوئے ایک پہاڑی پر پہنچا جہاں سے میرے قبیلے کے گھر اور آبادی نظر آ رہی تھی۔ اچانک میری پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان مشعل کی طرح روشنی چمکنے لگی۔ میں نے دعا کی:

> ''اے اللہ! یہ روشنی میرے چہرے کے علاوہ کسی اور چیز میں پیدا فرما دے، کیونکہ میری جاہل قوم اسے مرض قرار دے کر کہے گی کہ یہ مرض طفیل کو باپ دادا کے دین کے چھوڑنے کی وجہ سے لاحق ہو گیا ہے۔''

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پس یہ روشنی میری چھڑی کے سرے پر آ گئی۔ قوم نے دور سے دیکھا کہ یہ چھڑی ایسے معلوم ہوتی تھی جیسے قندیل روشن ہو۔ میں پہاڑ سے اترا اور سب لوگ دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ میں رات کے اندھیرے میں سفر کرتے ہوئے قبیلے کے درمیان اپنے گھر پہنچا۔

(طبقات ابن سعد، جلد 14، القسم الاول، عربی صفحہ 175 (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 382) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 153-278) (البدایہ والنہایہ، جلد 3 عربی صفحہ 99) (الاصابہ جلد 2 عربی صفحہ 217) (اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 54) (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، صفحہ نمبر 193-194)

2: ابن اسحاق نے محمد بن ابراہیم ابن الحارث التیمی سے، انہوں نے ابوالہیثم نصر بن دھر اسلمی سے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ ایک سفر کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن عمر بن اکوع کے چچا عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''ابن اکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! ذرا شعر خوانی کرو، تاکہ اونٹ تیز چلیں۔''

ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اونٹ سے اتر کر پیدل چلنے لگے اور شعر خوانی کے لیے رجزیہ شعر پڑھنے لگے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا گیا تھا کہ جنگ

کے میدان میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ثابت قدم رہیں گے۔

ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر پڑھے:

"واللہ لو لا اللہ ما اھتدینا
و لا تصدقنا و لا صلینا
انا اذا قوم بغوا علینا
و ان ارادو فتنة ابینا
فانزلنا سکینة علینا
و ثبت الاقدام ان لا قینا"

"اللہ کی قسم! اگر توفیق خداوندی ہمارے ساتھ شامل حال نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نہیں مل سکتی تھی۔ نہ ہم صدقہ دیتے نہ ہم نمازیں پڑھتے (یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خصوصی رحمت سے اسلام کی ہدایت دی اور ہم کو ان پاکیزہ اعمال سے نوازا) اس راستے پر چلتے ہوئے جب کوئی دشمن ہمارے خلاف چڑھائی کر کے آئے تو ہم بزدلی نہیں دکھاتے۔ جو ہمارے لیے فتنہ پیدا کرنا چاہیں ہم ان کے مقابلے پر غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اے مولائے کریم! ہمارے دلوں پر سکینت نازل فرما اور دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرمانا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یوں دعا دی:

"یَرْحَمُكَ اللّٰهُ"

"اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی صحابی کو یہ دعا دیتے تو وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہو جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اسی وقت عرض کر دیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو

شہادت لازمی ہوگئی ہے۔ اگر وہ کچھ عرصہ مزید ہمارے ساتھ رہتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ خیبر میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ دشمن سے لڑتے ہوئے ان کی اپنی ہی تلوار پلٹ کر ان کو زخمی کر گئی۔ زخم بہت گہرا تھا اسی سے ان کی وفات ہوگئی۔ لوگوں کو ان کی شہادت کے بارے میں شک ہوا اور انہوں نے یہ کہا:

"وہ تو اپنی ہی تلوار سے زخمی ہو کر قتل ہو گئے ہیں۔"

عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے سلمہ بن عمرو نے یہ باتیں سنیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگوں کی گفتگو کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سن کر فرمایا:

"اِنَّهٗ لَشَهِيْدٌ"

"بیشک وہ راہِ حق میں شہادت پانے والے تھے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سب مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ: 329) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، القسم الاول، عربی صفحہ: 80) (طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الثانی، عربی صفحہ 37) (صحیح مسلم، جز 12، عربی صفحہ 184-171-165) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 187-182) (المغازی، للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 639) (صحیح بخاری، جز 8، عربی صفحہ 90-43) (سنن البیہقی، جز 10، عربی صفحہ: 277) (سنن البیہقی، جز 8، عربی صفحہ 110) (سنن البیہقی، جز 4، عربی صفحہ 16) (الاصابہ، جلد 32، عربی صفحہ 241) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 219) (اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 82) (سنن النسائی، جز 6، عربی صفحہ 31) (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 196-195)

3: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

"بنو کندہ کے بادشاہ اُکیدر بن عبدالمالک کی طرف جاؤ اور اس مطیع کرو۔"

یہ بادشاہ نصرانی تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم ملتے ہی روانہ ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تم اسے جنگلی گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔‘‘

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دیار بنو کندہ پہنچے تو منظر العین میں اکیدر کے قلعے کے قریب چاندنی رات کے وقت انہوں نے دیکھا کہ اکیدر قلعے کی چھت پر بیٹھا ہے اور اس کی بیوی بھی اس کے پاس ہے۔ اسی دوران ایک عجیب منظر یہ دیکھنے میں آیا کہ اکیدر بادشاہ کے محل کے صدر دروازے پر ایک جنگلی گائے آئی اور دروازے کے ساتھ سینگ مارتی رہی۔

اکیدر بادشاہ کو اس کی بیوی نے کہا:

’’کیا ایسا منظر تم نے کبھی پہلے بھی دیکھا ہے۔؟‘‘

اس کی بیوی نے جواب دیا:

’’خدا کی قسم! پہلے کبھی ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آیا۔‘‘

اس کے بعد اکیدر کی بیوی نے کہا:

’’اس شکار کو کون چھوڑ سکتا ہے۔؟‘‘

اکیدر نے جواب دیا:

’’کوئی بھی نہیں۔‘‘

یہ کہہ کر وہ چھت سے نیچے اترا اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے گھوڑے پر زین کسی جائے۔ پھر وہ اپنے بچوں اور ساتھیوں کے ہمراہ ہتھیار بند ہو کر شکار کے لیے نکلا۔ اس کی معیت میں اس کا بھائی حسان بھی تھا۔

جونہی یہ لوگ قلعے سے نکل کر کھلی جگہ آئے تو ان کا سامنا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہو گیا۔ اسی لڑائی میں اکیدر کا بھائی قتل ہو گیا اور وہ خود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس نے ایک نہایت قیمتی قبا اوڑھ رکھی تھی جس میں ریشمی دھاگے کے اوپر سونے کا منقش کام کیا گیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے اس کی

قبا لے لی اور مدینہ پہنچنے سے قبل یہ قبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔

ابن اسحاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اکیدر کی قبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو میں موجود تھا۔ مسلمان اس قبا کی خوبصورتی اور نرمی کو دیکھ کر متعجب ہو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا:

> ”کیا تم اس پر تعجب کر رہے ہو؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جنت میں اس سے کہیں زیادہ جمیل و نفیس رومال ہیں۔“

پھر حضرت خالد بن ولید اکیدر بادشاہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی اور جزیئے کی ادائیگی پر اس کے ساتھ صلح فرمائی۔ اکیدر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہا فرمادیا تو وہ واپس اپنے قبیلے میں چلا گیا۔

قبیلہ بنو طے کے ایک شخص حضرت بجیر بن بجرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا جس میں انہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گائیں کے شکار کرنے والے معجزہ کو بیان کرتے ہوئے) کہا:

”تبارك سائق البقرات انى
رايت الله يهدى كل هاد
فمن يك حائداعن ذى تبوك
فانا قد امرنا بالجهاد“

> ”بابرکت ہے وہ ذاتِ پاک جو جنگلی گایوں کو ہانک کر مقام مقررہ تک پہنچا دیتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر ہدایت دینے والے کی رہنمائی خود اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ جو کوئی غزوۂ تبوک کا حکم دینے والے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے الگ ہونا چاہتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ ہم الگ نہیں ہوں گے۔ ہمیں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور ہمارا سر تسلیم خم ہے۔

یہ اشعار سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تیرے دانتوں کو کبھی بوسیدہ نہ کرے۔"

راوی کہتے ہیں کہ بجیر بن بجرہ نوے سال زندہ رہے، نہ کبھی ان کا کوئی دانت ٹوٹا، نہ دانتوں میں تکلیف ہوئی اور نہ کبھی کوئی داڑھ ہلی۔"

(طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 1 2 0) (سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 526) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 114-164) (المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1025) (البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 17) (الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 131-142) (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 58-59) (حیاۃ الحیوان الکبریٰ، جلد 1، باب الباء الموحدۃ، عنوان البقر الوحشی، عربی صفحہ 152، طبع دار الفکر بیروت لبنان)

4: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ بریدہ بن سفیان اسلمی نے ان کو یہ واقعہ کئی راویوں کے واسطے سے سنایا کہ ابوالیسر کعب بن عمرو کہتے ہیں کہ ہم نے یہودیوں کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا اچانک بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ وہاں سے گزرا وہ ایک یہودی کی ملکیت تھا اور قلعے میں واپس جا رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان بکریوں میں سے ہمارے کھانے کے لیے کچھ بکریاں کون لائے گا۔؟"

ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ کام کر سکتا ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ٹھیک ہے۔"

ابوالیسر فرماتے ہیں:

"چنانچہ میں شتر مرغ کی طرح چلتا ہوا ریوڑ میں گھس گیا، بکریوں کا پہلا حصہ قلعے میں داخل ہو چکا تھا۔ میں نے آخری حصے میں سے دو بکریاں پکڑ لیں اور انہیں اپنے بازوں کے نیچے دبا کر اپنی فوج کی جانب لے آیا۔ میں یوں چلا آ رہا تھا گویا کہ بکریوں کا کوئی بوجھ ہی نہیں ہے۔ جب میں نے بکریاں لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

> نے انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا اور سب لوگوں نے ان کا گوشت کھایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری لمبی عمر کی دعا فرمائی۔’’

یہی وجہ ہے کہ ابو الیسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے آخر میں فوت ہوئے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی۔ حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری حصے میں جب کبھی یہ واقعہ بیان فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور پھر فرمایا کرتے:

> ‘‘مجھ سے استفادہ کر لو! میری عمر کی قسم! تمام صحابہ کی جماعت میں سے میں ہی رہ گیا ہوں۔ باقی سب رخصت ہو گئے ہیں۔’’

(سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 336) (المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 660) (البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 195)

5: ابن عبد البر بیان کرتے ہیں کہ عمر بن اخطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور خوب صورتی و جمال کے لیے دعا فرمائی۔

اس دعا کے وسیلے کے سبب حضرت عمر بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی اور وہ آخر وقت تک بہت حسین و جمیل رہے۔ سو سال عمر ہونے کے باوجود ان کے سر اور داڑھی میں گنتی کے چند ایک بال سفید ہوئے، باقی بالکل سیاہ تھے۔

(الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 1162) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 166) (الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 79)

6: امام بخاری سے مکی بن ابراہیم نے، انہوں نے جعید سے سنا، انہوں نے عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے سنا۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کے والد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں شدید بیمار ہو گئے۔ بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا:

> ‘‘یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کافی مال اور جائیداد ہے اور صرف ایک بیٹی ہے۔ میں اپنے ترکے کا تیسرا حصہ راہ خدا میں وقف کرنا چاہتا ہوں۔’’

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اتنا وقف نہ کرو۔"

انہوں نے عرض کیا:

"اچھا نصف اللہ کی راہ میں وصیت کرتا ہوں اور نصف (اپنی بیٹی کے لیے) چھوڑتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بار بھی فرمایا:

"نہیں (اتنا وقف نہ کرو۔)"

انہوں نے عرض کیا:

"پھر تیسرا حصہ وصیت کرتا ہوں اور دو حصے اپنی بیٹی کے لیے چھوڑتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثلث کی وصیت کرو اور ثلث بھی کثیر ہے۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھا، میرے چہرے اور پیٹ پر اپنے ہاتھ مبارک سے مسح کیا اور دعا مانگی:

"اے اللہ! سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما دے۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر اور کلیجے میں آج تک محسوس کرتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے وسیلے سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شفا بخشی، انہوں نے طویل عمر پائی اور کثیر اولاد سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا۔

(صحیح البخاری، جز 7، عربی صفحہ 153) (المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1116) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 162-165) (الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 288) (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 40)

7: ابو عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کی وجہ سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ ان کا قصیدہ ''قصیدہ رائبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ قصیدہ رائبہ کا پہلا شعر یہ تھا:

''اتيت رسول الله اذ جاء الهدىٰ
ويتلوا كتابا كالجرة نيرا

''جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو ہدایت دیتے اور کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں، جس کی آیات روشن اور چمکدار ستاروں کی طرح ہیں۔''

حسن بن عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس شخص سے سنا جو حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا واقعہ روایت کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے یہ شعر پڑھے:

''ہم اس قوم کے سپوت ہیں جو جنگ لڑنا جانتی ہے۔ ہمارے شہسوار اور سپہ سالار اس وقت تک جنگ سے واپس نہیں آتے جب تک جنگ کا فیصلہ نہ ہو جائے، گویا کہ وہ پیٹھ پھیرنا جانتے ہی نہیں۔ گھبراہٹ کے وقت ہم دشمن کا خوب قتلِ عام کرتے ہیں اور خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں۔ ایسے وقت میں ہمارے گھوڑوں کا رنگ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ سیاہ مشکی گھوڑے سرخ رنگ کے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ معمول ہی نہیں کہ ہمارے گھوڑے میدانِ جنگ سے صاف ستھرے اور صحیح سلامت لوٹ آئیں، بلکہ ہم بوقتِ ضرورت ان کی کونچیں بھی کاٹ دیتے ہیں اور میدانِ جنگ میں جم کر دشمن کا صفایا کرتے ہیں۔ ہم اپنے عظیم کارناموں کی وجہ سے شہرت کے بلند آسمانوں کی بلندیوں پر چمکدار ستارے کی طرح چمک رہے ہیں اور ہمارا حسب و نسب اتنا بلند، عالی اور بے داغ ہے کہ اَجداد کا ذکر کرنا باعث عزت

وتکریم سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے پاس ہے، مگر ہم اس سے بھی بلند مقام کی تمنا و آرزو رکھتے ہیں۔’’

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

‘‘اے ابولیلیٰ! اس سے بلند تر کہاں کی جستجو ہے۔؟’’

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

‘‘نَرْجِعُ اِلَى الْجَنَّةِ’’

‘‘یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جنت کی آرزو رکھتے ہیں۔’’

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

‘‘ضرور۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ’’

حضرت بابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے:

> ‘‘ایسا علم جس کے ساتھ جرأت اور بہادری شامل نہ ہو کس کام کا؟ اسے تو بزدلی کہنا زیادہ بہتر ہے۔ علم کے ساتھ شجاعت ہونی چاہئے تاکہ حوض کے پانی کو گدلا کرنے والوں کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ ایسی بہادری جس کے ساتھ حلم، علم اور نرمی نہ ہو جہالت کے مترادف ہے۔ شجاعت کا سکہ جما لینے کے بعد عفو و درگزر سے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے۔’’

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سن کر فرمایا:

‘‘اللہ تیرے دانتوں کو ہمیشہ سلامت و مستحکم رکھے۔’’

حسن کہا کرتے تھے کہ نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانت سب لوگوں سے زیادہ خوب صورت تھے۔ وہ منہ کھولتے تھے تو دانت سفید برق اور بجلی کی طرح چمکدار نظر آتے تھے۔ ان کا نہ تو کوئی دانت ٹوٹا، اکھڑا اور نہ کمزور ہوا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا کہ حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سو سال زندہ رہے اور ان کے دانت آخری سانس تک بالکل صحیح وسلامت رہے۔

(الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1516) (البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 168)
(الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 508) (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، صفحہ 203)

8: امام بخاری سے یحییٰ، ان سے اسماعیل، ان سے قیس اور ان سے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”اے جریر! کیا تو ذی الخلصہ بت کو منہدم کر کے مجھے راحت نہیں پہنچائے گا۔؟“

بنو خثعم اور بنو بجلیہ نے ایک مکان بنا رکھا تھا جس میں ذی الخلصہ بت دیگر بتوں کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس مکان کا نام کعبۃ الیمانیہ تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوا۔ میرے ساتھی سب قبیلہ بنو احمس کے تھے۔ وہ سارے ماہر گھوڑ اسوار تھے۔ جب کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر بھی اچھی طرح جم کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نشانات اپنے سینے پر دیکھ سکتا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

> ”اے اللہ! اسے گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھنے کے قابل بنا دے اور اسے ہادی ومہدی (ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا) بنا دے۔“

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بت خانے کو جلا کر راکھ کر دیا اور بتوں کو توڑ پھوڑ دیا، پھر ایک ایلچی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خوش خبری سنانے کے لیے روانہ کیا۔ ایلچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

> ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں وہاں سے اس وقت تک نہیں چلا جب تک کہ اس بت ذوالخلصہ کو جلا کر راکھ نہیں کر دیا گیا۔ اب وہ خارش زدہ اونٹ کی طرح ہے۔“

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور احمس کے پورے قبیلے

اوران کے گھوڑ اسواروں کے حق میں پانچ مرتبہ برکت کی دعافرمائی۔

(طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 78) (صحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 91) (صحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 209) (صحیح البخاری، جز 8، عربی صفحہ 29-91) (صحیح المسلم، جز 16، عربی صفحہ 35) (سنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 174) (البدایہ و النہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 375) (البدایہ و النہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 78) (اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 280) (اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 24) (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 684)

9: واقدی نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حشمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب نو ہجری میں حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منذر بن ساوی کے نام خط دے کر بھیجا۔ حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرلیا اور حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ گئے۔ واپسی پر یمامہ سے گزرے تو یمامہ کے سردار حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اسلام لانے سے پہلے) ان سے پوچھا:

"کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد ہو۔؟"

انہوں نے جواب دیا:

"ہاں۔"

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضب ناک ہو کر بولے:

"اب تم واپس اس کے پاس زندہ نہیں جاسکو گے۔"

حضرت ثمامہ بن اثال حضرت علا بن حضرمی کو قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا عامر نے ان سے کہا:

"ثمامہ بن اثال! عقل کی بات کرو۔ تمہاری اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا دشمنی۔؟"

عامر کی مداخلت سے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! عامر کو ہدایت سے نواز دے اور ثمامہ پر مجھے غلبہ عطا فرما۔''

امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ نجد کی جانب روانہ فرمایا، ان کے ہاتھ بنوحنیفہ کا ایک آدمی آ گیا جسے انہوں نے گرفتار کر لیا اور مدینہ لا کر مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے تو قیدی سے اس کا نام پوچھ کر فرمایا:

''ثمامہ! کیا حال ہے۔؟''

انہوں نے جواب دیا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا حال اچھا ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو یہ ایسے آدمی کا قتل ہوگا جس کے خون کی قیمت کچھ ہے اور اگر مجھ پر احسان کر دیں تو یہ ایسے آدمی پر احسان ہوگا جو احسان کا بدلہ دینا جانتا ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و دولت کی ضرورت ہے تو جتنا مانگو گے ملے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے روز پھر اس کے قریب آئے تو اپنا سوال دہرایا اس نے بھی اپنا وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا۔ تیسرے روز بھی یہی سوال جواب ہوئے۔ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے چھوڑ دو۔''

چنانچہ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے قریب کھجوروں کے ایک باغ میں گئے، غسل کیا، پھر مسجدِ نبوی میں آ کر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے زیادہ مجھے کسی شخص کے چہرے سے نفرت نہ تھی مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ میرے نزدیک دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ محبوب

ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ مجھے دنیا کے کسی دوسرے دین سے اتنی عداوت نہ تھی مگر آج مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دنیا کے ہر دین سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے زیادہ کوئی شہر برا نہیں لگتا تھا مگر آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مجھے پوری دنیا سے زیادہ محبوب و عزیز ہو گیا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑ اسواروں نے مجھے پکڑا تو میں عمرہ کے لیے جا رہا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثمامہ بن اثال کو بشارت سنائی اور عمرہ کرنے کے لیے مکہ جانے کا حکم فرمایا۔ جب حضرت ثمامہ بن اثال مکہ پہنچے تو قریشِ مکہ ان کے گرد جمع ہو گئے اور کہا:

"کیا تو صابی ہو گیا ہے۔؟"

انہوں نے جواب دیا:

"نہیں بلکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔ اب سن لو! خدا کی قسم! اس وقت تک تمہیں یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دے دیں۔"

یمامہ واپس جا کر حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ مکہ کا غلہ بند کر دیا۔ اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی تیاری میں تھے مگر یہ صورت حال دیکھ کر مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کرنے لگے کہ یمامہ سے ان کو غلہ منگوا دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ سے مکہ غلہ آنا بحال کر دیا۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 5، عربی صفحہ 401﴾ ﴿صحیح بخاری، جز 5، عربی صفحہ 215﴾ ﴿صحیح مسلم، جز 12، عربی صفحہ 87﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 1، عربی صفحہ 171﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 2، عربی صفحہ 444﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 9، عربی

صفحہ 65 ﴾ ﴿ الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 204 ﴾ ﴿ الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 241 ﴾ ﴿ البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 49 ﴾ ﴿ سنن النسائی، جز 1، عربی صفحہ 110 ﴾ ﴿ سنن النسائی، جز 2، عربی صفحہ 46 ﴾

10: ابن عساکر نے اسحاق کے حوالے سے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ہبار بن اسود بیان کرتے ہیں کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتیبہ تجارت کے لیے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سفر پر جانے سے پہلے عتیبہ نے کہا:

> ”خدا کی قسم! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں گا اور اس کے رب کے بارے میں اس کے جو عقائد ہیں انکی وجہ سے اسے ضرور اذیت پہنچا کر رہوں گا۔“

چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

> ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اس کا انکار کرتا ہوں جس کے بارے میں تم کہتے ہو:
>
> ”ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○
>
> (القرآن الجید، پارہ 27، سورۃ نمبر 53 (النجم)، آیت نمبر 8-9)
>
> ”پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا۔ ○ تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ ○“

اس گستاخی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے حق میں بددعا مانگتے ہوئے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

> ”اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ“
>
> ”اے اللہ! اس (ابولہب کے بیٹے عتبہ) پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما۔“

عتیبہ اپنے خیال میں بڑا کارنامہ سرانجام دے کر اپنے باپ ابولہب کے پاس آیا تو ابولہب نے پوچھا:

''پیارے بیٹے تو نے اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا کہا۔؟''

عتیبہ ابن ابولہب نے بتایا کہ میں نے ایسے اور ایسے، یہ اور یہ کہا۔

اس نے پوچھا:

''اس کے جواب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا۔؟''

عتیبہ ابن ابولہب نے بتایا کہ انہوں نے یہ بددعا کی۔

یہ سنتے ہی ابولہب کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا:

''اے بیٹے! خدا کی قسم! بیشک میں تم کو اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا سے محفوظ نہیں سمجھتا۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بددعا ضرور پوری ہوگی۔)''

ہبار بن اسود مزید بیان کرتے ہیں کہ ہم ملکِ شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہم نے کچھ سفر کرنے کے بعد ابراہ کے مقام پر قیام کیا۔ وہاں ایک گرجا گھر تھا ہم گرجا گھر میں ہی ٹھہرے۔ گرجا گھر کے پادری نے کہا:

''اے عرب کے رہنے والو! تم یہاں کیوں ٹھہرتے ہو؟ یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے۔ یہاں پر شیر ایسے گھومتے پھرتے ہیں جیسے عام علاقوں میں بکریاں!''

یہ سن کر ابولہب کے ہوش اڑ گئے اور اس نے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''تم جانتے ہو کہ میں بوڑھا ہوں۔ میرے مقام و مرتبہ سے بھی تم واقف ہو اور میرے جو میرے تم پر احسان ہیں تم ان سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے اس بیٹے (عتیبہ) کے بارے میں بددعا کی ہے۔ جس کی وجہ سے میں فکر مند ہوں۔ پس تم سارا سامان اس گرجا گھر کے صحن میں جمع کر دو! اس کے اوپر میرے بیٹے کا بستر لگا دو! پھر اس سامان کے گرد تم سب جمع ہو کر سو جاؤ!''

ہبار بن اسود کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ رات کے وقت جب ہم سو گئے تو جنگل سے شیر آیا۔ اس نے ہم سب کے چہروں کو سونگھنا شروع کیا مگر کسی کو کچھ نہ کہا۔ وہ اپنے شکار (عتیبہ بن ابولہب) کی تلاش میں تھا۔ اس نے پیچھے جا کر دوڑ لگائی

اور زوردار چھلانگ لگا کر سامان کے بلند ڈھیر پر چڑھ گیا۔ اس نے عتیبہ کے چہرے کو سونگھا اور اسے چیر پھاڑ کر دیا۔ پھر اس کا سر کھول دیا۔ عتیبہ کے باپ ابولہب کا برا حال تھا اور وہ کہہ رہا تھا:

''میں جانتا تھا کہ میرا بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بد دعا سے کبھی نہیں بچ سکتا۔''

﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 248-251﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 263﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 597﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 5 عربی صفحہ 211﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 211 تا 213﴾ ﴿حیاۃ الحیوان الکبریٰ، جلد 1، باب الالف، عنوان الاسد، عربی صفحہ 4، طبع دار الفکر بیروت لبنان﴾

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتیبہ بن ابولہب کے لیے بد دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس (ابولہب کے بیٹے عتبہ) پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما۔'' اس دعا میں لفظ ''کلب'' ہے، جس کا معنی ہے: ''کتا'' لیکن عتیبہ ابن ابولہب کو تو شیر نے چیر پھاڑ کیا نہ کہ کتے نے۔ معلوم ہوا کہ اس واقعہ کا وقوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کی وجہ سے نہیں ہوا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کلب'' فرمایا نہ کہ ''اسد'' بحر حال یا تو یہ مانو یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے نہیں ہوا یا پھر یہ مانو کہ حدیث شریف میں 'کلب' نہیں بلکہ ''اسد'' ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلب اور عتبہ کو اسد نے کھایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسد کو کلب اس لیے فرمایا کہ اسد بھی کلب کی طرح ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے۔ حضرت علامہ ابوموسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین الدمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔

(الحیات الحیوان، جلد 1، باب الالف، فصل فی بیان الاسد، عربی صفحہ 4 ناشر دار الفکر بیروت لبنان)

11: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جعفر بن عبداللہ بن ابی الحکم سے سنا کہ ابوعامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مدینہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آیا اور اس نے پوچھا:

''جو دین تم لے کر آئے ہو کیا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین لے کر آیا ہوں جو شرک سے پاک اور حنفیت پر مبنی ہے۔''

اس نے کہا:

''میں بھی اسی دین پر ہوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں تم اس دین پر نہیں ہو۔''

ابو عامر نے کہا:

''میں یقیناً اسی دین پر ہوں۔ مگر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم نے دین حنیف میں اپنی طرف سے نئی چیزیں داخل کر دی ہیں جو حقیقت میں اس دین میں نہ تھیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے تو اس دین میں کوئی ملاوٹ نہیں کی بلکہ اسے اصلی صورت اور پاک صاف حالت میں پیش کیا ہے۔''

ابو عامر نے کہا:

''ہم میں سے جو جھوٹا ہے اسے اللہ تعالیٰ بے یار و مدد گار چھوڑ دے اور غربت و تنہائی میں اس پر موت مسلط فرمائے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بالکل ٹھیک ہے۔ جھوٹے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ فرمائے۔''

ابو عامر کچھ عرصہ بعد مدینہ سے مکہ چلا گیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ طائف کی طرف بھاگ گیا۔ طائف بھی فتح ہو گیا تو اس دشمنِ خدا نے شام کی راہ لی اور وہاں وہ بے یار و مدد گار غربت و تنگ دستی میں ہی مر گیا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 585﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 388﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 360﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 67﴾

12: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بنو عامر کا وفد آیا تو اس میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے۔ اربد حضرت لبید بن ربیہ شاعر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اخیافی بھائی تھا۔ اس وفد میں تیسرا اہم شخص جبار بن سلمٰی تھا اور یہ تینوں اپنے اپنے قبیلے کے سردار اور پرلے درجے کے شیاطین تھے۔ دشمنِ خدا عامر بن طفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور وہ پہلے ہی سے عذر کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا تھا کہ چونکہ سارے قبائلِ عرب نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے تم بھی اسلام قبول کر لو۔

اس نے جواب دیا:

”خدا کی قسم! میں نے عہد کر رکھا تھا کہ اس وقت تک چین نہیں لوں گا جب تک سارے عربوں کو اپنا تابع فرمان نہ بنا لوں۔ اب کیا میں اس قریشی جوان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لوں۔؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

پھر اس نے اربد سے کہا:

”جب ہم اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچیں تو میں اسے باتوں میں لگاؤں گا تم تاک لگا کر بیٹھنا اور جونہی موقع ملے اسی وقت اس کا کام تمام کر دینا۔“

یہ لوگ مدینہ پہنچے تو عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں تمہارے ساتھ علیحدگی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا میرے ساتھ باہر چلیے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خدا کی قسم! نہیں۔ میں تمہارے ساتھ علیحدگی میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا جب تک کہ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان نہ لے آؤ۔“

عامر بار بار اپنا مطالبہ دہراتا رہا اور منتظر رہا کہ اس بحث کے دوران اربد منصوبے کے

مطابق کام کر گزرے مگر اربد ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کا مطالبہ رد فرما دیا تو اس نے فخر کے ساتھ کہا:

''خدا کی قسم! میں اس علاقے کو سواروں اور پیادہ فوج سے بھر دوں گا کہ تمہیں ختم کر ڈالیں۔''

یہ دھمکی دیکر وہ چلا گیا، اس کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! عامر بن طفیل کے مقابلے میں میرے لیے تو کافی ہو جا۔ (عامر بن طفیل کے مقابلے میں میری مدد فرما)''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے کے بعد عامر نے اربد سے کہا:

''اے اربد! تیرا ستیاناس ہو۔ میں نے تمہیں جو حکم دیا تھا تو نے اس کا کیا کیا۔؟ میں نے کئی مرتبہ تجھے موقعہ دیا مگر تو ٹس سے مس نہ ہوا۔ خدا کی قسم! روئے زمین پر میں اپنی جان کے بارے میں تجھ سے زیادہ کبھی کسی سے نہ ڈراتھا۔ خدا کی قسم! آج تمہاری بزدلی دیکھ لی ہے۔ اب میں تجھ سے کوئی خوف نہ کھاؤں گا۔''

یہ سن کر اربد نے کہا:

''تیرا باپ مرے۔ اس معاملے میں جلد بازی نہ کر۔ خدا کی قسم! میں نے تیرے حکم کی تعمیل کرنے کا ارادہ کیا مگر میرے اور اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان تم حائل ہو جاتے تھے۔ مجھے وہ نظر نہیں آرہا تھا محض تم ہی نظر آرہے تھے۔ میں اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مجھے تیرے سوا کچھ بھی بجھائی نہیں دیا۔ کیا میں تیرے اوپر تلوار چلا دیتا۔؟''

یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو کوستے ہوئے واپس جارہے تھے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو طاعون کی بیماری میں مبتلا کر دیا۔ وہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں اس عذاب سے مر گیا۔

ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھی اسے دفن کر کے روانہ ہوئے

اور اپنی قوم میں سردیوں کے دنوں میں پہنچے۔ قوم کے لوگوں نے پوچھا:

”اے اربد! کیا خبر لائے ہو۔؟“

اربد نے کہا:

”خدا کی قسم! کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں کسی غیر مرئی چیز (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ میری خواہش ہے کہ اگر اِس وقت وہ میرے سامنے آئے تو میں اسے تیر کا نشانہ بنا کر قتل کر دوں۔“

ان ہرزہ سرائی کی باتوں کے ایک یا دو دن بعد اربد اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اسے بیچنے کی غرض سے گھر سے چلا، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بجلی بھیجی جس نے اربد اور اس کے اونٹ کو ہلاک کر دیا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 567﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 57﴾ ﴿طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 51﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 506﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 264﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 84﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 218 تا 220﴾

12: ولید بن کثیر ابو بدرس سے اور وہ حضرات اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب سورۃ:

”تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ o مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ o
سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ o وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ o فِیْ
جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ o“

﴿القرآن المجید، پارہ 30، سورۃ نمبر 11 (اللهب)﴾

”تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا o اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا o اب دھنستا ہے لپیٹ مارتی آگ میں وہ o اور اسکی بیوی لکڑیوں کا گھٹا سر پر اٹھاتی o اسکے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا o“

نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل بنتِ حرب بہت پریشان ہوئی۔ وہ غصے کی

حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھا اور وہ یہ شعر گاتی آ رہی تھی:

مذمما انینا
و دینه قلینا
وماره عصینا

”جس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مزمت کی جاتی ہے ہم نے اس کا انکار کر دیا ہے۔ ہم اس کے دین کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہم اس کے حکم کو ٹھکراتے ہیں۔“

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس (ابولہب کی بیوی) دشمنِ خدا کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بد بخت آ رہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ اٹھائے گی اور گستاخی کرے گی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! فکر نہ کرو وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔“

یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی تلاوت شروع فرما دی جس میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

”وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا٥“

﴿القرآن المجید، پارہ 15، سورۃ نمبر 17 (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 45﴾

”اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم نے قرآن پڑھا، ہم نے تمہارے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا۔٥“

امِ جمیل (ابولہب کی بیوی) بڑھتی ہوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور پوچھنے لگی:

> ''اے ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تمہارا ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے۔؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

> ''اس گھر (بیت اللہ) کے مالک (اللہ تعالیٰ) کی قسم! میرے ساتھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیری ہجو بالکل نہیں کی۔'' (بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔)''

یہ سن کر وہ پلٹی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے دکھائی ہی نہ دیئے اور وہ یہ کہتے ہوئے گھر کو لوٹی:

> ''قریش اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔''

﴾تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 34﴿ ﴾تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 564﴿ ﴾البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 271﴿

13: ابن اسحاق نے یزید بن زیاد سے انہوں نے محمد بن کعب القرظی سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب قریش کے منتخب لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو ابوجہل بن ہشام نے جو کہ محاصرین میں شامل تھا، اپنے ساتھیوں سے کہا:

> ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال ہے کہ اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے اور پھر یہ بھی کہ مجھ پر ایمان لاؤ گے تو موت کے بعد دوبارہ زندگی میں تمہیں اردن کے بہترین باغوں کی طرح کے باغات مل جائیں گے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو اس (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں مارے جاؤ گے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی میں تمہیں آگ میں بھی ڈالا جائے گا جس میں جلتے رہو گے۔''

یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ہو رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکمِ خداوندی کے مطابق اپنے گھر سے نکلے مٹھی بھر خاک ہاتھ میں لی اور ان کفار

(جو محاصرہ کیے ہوئے تھے) کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

> ”ہاں! میں یہ سب کچھ کہتا ہوں۔ یہ بھی کہتا ہوں کہ تو (ابو جہل) انہی لوگوں میں سے ہے کہ آگ جن کا مقدر بن چکی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک ان کے سروں میں ڈال دی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یٰسین کی تلاوت فرما رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان آیات کو تلاوت فرما کر فارغ ہوئے تو اتنی دیر میں سارے کافروں کے سر اور چہرے خاک آلود ہو چکے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہجرت کے ارادے سے چلے۔

رات کے کسی حصے میں کافروں کے پاس ان کا کوئی ساتھی آیا جو کسی وجہ سے ان کے ساتھ محاصرہ میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے پوچھا!

”تم لوگ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو۔؟“

انہوں نے کہا:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا۔“

وہ بولا:

> ”خدا نے تمہیں ناکام کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تمہارے درمیان سے نکل کر بخیریت جا چکا ہے اور جاتے وقت تم سب کے سروں میں مٹی بھی ڈال گیا ہے۔ جس کے انتظار میں تم کھڑے ہو وہ جا چکا ہے۔ اب یہاں کیا کر رہے ہو۔؟“

راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر جب ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے خاک آلود پایا۔ اس کے بعد کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر دیواروں سے جھانکنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی چادر تان کر سو رہے تھے۔ کفار یہ دیکھ کر کہنے لگے۔ خدا کی قسم! محمد (صلی

اللہ علیہ وسلم) تو اپنے گھر میں سویا پڑا ہے اور اس کے اوپر چادر بھی ہے۔

وہ صبح تک یہی سمجھتے رہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم محوِ استراحت ہیں۔ لیکن صبح جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر سے اٹھے اور چادر اتاری تو کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا:

”خدا کی قسم! خبر دینے والے کی خبر درست تھی۔ وہ سچا تھا اور اس نے سچی خبر دی تھی۔“

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 483﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 303﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 19﴾ ﴿المسند، جلد 4، عربی صفحہ 269﴾

14: ابن اسحاق نے زہری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن مالک بن جعشم نے سراقہ بن مالک بن جعشم سے سنا وہ بیان کیا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو قریش نے اعلان کر دیا کہ جو محمد بن عبداللہ کو پکڑ کر ان کے پاس لے آئے اسے سو 100 اونٹ انعام دیا جائے گا۔ میں (سراقہ) اپنی قوم کے چوپال میں بیٹھا تھا اور یہی موضوع زیرِ بحث تھا۔ عین اس وقت قبیلے کا ایک فرد دروازے پر آ کر رکا اور اس نے کہا:

”خدا کی قسم! میں نے تین آدمیوں کا ایک قافلہ دیکھا ہے۔ وہ ابھی ابھی میرے پاس سے گزرے تھے۔ میرا پختہ خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تھے۔“

میں نے اس شخص کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے۔ پھر میں نے لوگوں کو بتاتے ہوئے کہا:

”وہ تو فلاں قبیلے کے لوگ تھے اور گم گشتہ اونٹ تلاش کر رہے تھے۔“

خبر دینے والے نے کہا:

”ممکن ہے ایسا ہی ہو۔“

پھر وہ خاموش ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر تو مجلس میں بیٹھا رہا اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہی پھر میں اٹھ کر گھر چلا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ میرا گھوڑا تیار کیا جائے اور میرے

ہتھیار نکالے جائیں۔ چنانچہ گھوڑا تیار کر کے وادی کے بطن میں پہنچا دیا گیا اور میں گھر کے پچھلے دروازے سے اسلحے سمیت نکل کر گھوڑے تک جا پہنچا۔ اب میں نے تیروں سے فال نکالی۔ فال میری مرضی کے خلاف نکلی۔ جو تیر فال میں نکلا اس پر لکھا ہوا تھا:

''اسے (تین آدمیوں کے قافلے کو) مت نقصان پہنچاؤ۔''

مگر میں تو سو اونٹوں کے لالچ سے اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے فال کو نظر انداز کر دیا اور چل پڑا۔ قافلے کا کھوج مجھے مل گیا اور میں ان کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ اسی دوران اچانک گھوڑا بدکا اور پھسل گیا۔ میں اس کی پشت سے نیچے گر گیا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے سوچا:

''یہ کیا ہوا ہے۔؟''

پھر میں نے اپنے تیر نکالے اور پھر فال معلوم کی۔ اب کی بار بھی وہی تیر نکلا جو پہلے دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس مرتبہ بھی فال کو نظر انداز کر دیا اور فیصلہ کیا کہ تعاقب جاری رکھا جائے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ پھر میرے گھوڑے کی وہی حالت ہوئی اور میں زمین پر گر گیا۔ بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا:

''یہ ہو کیا رہا ہے۔؟''

اب تیسری مرتبہ میں نے فال نکالی اور حیران ہوا کہ جواب پھر وہی نکلا جو پہلی اور دوسری مرتبہ نکلا تھا یعنی ''اس قافلے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔'' میں اب بھی اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور قافلے کے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ لوگ مجھے نظر آنے لگے۔ اب تو میرا گھوڑا پھسلنے کی بجائے ایک اور مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ ہوا یہ کہ اس کی اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور میں زمین پر آ گرا۔ بڑی مشکل سے گھوڑے نے زمین سے پاؤں نکالے اور پاؤں نکلتے ہی زمین سے ایک دھواں بگولے کی طرح برآمد ہوا۔ اب میں سمجھ گیا کہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کی گئی ہے۔ وہ غالب ہیں مغلوب نہیں ہو سکتے۔

اب میں نے انہیں آواز دی اور کہا:

''میں سراقہ بن جعشم ہوں ذرا ٹھہرو۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کی

قسم! میں نہ تو تمہیں دھوکہ دوں گا اور نہ ہی میری طرف سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے گا۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"اے صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسے پوچھو کہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو میں نے بتایا:

"مجھے ایک تحریر لکھ دو۔ جو میرے اور آپ کے درمیان نشانی اور سند رہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اسے لکھ دو۔"

سراقہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہڈی پر لکھ دیا، ہڈی میری جانب پھینک دی، میں نے وہ اٹھالی اور اپنی ترکش میں رکھ لی۔ (ایک روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اے سراقہ! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے سونے کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنا دیئے جائیں گے۔" اس وقت تو حضرت سراقہ کو اس بات پر تعجب ہوا مگر یہ غیبی خبر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں پوری ہوئی کہ روم کے خلیفہ نے سونے کے کنگن حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں ڈالے۔)

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ میں وہ تحریر لے کر واپس لوٹا تو اس واقعہ کا کسی سے کوئی ذکر نہ کیا یہاں تک کہ مکہ فتح ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی فتح سے فارغ ہو کر حنین و طائف کے معرکے بھی سر کر چکے اور میں تحریر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا مکہ اور طائف کے درمیان جعرانہ کے چشمے پر میں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ جب انصار کے گھوڑ سوار دستے نے مجھے دیکھا تو نیزوں سے مجھے ڈرانے لگے اور پوچھا!

”تو کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے۔؟“

میں خدا خدا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی دیکھی۔ خدا کی قسم! وہ ایسی سرخ وسپید تھی جیسے کہ آگ کا انگارہ۔

میں نے تحریر ہاتھ میں لے کر اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرے ہاتھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی تحریر ہے۔ میں سراقہ بن جعشم ہوں۔“

میری یہ صدا سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”آج نیکی اور وفا کا دن ہے۔ اسے قریب آنے دو۔“

پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال پوچھوں۔ میں نے سوال پوچھے، جن میں سے یہ مجھے یاد ہے کہ میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اپنا حوض اپنے اونٹوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے بھر دوں پھر کوئی آوارہ اونٹ آ کر وہاں سے پانی پی لے تو اس سے مجھے کوئی اجر ملے گا۔؟“

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!:

”ہاں ہر جاندار کو کھلانے پلانے میں اجر ہے۔“

حضرت سراقہ فرماتے ہیں:

”پھر میں واپس اپنی قوم میں آ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ بھیجتا رہا۔“

﴾طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الثانی، عربی صفحہ 81﴿ ﴾سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 489﴿ ﴾صحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 245﴿ ﴾صحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 76﴿ ﴾البدایہ والنھایہ، جلد 3، عربی صفحہ 185﴿ ﴾البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 194﴿ ﴾الصحیح المسلم، جز 13، عربی صفحہ 180﴿ ﴾اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 264﴿ ﴾حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 199 تا 202﴿

15: ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جنگِ احد میں ہزیمت کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ خبر قیامت سے کم نہ تھی۔ ابن شہاب الزہری کے بیان کے مطابق جس شخص نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور پہچانا وہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کا پورا سر اور چہرہ لوہے کی ٹوپی میں چھپا ہوا تھا اور آنکھیں اپنی چمک اور آب وتاب سے درخشاں تھیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور بلند آواز سے کہا:

> ”اے مسلمانو! خوشخبری سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور سلامت ہیں۔“

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ فرمایا کہ خاموش رہو۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ان کی جان میں جان آگئی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لپکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی پر چڑھنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت حارث بن صمہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر پہنچے تو دشمنِ اسلام ابی بن خلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھا اور کہنے لگا:

> ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج اگر تو بچ گیا تو مجھے ہرگز نجات نہ مل سکے گی۔“

یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

> ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کوئی اس دشمنِ خدا سے نپٹ لے۔؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں! اسے چھوڑ دو! ذرا آگے تو آئے۔''

ابی ابن خلف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ان کا ہتھیار لیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار سنبھالا تو اس میں ارتعاش سا پیدا ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنِ اسلام کی جانب بڑھے اور اس کی گردن پر وار کیا۔ ابی بن خلف کئی مرتبہ اپنے گھوڑے سے لڑکھڑایا، مگر بھاگ نکلا، اس کی گردن پر معمولی سا زخم آیا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہی ابی بن خلف مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دیتا اور کہتا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس ایک بہترین گھوڑا ہے۔ میں نے اسے اچھی طرح سے پال رکھا ہے۔ ہر روز اسے دانا کھلاتا ہوں۔ اسی پر سوار ہو کر میں تجھے قتل کروں گا۔''

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''تو مجھے کیا قتل کرے گا۔؟ اللہ نے چاہا تو میں تجھے قتل کروں گا۔''

جب احد سے یہی ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ نکلا تو وہ قریش کی فوج میں جا ملا۔ وہ خوشی خوشی مکہ جا رہے تھے۔ ابی بن خلف کی گردن میں معمولی سا زخم تھا جسے خراش کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اس زخم سے تھوڑا سا خون بہا، اس نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا:

''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے قتل کر ڈالا ہے۔''

اس کی باتیں سن کر اس کے ساتھیوں نے کہا:

''خدا کی قسم! تم تو پاگل معلوم ہوتے ہو۔ بخدا! تجھے نہ کوئی زخم لگا ہے اور نہ ہی تیری جان کو کسی قسم کا خطرہ ہے۔''

ابی بن خلف نے کہا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے مکہ میں کہا کرتا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ خدا کی قسم! وہ اگر مجھ پر تھوک بھی ڈالتا تو مجھے ہلاک کر دیتا۔''

یہ لوگ مکہ کی جانب جا رہے تھے کہ یہ دشمن خدا راستہ میں ہی واصل جہنم ہو گیا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 82﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 251﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 296﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 23-25﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 272﴾

16 ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا قلعہ فتح کر لیا اور اطمینان سے وہاں قیام فرمایا تو اس دوران سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت الحارث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہدیہ بھیجا۔ یہ ہدیہ ایک بھنی ہوئی بکری کے گوشت کی صورت میں تھا۔ اس عورت نے ہدیہ بھیجنے سے قبل پوچھتے ہوئے کہا:

''اے محمد! آپ کو بکری کے کونسے حصے کا گوشت زیادہ پسند ہے۔؟''

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''دستی کا گوشت مجھے زیادہ پسند ہے۔''

اس عورت نے بکری کے گوشت کو زہر آلود کر دیا، دستی کو خصوصاً بہت زیادہ زہر آلود کیا اور پھر یہ بھونی ہوئی بکری لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئی اور آپ کے حضور پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی کا گوشت لیا مگر اسے کھایا نہیں۔ آپکے پاس آپ کے صحابی حضرت بشیر بن براء بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور کھا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ منہ میں توڑا لا مگر نگلا نہیں اور اُگل دیا پھر فرمایا:

''بکری کی ہڈی نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔''

وہ عورت تو بکری رکھ کر چلی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے حاضر کیا گیا۔ وہ آئی تو پوچھنے پر اس نے جرم کا اعتراف کر لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

''تو نے یہ مجرمانہ حرکت کیوں کی۔؟''

اس نے جواب دیا:

''آپ نے جو میری قوم کے ساتھ معاملہ کیا ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں

> ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ محض دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ ہیں تو زہر آلود گوشت کھا کر مر جائیں گے اور میں راحت پاؤں گی اور آتشِ انتقام ٹھنڈی ہو گی اور اگر آپ واقعی اللہ کے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو زہر کی خبردار کر دے گا۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے اس اعتراف کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا۔ مگر دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر فرمایا مگر بعد اس زہر آلود گوشت کھانے کی وجہ سے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی قانون کے مطابق اس عورت پر قصاص کی حد جاری فرمائی اور وہ قتل کی گئی۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 3، القسم الثانی، عربی صفحہ 112﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 700-677﴾ ﴿الاصابہ، جلد 6، عربی صفحہ 271-187-121﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 338﴾ ﴿طبقات ابن سعد، جلد 2، عربی صفحہ 7 - 87﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الاول، عربی صفحہ 167﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 211﴾ ﴿صحیح البخاری، جز 7، عربی صفحہ 180﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 10، عربی صفحہ 11﴾ ﴿سنن البیہقی۔ جلد 8، عربی صفحہ 46﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 183﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 154﴾ ﴿المسند، جلد 4، عربی صفحہ 279﴾

17: ابن اسحاق نے یزید بن رومان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ بنو عامر کے دو افراد جو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے ان کے خون بہا کا مطالبہ طے کرنا مقصود تھا۔ بنو عامر بنو نضیر کے حلیف تھے۔ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں کہا:

> "اے ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ تشریف رکھیں۔ ہم اس معاملے میں آپ کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے۔"

اس کے بعد یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بلند دیوار کے سائے میں

بیٹھا دیا اور آپس میں ایک سازش تیار کی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

> ’’ایسا سنہری موقعہ تو کبھی نہ ملے گا۔ کوئی شخص مکان کی چھت پر چڑھ جائے اور محمد کے سر پر بھاری پتھر پھینک دے تاکہ ہم اس سے نجات پالیں۔‘‘

سب نے اس رائے کو پسند کیا اور عمر بن حجاش بن کعب یہودی نے کہا:

> ’’میں یہ کام کروں گا۔‘‘

سازش کے مطابق وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بھاری پتھر گرانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے ساتھ دیوار کے سائے میں تشریف فرمایا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے خبر ملی کہ یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش تیار کی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دیوار کے سائے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیم اجمعین کچھ دیر وہیں بیٹھے رہے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک واپس نہ آئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔

اچانک مدینے کی طرف سے آتا ہوا ایک شخص نظر آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے ہیں۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی واپس مدینہ چلے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہودیوں کی سازش اور بدعہدی کی اطلاع دی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور بنونضیر کی جانب اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 41﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم

الثانی، عربی صفحہ 190﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 365﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 75﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 331﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 117 تا 119﴾

18: ولید بن مسلم سے عبداللہ بن مبارک نے، ان سے ابوبکر الہذلی نے، ان سے ابن عباس کے غلام عکرمہ نے اور ان سے شیبہ بن عثمان نے روایت بیان کی ہے۔ شیبہ کہتے تھے کہ میں نے یوم حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تنہا ہیں۔ مجھے اپنا باپ اور چچا یاد آئے۔ انہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ آج انتقام کا موقع مل گیا ہے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا۔ جوں ہی میں قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ میں نے دل میں کہا:

> "یہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زرہ پہن رکھی تھی جو چاندی کی طرح سفید تھی اور اس پر گرد و غبار نظر آ رہا تھا۔"

پھر میں نے بائیں جانب سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو پایا۔ میں نے سوچا:

> "یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بڑی بے جگری سے دفاع کریں گے۔"

میں پیچھے واپس چلا گیا اور سوچا:

> "پشت سے حملہ کروں۔"

جب پشت کی جانب سے حملہ کرنے کے لیے آیا تو بس تلوار چلانے کی کسر تھی۔ میں نے تلوار کا ارادہ کیا تو اچانک میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آگ کے شعلے حائل ہو گئے۔ یہ شعلے اتنے سخت اور تیز تھے کہ انہوں نے بجلی کی طرح میری آنکھوں کو چکا چوند کر دیا۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں یہ تیز روشنی میری بینائی ہی نہ لے جائے، اس ڈر

سے میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور الٹے پاؤں پیچھے بھاگا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف التفات کیا اور فرمایا:

"اے شیبہ! اے شیبہ! میرے قریب آؤ۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! شیبہ سے شیطان کو دور فرما دے۔"

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنکھ اٹھائی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی آنکھوں، کانوں اور جان سے زیادہ عزیز ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یاشیبہ قاتل الکفار"

"اے شیبہ! کفار سے قتال کرو۔"

﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 345﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 7﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 442﴾ ﴿طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 108﴾

19: واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنوثعلبہ اور بنومحارب کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ یہ مدینہ پر چاروں جانب سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔ انہیں ایک سردار حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) نے اکٹھا کیا ہے۔ اس بدوی سردار کا لقب غورث بھی بیان کیا جاتا ہے۔

اس منصوبے کی خبر پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر چار سو پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت مدینہ منورہ سے نکلی۔ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھوڑ سواروں کی بھی معقول تعداد تھی۔ پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام راستے پر چلے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف شاہراہ چھوڑ کر ایک تنگ گھاٹی کا راستہ اختیار فرمایا۔ اس گھاٹی میں سے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذی القصہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں صحابہ کرام رضوان

اللہ علیہم اجمعین نے ایک شخص کو پکڑا۔ یہ بنو ثعلبہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا نام جبار تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سے پوچھا:

"تم کہاں جا رہے ہو۔؟"

اس نے جواباً کہا:

"یثرب (مدینہ منورہ) جا رہا ہوں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پھر اس سے پوچھا:

"یثرب میں تیرا کیا کام ہے۔؟"

اس نے کہا:

"میں وہاں جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے دریافت کیا:

"تم نے لشکر کو دیکھا ہے یا تمہاری قوم کی کوئی تازہ ترین خبر ہے۔؟"

اس نے کہا:

"مجھے کوئی خاص معلومات تو نہیں مگر اتنا ضرور پتا ہے کہ دعثور بن حارث بن محارب نے کچھ لوگوں کو تیار کر رکھا ہے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جسے سن کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ہی بھاگ جائیں گے۔ وہ پہاڑوں میں جا چھپیں گے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے راز بتاؤں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نو مسلم صحابی کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دیا اور انہیں ساتھ لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا راستہ بتایا کہ پہاڑوں سے نکل کر ایک ٹیلے کے دامن

میں دعثور بن حارث بن محارب کے ساتھیوں کے اوپر جا پہنچے۔ اعرابیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع سنی تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور آس پاس کے پہاڑوں میں جا چھپے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں پہنچے تو ان میں سے کوئی بھی وہاں نہیں تھا۔ وہ تو پہاڑوں کی بلندیوں سے چھپ کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے مگر مسلمان انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی امر کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں موسلا دھا بارش ہوئی۔ بارش کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے خیموں سے دور گئے ہوئے تھے۔ بارش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھیگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ ذی امر میں ایک اوٹ دیکھ کر اس جگہ اپنے کپڑے اتارے اور سوکھنے کے لیے درخت پر ڈال دیئے۔ اس وقت تک دھوپ نکل آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تہبند باندھی ہوئی تھی۔ باقی کپڑے اتار دیئے تھے۔ کپڑے سوکھنے کے انتظار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تنہا تھے اور بدوی فوج پہاڑ کی بلندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہی تھی۔

بدری لوگوں نے اپنے سردار اور سب سے زیادہ طاقت ور دعثور بن حارث بن محارب نامی آدمی سے کہا:

> ''اے دعثور! اب سنہری موقع ہے محمد اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہے اور سویا ہوا بھی ہے۔ یہاں سے اگر وہ اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارے گا بھی تو کوئی اس کی آواز نہ سن سکے گا۔ تم جاؤ اور اس کا کام تمام کردو۔''

حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہت سی تلواروں میں سے ایک تیز ترین اور چمکدار تلوار نکالی، دبے پاؤں پہاڑی سے اترے، آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کھڑے ہو گئے اور تلوار لہراتے ہوئے کہا:

''اے محمد! اب بتاؤ میری تلوار سے آج تجھے کون بچا سکتا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور بڑے اطمینان سے فرمایا:

''اللہ''

راوی کہتے ہیں کہ اسی لمحے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں دوہتھڑ امارا اور ان کی تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی۔ جب کہ وہ خود بھی زمین پر گر پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلوار اٹھالی اور ان کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''اب تم بتاؤ کہ آج تمھاری جان کون بچا سکتا ہے۔؟''

حضرت دعثور بن حارث بن محارب نے جواب دیا:

''کوئی نہیں۔''

اور پھر اس کے فوراً بعد کلمہ شہادت پڑھا اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! آج کے بعد میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کروں گا اور نہ ہی لشکر کشی کا ارادہ کروں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلوار انہی کے حوالے کر دی تو وہ واپس چلنے کے لیے مڑ گئے مگر پھر پلٹے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بہت بہتر اور بہت اعلیٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک کتنا اچھا اور کتنا اعلیٰ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے ایسا ہی ہونا چاہئے اور یہی میری شایانِ شان ہے۔''

حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ عنہ ان کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے حضرت دعثور سے پوچھا:

''تمہیں کیا ہو گیا تھا۔؟''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

> ”خدا کی قسم! عجیب معاملہ ہوا۔ میں تلوار اٹھا کر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ میرے اور ان کے درمیان ایک لمبا تڑنگا اور گورا چٹا شخص اچانک حائل ہو گیا اور اس نے میرے سینے پر دو ہتھڑ رسید کیے۔ میں اپنی پیٹھ کے بل زمین پر جا گرا اور تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فرشتہ تھا جس نے مجھے مار گرایا۔ چنانچہ میں نے بلاتوقف شہادت دی کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ خدا کی قسم! میں اب کبھی ان کے خلاف فوج کشی نہیں کروں گا۔“

اس کے بعد حضرت دعثور بن حارث بن محارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 44-24﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 205﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 195﴾ ﴿صحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 147﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 84﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 131﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 464﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 186﴾ ﴿صحیح المسلم، جز 6، عربی صفحہ 129﴾ ﴿صحیح المسلم، جز 15، عربی صفحہ 45﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 3، عربی صفحہ 295﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 6، عربی صفحہ 322﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 67﴾

20: زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرے کے لیے مدینہ سے نکلے اور رابغ اور مکہ کے درمیان عسفان کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بن سفیان الکعبی ملا۔ اس نے عرض کیا:

> ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا علم ہو گیا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے چیتوں کی کھال کا لباس پہن رکھا ہے یعنی عداوت میں بہت پختہ ہیں اور وادی ذی طویٰ میں پہنچ چکے ہیں وہ آپس میں عہد و پیمان کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے گھوڑ سوار دستوں کی کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حضرت خالد بن ولید کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کے حوالے کی ہے اور وہ ان سے قبل کراع الغمیم میں پہنچ چکا ہے۔"

یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"افسوس! قریش پر۔ جنگوں نے انہیں پہلے ہی مار ڈالا ہے اور یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ اگر یہ عقل سے کام لیتے تو میری مخالفت کی بجائے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیتے۔ اگر عرب کے باقی قبائل اور سرداروں سے مجھے مقابلہ کرنے دیتے تو وہ قبائل مجھے شہید کر دیتے اور قریش کی دلی مراد پوری ہو جاتی یا پھر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر فتح عطا فرما دیتا تو یہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اگر اسلام میں داخل نہ ہونا چاہتے تو لڑائی لڑ کر میرا مقابلہ کرتے۔ اس صورت میں ان کی قوت زیادہ ہوتی۔ اب قریش کا کیا گمان ہے؟ خدا کی قسم! میں اس دین حق کے لیے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یہ دین غالب آ جائے۔ یا پھر اس راہ میں مجھے شہید کر دیا جائے۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"کون شخص ہمیں ایسے راستے کا پتہ دے گا جو اس راستے سے ہٹ کر ہو جس پر قریش آ رہے ہیں۔؟"

یہ سن کر بنو اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔"

پس اس شخص نے گھاٹیوں کے درمیان سے ایک سخت اوپتھریلے، غیر ہموار راستے کا پتہ بتایا۔ لوگ اس راستے پر چلے، مسلمانوں کو سخت مشقت اٹھانی پڑی اور بالآخر مسلمان ایک ہموار زمین پر آ پہنچے اور وادی سے باہر نکل آئے۔"

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

"توبہ اور استغفار کی کثرت کرو۔"

لوگ استغفار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیشک بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے "حِطَّةٌ" کا جو حکم دیا تھا، وہ دراصل استغفار ہی کا حکم تھا مگر اس قوم نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

"تم دائیں جانب کے راستہ المرار کی چوٹی پر سے ہوتے ہوئے مکہ کے عین نیچے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ جاؤ۔"

مسلمان اس راستے سے جب حدیبیہ پہنچے اور قریش کے لشکر نے گرد و غبار اڑتا دیکھا تو سمجھ گئے کہ مسلمانوں نے اپنی راہ بدل لی ہے، لہٰذا وہ مکہ کی جانب واپس لوٹے۔

ثنیۃ المرار کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا!

"اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی ہے۔"

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ تھک کر نہیں بیٹھی بلکہ اسے اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے مکہ میں ہاتھیوں کا داخلہ روک دیا تھا۔ قریش آج بھی مجھ سے معقول مطالبہ کریں گے اور صلہ رحمی کا واسطہ دیں گے تو میں ان کا مطالبہ قبول کر لوں گا۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اسی مقام پر ڈیرہ ڈال دیں۔

لوگوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں تو پانی نہیں ہے۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اور اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک کو دیا۔ اس صحابی کا نام حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس متروک (جس سے پانی لینا چھوڑ دیا گیا) کنویں میں اترو اور اس کے درمیان میں یہ تیر گاڑ دو۔''

چنانچہ حضرت ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اترے اور تیر حسب ارشاد گاڑ دیا۔ تیر گاڑتے ہی اس پرانے، خشک، اور متروک کنویں میں سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر) پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور پانی کی کوئی کمی نہ رہی۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الثانی، عربی صفحہ 45﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 182-185-15﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 165-174﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 309﴾ ﴿المغازی، للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 587﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 186﴾ ﴿المسند، جلد 4، عربی صفحہ 70-356﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 234﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 95﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 218﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 3، عربی صفحہ 23﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 511﴾ ﴿المسند، جلد 5، عربی صفحہ 308﴾

21: امام بخاری نے مسدد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید نے عوف سے اور انہوں نے ابو رجاء سے اور انہوں نے عمران سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ رات کا آخری وقت ہو گیا۔ ہم پر نیند غالب آ گئی۔ ایسی حالت میں مسافر کے لیے نیند سے زیادہ میٹھی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پس ہم سو گئے اور ہماری آنکھ اس وقت تک نہ کھلی جب تک سورج کی گرمی نے ہمیں جگا نہ دیا۔

- سب سے پہلے فلاں اور فلاں اٹھے۔ چوتھے نمبر پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک لیٹے ہوئے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی جگانے کی جسارت نہیں کرتا تھا کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دکھاتا تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہوئے اور صورت حال دیکھی کہ سوتے

میں نماز کا وقت نکل گیا ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے تکبیر کہنا شروع کی اور مسلسل تکبیر کو دہراتے گئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدا ہوئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدا ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس صورت حال پر پریشانی کا اظہار کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی فکر نہیں رختِ سفر باندھو۔"

پس لوگ سفر پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ وضو کے بعد اذان کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص الگ بیٹھا ہے۔ نماز میں شامل نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

"اے فلاں! تجھے کس چیز نے نماز پڑھنے سے روکا۔؟"

اس نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنبی ہوں (مجھ پر غسل واجب ہے) اور غسل کے لیے پانی نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مٹی سے تیمم کر لو یہ تمہاری طہارت کے لیے کافی ہے۔"

اس کے بعد پھر لوگ چل پڑے اور کچھ دور جا کر لوگوں نے پیاس کی شکایت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے۔ حضرت علی اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور فرمایا:

"جاؤ پانی کی تلاش کرو۔"

چنانچہ وہ دونوں گئے اور کچھ فاصلے پر انہوں نے ایک عورت کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھی۔ اس نے اونٹ پر دو بڑی بڑی مشکیں پانی کی بھری ہوئی لاد رکھی تھیں۔ ان دونوں صحابہ نے اس عورت سے پوچھا:

''پانی کہاں ہے۔؟''

اس نے جواب دیا:

'میں کل اس وقت پانی کے چشمے سے چلی تھی (یعنی پانی کا چشمہ ایک دن کی مسافت پر ہے)''

صحابہ نے کہا:

''پھر ہمارے ساتھ آؤ۔''

وہ کہنے لگی:

''کہاں۔؟''

صحابہ نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔''

وہ کہنے لگی:

''وہی شخص جسے صابی کہا جاتا ہے۔؟''

صحابہ نے جواب دیا:

''ہاں! تو ٹھیک سمجھ گئی۔ پس ہمارے ساتھ چل۔''

پھر وہ دونوں صحابی اس عورت کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس عورت کے ساتھ ہونے والی گفتگو بیان کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس عورت کو اونٹ سے نیچے اتارو۔''

اسے نیچے اتارنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا، دونوں مشکیزوں کا منہ کھول کر ان میں سے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈالا اور ان مشکیزوں کا منہ بند کر دیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان فرمایا:

''لوگو! جس نے پانی پینا ہو آ کر پی لے اور جس نے برتن میں لینا ہو وہ برتن

میں لے لے۔"

پس جس نے چاہا پی لیا اور جس نے چاہا برتن میں لے لیا۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن بھر کر اس شخص کو دیا جس نے جنابت کی شکایت کی تھی اور اسے فرمایا

"جا اور اس پانی سے غسل کر لے۔"

عمران مزید بیان کرتے ہیں کہ وہ خاتون کھڑی حیرت سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ خدا کی قسم! وہ یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے سے پانی کو اتنی جماعت میں تقسیم کر دیا، سب نے برتن بھی بھر لیے اور سیر ہو کر پی بھی لیا ایسی مبہوت ہوئی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس (پانی والی) عورت کے لیے کچھ کھجوریں، آٹا اور ستو جو تمہارے پاس ہے جمع کر دو۔"

صحابہ نے کھانے پینے کا سامان جمع کیا، اسے ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو اونٹ پر سوار کیا اور گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا:

"تو جانتی ہے کہ ہم نے تمہارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی مگر اللہ نے ہمیں پانی پلایا ہے۔"

جب وہ عورت اپنے اہل و عیال میں پہنچی تو انہوں نے پوچھا:

"تو نے اتنی دیر کہاں کر دی؟"

اس پر اس عورت نے جواب دیا:

"عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے۔"

پھر اس نے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا:

"خدا کی قسم! یا تو زمین و آسمان میں اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑا جادوگر کوئی نہیں یا پھر وہ واقعی اللہ کا سچا رسول ہے۔"

مسلمان جب اس علاقے میں مشرکین پر حملے کرتے تھے تو اس بستی کو جہاں وہ عورت رہتی تھی چھوڑ جاتے تھے۔ ایک دن اس نے اپنے قبیلے والوں سے کہا:

"یہ لوگ (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) تمہارے گرد حملے کرتے ہیں مگر تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ جاتے ہیں۔ بس بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ۔"

ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اسلام قبول کرلیا۔

﴿الصحیح البخاری، جز 1، عربی صفحہ 89﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 232﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 5، عربی صفحہ 190﴾ ﴿المغازی، للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 104﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 98﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 1، عربی صفحہ 32-218﴾

22: امام بخاری نے موسیٰ بن اسماعیل، عبدالعزیز بن مسلم، حصین، سالم بن ابی الجعد کے حوالے سے حضرت جابر بن عبداللہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کا پیاس سے براحال ہوگیا۔ کسی کے پاس پانی نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل تھی۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"کیا بات ہے۔؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ نہ وضو کے لیے اور نہ پینے کے لیے۔ یہی پانی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل میں رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے۔ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور وضو بھی کیا۔

سالم راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

"اس وقت پینے والوں کی تعداد کتنی تھی۔؟"

اس کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی ہوتا۔“

بہر حال اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو کے قریب تھی۔“

﴿الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 234﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 156﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 7، عربی صفحہ 148﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 5، عربی صفحہ 188﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 12، عربی صفحہ 175﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 15، عربی صفحہ 35﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 185﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 170﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 4﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 1، عربی صفحہ 34﴾ ﴿السنن النسائی، جز 1، عربی صفحہ 61﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 52﴾

23: امام بخاری سے ابو عمر نے، ان سے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے اور ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سخت قحط پڑا۔ ایک جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ شروع فرمایا تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال، مویشی ہلاک ہو گئے اور اہل و عیال بھوک سے بدحال ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بارش کی دعا فرمایئے۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا مانگنے سے پہلے آسمان پر دور دور تک کہیں بادل کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا، مگر جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آسمان پر بڑے بڑے بادل چھا گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر سے نیچے تشریف نہیں لائے تھے کہ میں نے دیکھا بارش برسنے لگی اور پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے قطروں کی صورت میں گرنے لگا۔ اس روز بھی بارش ہوئی اور اس کے بعد بھی اگلے کئی دنوں تک مسلسل بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ اگلا جمعہ آ گیا۔

اس جمعہ کو بھی وہی دیہاتی یا شاید کوئی دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گھر مکان گر گئے اور مال مویشی غرق ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دعا فرمائیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا مانگی:

"اللھم حوالینا ولا علینا"

"اے اللہ! بارش ہمارے آس پاس برسا۔ ہم پر نہ برسا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادلوں کی طرف جس جانب بھی اشارہ کیا وہ روڑے چلے گئے۔ مدینہ تالاب بن گیا تھا اور وادی میں مہینہ بھر پانی بہتا رہا۔ کسی بھی جانب سے کوئی آتا تو موسلا دھار بارش کی خبر دیتا۔

﴿الصحیح البخاری، جز 2، عربی صفحہ 34-15﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 8، عربی صفحہ 30﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 6، عربی صفحہ 195-191﴾ ﴿السنن النسائی، جز 3، عربی صفحہ 161-155﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 88﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 280-92-88﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 3، عربی صفحہ 353-344-221﴾

24: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک جاتے ہوئے حجر کے علاقے سے گزرے تو وہاں قیام کیا اور لوگوں نے ایک کنویں سے پانی پی لیا، جب استراحت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس کنوئیں کے پانی سے نہ پیاس بجھانا اور نہ وضو کرنا۔ اگر تم نے اس پانی سے آٹا گوندھا ہے تو اس کی روٹی مت کھانا، بلکہ یہ آٹا اونٹوں کو کھلا دینا اور رات کو تم میں سے کوئی شخص بھی تنہا خیمے سے نہ نکلے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں نے عمل کیا مگر بنو ساعدہ کے دو آدمیوں نے خلاف ورزی کی۔ وہ تنہا اپنے خیموں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک تو قضائے حاجت کے لیے گیا اور دوسرا گم شدہ اونٹ کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ جو قضائے حاجت کے لیے گیا تھا راستے میں کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور جو اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اسے تیز ہوا نے اٹھا کر قبیلہ طے کے دو پہاڑوں پر جا پھینکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں نے تم لوگوں کو اکیلے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا تھا۔؟''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے دعا فرمائی جس کا گلا گھونٹا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی۔ دوسرا آدمی لاپتہ رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو بنو طے نے وہ شخص لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب علاقہ حجر میں صبح ہوئی تو لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی مشکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا:

> ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائے گا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دعا فرمائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! کیا تم چاہتے ہو کہ میں دعا مانگوں۔؟''

حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا:

> ''جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا فرمائی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً بادل بھیج دیئے جو لوگوں پر چھا گئے، پھر بارش برسنے لگی۔ لوگوں نے اپنی پیاس بھی بجھائی اور حسب ضرورت پانی بھی جمع کر لیا۔

ابن اسحاق عاصم بن عمر بن قتادہ سے، وہ محمود بن لبید سے اور وہ بنو عبد الاشہل کے کچھ لوگوں سے روایت بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے ان لوگوں کو جانتے تھے جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ محمود کہتے ہیں کہ مجھے اپنے بزرگوں نے بتایا کہ ایک منافق اپنے نفاق میں بڑا پکا تھا، مگر وہ ہر سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کی کوشش کرتا۔ جب حجر میں یہ بارش کا واقعہ پیش آیا تو لوگ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا:

”تجھ پر افسوس ہے! کیا اب اس معجزہ کو دیکھنے کے بعد بھی تجھے کوئی شک باقی ہے۔؟“

اس نے جواب دیا:

”یہ گزرتا ہوا بادل تھا اور یوں اکثر ہو ہی جاتا ہے۔“

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 522﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1006﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 11﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 396﴾ ﴿صحیح البخاری، جز 2، عربی صفحہ 147﴾ ﴿صحیح المسلم، جز 15، عربی صفحہ 42﴾

25: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر کے دوران وادیِ مشقق سے گزرے۔ وادی میں ایک جگہ پہاڑی سے پانی قطرات کی صورت میں ٹپکتا رہتا تھا۔ یہ پانی مقدار میں اتنا کم ہوتا تھا کہ اس سے بیک وقت دو یا تین آدمی پیاس بجا سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو بھی اس وادی میں پہلے پہنچے وہ اس جگہ سے ہمارے آنے تک ہرگز پانی نہ پیے۔“

چند منافقین اس پانی تک جا پہنچے اور انہوں نے پانی پی لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو دیکھ کر کہ پانی بالکل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

”کون یہاں ہم سے پہلے پہنچا تھا۔؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ فلاں فلاں پہلے پہنچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی اور فرمایا:

”کیا ہم نے منع نہیں کیا تھا کہ یہاں سے ہماری آمد تک پانی نہ پینا۔؟“

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اترے اور پانی کے چند قطرات کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا۔ چند قطرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ٹپکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہاتھ میں لے کر پانی کے منبع پر چھڑکا اور پھر اس پر دستِ مبارک سے مسح کیا اور کچھ دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے۔ پانی کا منبع جہاں سے قطرہ قطرہ پانی

ٹپکتا رہتا تھا ایک آواز کے ساتھ پھٹا جس سے بجلی جیسی آواز سنائی دی۔ پانی چشمے کی مانند پھوٹ پڑا۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور اپنی ضرورت کے مطابق برتنوں میں بھی بھر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشا فرمایا:

> اگر تم زندہ رہے یا تم میں سے جو بھی کچھ عرصہ دنیا میں موجود رہا تو وہ یقیناً دیکھے گا کہ یہ وادی سرسبز اور شاداب ہو جائے گی اور اپنے گرد و پیش کی تمام وادیوں سے زیادہ زرخیز اور آباد ہو گی۔

چنانچہ وہ وادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آج بھی بہت زیادہ ہری بھری ہے۔

﴿المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1012-1039﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 527﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 373﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 12-18﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 100﴾ ﴿الصحیح المسلم، ج5، عربی صفحہ 41﴾

26: واقدی نے یونس بن محمد بن یعقوب بن عمر بن قتادہ سے وہ محمود بن لبید سے روایت کرتے ہیں کہ بنو سعد بن ہذیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں تبوک کے مقام پر حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا:

> "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو اپنے ایک کنوئیں کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ اس کنوئیں میں پانی بہت ہی قلیل ہے اور یہ شدید گرمیوں کا موسم ہے، ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم پانی کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو ہم کسی مشکل میں مبتلا ہو جائیں گے، کیونکہ ہمارے گرد و نواح میں ابھی تک اسلام زیادہ نہیں پھیلا۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہمارے کنوئیں میں پانی کی کثرت ہو جائے۔ اگر ہمیں سیرابی مل جائے تو آس پاس کا کوئی قبیلہ ہمارے مقابلے پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہوں۔ مخالفینِ دین کا ہمارے مقابلے پر کوئی زور نہ چل سکے گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے کچھ کنکریاں لا کر دو۔"

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنکریاں لا کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا:

"یہ کنکریاں لے جاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ایک کنکری کنوئیں میں ڈالتے جانا۔"

وہ لوگ کنکریاں لے کر چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کنوئیں میں ڈال دیں۔ کنکریاں ڈالنے سے کنوئیں کا پانی جوش مارنے لگا۔ ان لوگوں نے اپنے آس پاس کے مشرکین کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ واپس پہنچے تو بنو سعد کے مسلمانوں کی کاوش سے پورا علاقہ اسلام سے روشناس ہو گیا اور اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 33﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 1034﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 84﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 101﴾

27: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں چاند پھٹ کر ٹکڑے ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ارشاد فرمایا:

"گواہ رہو کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔"

حضرت انس بن حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کوئی نشانی دکھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے انہیں یہ نشانی دکھائی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ رہنے کے دوران چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 74 - 77﴾ ﴿مسند امام احمد، جلد 5، عربی صفحہ 204﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3 عربی صفحہ 118﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 412﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 261﴾ ﴿صحیح البخاری، جز 4، صفحہ 251﴾ ﴿صحیح البخاری، جز 5، صفحہ 62﴾ ﴿صحیح المسلم، جز 17، صفحہ 145﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 636 تا 639﴾

ایک دن قریش مثلاً ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود، نظر بن حارث وغیرہ اکٹھے ہو کر شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور (یہ منصوبہ بنا کر آئے کہ لوگ محمد کو رسول کہتے ہیں اور ہم جادوگر۔ یہ بات مسلم ہے کہ آسمان پر جادو نہیں چلتا، لہٰذا کوئی ایسی نشانی طلب کریں جس سے پتہ چل سکے کہ یہ جادوگر ہے رسول نہیں۔) انہوں نے سوچ کر یہ مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں تو ہم مان جائیں گے کہ آپ جادوگر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

جب انہوں نے یہ مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"اگر چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو تم ایمان لے آؤ گے۔؟"

وہ بولے:

"بے شک ہم ایمان لے آئیں گے۔"

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور بعد ازاں جب چاند کی طرف انگلی سے اشارہ فرمایا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

یہ دیکھ کر ایک یہودی ایمان لے آیا، مگر جن کے دلوں میں زنگ تھا وہ بولے:

"یہ ابن ابی کبشہ (جاہل لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لقب سے بلایا کرتے تھے) نے جادو کیا ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اشھدو اشھدوا"

"گواہی دو۔ گواہی دو (کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے)"

مگر ان کافروں نے نہ مانا بلکہ مطالبہ کیا کہ آپ چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے ایک کردیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشارہ فرمایا تو چاند پھر سے دو ٹکڑے ہوگیا۔ اس کے بعد پھر کفار مکہ نے باہم مشورہ کرکے کہا:

> ”جو لوگ باہر سفر میں گئے ہوئے ہیں وہ جب واپس آئیں گے تو ان سے پوچھا جائے۔“

چنانچہ جب آنے والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے تصدیق کی کہ ہاں ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

﴿جامع المعجزات فی سیر خیر البریات علیہ ازکی التحیات، صفحہ 185﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، جلد 1، اردو صفحہ 636﴾ ﴿مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، اردو صفحہ 430﴾ ﴿کتاب الشفاء، الباب الرابع، جلد 1، اردو صفحہ 444﴾ ﴿سرور کونین اکی نورانیت و بشریت، حصہ اول، صفحہ 286﴾ ﴿محبۃ النبی وطاعتہ بین الانسان والجماد، عربی صفحہ 45﴾ ﴿مشکوۃ شریف، باب المعجزات﴾ ﴿مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 11، عربی صفحہ 124﴾ ﴿الخصائص الکبری، جلد 1، اردو صفحہ 296﴾ ﴿الخصائص الکبری، جلد 1، اردو صفحہ 296﴾ ﴿مسند امام احمد، جلد 5، عربی صفحہ 204﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3 عربی صفحہ 118﴾ ﴿البدایہ و النہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 74-77﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 412﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 4، عربی صفحہ 261﴾ ﴿رحمۃ للعالمین، جلد 3 صفحہ 158﴾ ﴿تذکرۃ الانبیاء، صفحہ 920﴾ ﴿روح البیان، جلد 9، صفحہ 264﴾ ﴿نظم المتناثر، عربی صفحہ 135﴾ ﴿البدایہ، جلد 6، عربی صفحہ 77﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، عربی صفحہ 396﴾ ﴿اصح البخاری، جز 4، صفحہ 251﴾ ﴿اصح البخاری، جز 5، صفحہ 62﴾ ﴿اصح المسلم، جز 17، صفحہ 145﴾ ﴿شاہکار ربوبیت، صفحہ 327﴾ ﴿محبت واطاعت نبوی، صفحہ 91﴾ ﴿البرہان، صفحہ 415﴾ ﴿ذکر جمیل، صفحہ 264، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور﴾

28: ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافی معروف و مشہور نام ہے۔ تاریخ میں ان کا بہت تذکرہ ہے۔ اس خاتون کا اصلی نام عاتکہ بنت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ بیان

کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ کے ہمراہ سفرِ ہجرت کے دوران امِ معبد کے گھر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گوشت اور کھجور خریدنی چاہی مگر اس کے پاس یہ سامان تجارت کے لیے نہ تھا۔ اس کا قبیلہ قحط سالی اور بھوک کا شکار ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری بندھی دیکھی تو پوچھا:

''امِ معبد! یہ بکری یہاں کیوں باندھ رکھی ہے۔؟''

انہوں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کمزور اور بیمار ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکتی اسی لیے اس کو یہاں باندھ رکھا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا یہ دودھ دیتی ہے۔؟''

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''یہ بےچاری کیا دودھ دے گی یہ تو اپنی جان سے بھی عاری ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں۔؟''

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دوہ لیجیے۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کمزور بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی تو خدا کی قدرت سے اس کے خشک تھنوں میں دودھ اتر آیا اور وہ دودھ سے خوب پھول گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا برتن طلب فرمایا۔ یہ برتن اتنا بڑا تھا کہ اگر بھر جاتا تو تمام حاضرین کے لیے کافی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو لے کر اس میں دودھ دوہنا شروع فرمایا تو برتن پوری طرح بھر گیا اور اس کے اوپر سفید جھاگ آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ سب سے پہلے امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کو پلایا۔ جب ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جی بھر کر پی لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پلایا۔ جب انہوں نے بھی سیر ہو کر پی لیا تو سب سے آخر میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا۔

برتن خالی ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ بکری دوہی تو پھر برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ سے بھرا ہوا برتن ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کیا، اس سے اسلام کی بیعت لی اور پھر وہاں سے منزل کی جانب سفر فرمایا۔

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب مسلمان ہو چکی تھیں۔ کچھ دیر بعد ابو معبد جنگل سے بکریوں کو ہانکتا ہوا واپس لوٹا۔ بکریاں قحط کی وجہ سے خالی پیٹ اور لاغر تھیں۔ ابو معبد نے دودھ دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا:

> ''ام معبد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر میں تو بیمار اور خشک تھنوں والی بکری تھی؟ اور اس کے علاوہ کوئی دودھ دینے والا جانور بھی نہیں۔؟''

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

> ''خدا کی قسم! یہ معاملہ بڑا عجیب ہے۔ ایک بابرکت رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا یہاں سے گزر ہوا جس کا حلیہ یوں یوں اور اوصاف یوں تھے۔''

ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور اوصاف بیان کیے۔ ابو معبد نے سن کر کہا:

> ''خدا کی قسم! یہ تو صاحب قریش ہیں۔ جن کے بارے میں ہم نے سن رکھا تھا کہ وہ مکہ میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ ان کی صحبت اختیار کروں گا۔ مجھے موقع ملا تو ضرور ان کی خدمت میں حاضری دوں گا۔''

﴿حاشیہ علیٰ سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 487، حاشیہ نمبر 3﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 487﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1876﴾ ﴿البدایہ والنھایہ، جلد 3 عربی صفحہ 190﴾ ﴿البدایہ والنھایہ، جلد 6، عربی صفحہ 102-29﴾ ﴿الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 474﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی

صفحہ 377﴾

29: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عکاشہ بن محصن بن حرثان الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے معرکے میں بڑی بہادری سے لڑے۔ لڑتے لڑتے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور تلوار طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کی ایک چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھڑی حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی اور فرمایا:

"اے عکاشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جا اس کے ساتھ دشمن سے لڑ۔"

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کھجور کی لکڑی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ سے پکڑی اور اسے جھٹکا دیا تو وہ ایک لمبی تلوار بن گئی۔ جس کی دھار تیز، چمک دار اور مضبوط تھی۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوم بدر کی لڑائی میں یہ تلوار خوب چلائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہم کنار فرما دیا۔

اس تلوار کا نام "العون" تھا۔ یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مدت تک رہی اور آپ اس کے جوہر میدان جنگ میں دکھاتے رہے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ہر جنگ میں حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری وصال فرمانے کے بعد بھی مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ اسی تلوار کے ساتھ طلیحہ بن خویلد کے مقابلے میں لڑتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 637﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 1080﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 290﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 3﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 692﴾

30: واقدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسامہ بن زید سے، انہوں نے داود بن الحصین کی زبانی عبد الاشہل کے کئی لوگوں کی یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی اور ان کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی اسلحہ بھی

نہ تھا۔ چنانچہ تلوار کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ بالکل نہتے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تازہ اور باریک سی چھڑی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا:

”اے سلمہ بن اسلم! اس سے دشمنوں کا مقابلہ کرو۔“

چنانچہ حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھڑی ہاتھ میں لی تو وہ نئی تلوار کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ تلوار تاحیات حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسرِ ابوعبید کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اس وقت یہی تلوار ان کے استعمال میں تھی۔

﴿المغازی، للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 39﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 291﴾

31: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار میدانِ جنگ میں ٹوٹ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی۔ انہوں نے جب اسے پکڑا تو وہ بہترین تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا دستہ کھجور ہی کا تھا اور اس تلوار کو ”عرجون“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ”عرجون“ کا معنی ہے: ”کھجور کے گچھے کی جڑ۔“

﴿الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 87﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 42﴾
﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 278﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 692﴾

32: واقدی نے ابن قتادہ کے حوالے سے جنگِ احد کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں براہِ راست حصہ لیا اور نیزے سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے علاوہ آپ کی کمان کی لکڑی اور تانت بھی ٹوٹ گئی۔

تانت کی رسی ہاتھ بھر رہ گئی، اسے اور کمان کی لکڑی کو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑ لیا۔ وہ لکڑی کی کمان بنا کر اس میں وہ تانت ڈالنے لگے مگر وہ بہت چھوٹی تھی اور کناروں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے کھینچو! یہ پہنچ جائے گی۔''

حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے اس رسی کو کھینچا تو وہ کھینچی چلی گئی اور لکڑی کو موڑا تو وہ ملائم ہوگئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمان لی اور اس سے تیر اندازی کرتے رہے۔ تیر اندازی میں اس دن ابو طلحہ نے بڑا کمال دکھایا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو ڈھال بنا کر کھڑا کر دیا اور ساتھ ساتھ تیر بھی چلاتے جاتے تھے۔ آخر میں ان کی بھی کمان ٹوٹ گئی اور وہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھالی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ احد میں اپنا ترکش حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا اور بلند آواز سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان آپ کی حفاظت کے لیے ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تیر پکڑاتے جاتے اور فرماتے جاتے:

''ابو طلحہ! چلاؤ۔''

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی اچھی تیر اندازی کی اور خوب نشانے پر تیر مارے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سے کبھی کبھار اٹھ کر دیکھتے کہ ہر تیر نشانے پر لگ رہا ہے تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل عرض کیے جا رہے تھے:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا اگلا آپ کے گلے کے لیے ڈھال ہے اور میری جان آپ کے لیے قربان ہے۔ اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جانے کی سعادت عطا فرمائے۔''

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتنی آواز بلند اور پرہیبت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابو طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی للکار اور نعرۂ جہاد چالیس آدمیوں سے زیادہ

کارگر ہے۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترکش میں پچاس تیر تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس کے پچاس تیر چلا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لکڑی پکڑ کر انہیں دی اور فرمایا!

"یہ بھی دشمن پر پھینک دو۔"

انہوں نے وہ بھی دشمن پر پھینک دی تو وہ لکڑی تیر بن کر دشمن کو جا لگی۔

﴿المغازی، للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 242﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 27﴾

33: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جو سراسر عبرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک جگہ چٹان کا سخت پتھر آ گیا جو ٹوٹتا نہ تھا۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کسی برتن میں پانی ڈال کر لاؤ۔"

جب پانی لایا گیا تو آپ نے اس پانی میں پھونک ماری۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اللہ سے دعا مانگتے رہے۔ دعا سے فارغ ہو کر آپ نے وہ پانی اس سخت پتھر پر ڈالا۔ حاضرین میں سے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے:

> "اس ذات کی قسم! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ (پانی پڑنے کے بعد) وہ پتھر دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی طرح نرم ہو گیا، کدال اور ہتھیار اس سے ٹکرا کر نہ اچھلتے اور نہ ہی لوٹتے۔"

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 217﴾ ﴿المغازی، للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 452﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 138﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی

صفحہ 97﴾

34: حافظ ابوبکر البیہقی نے روایوں کے طرق سے بنوسلیم کے ایک آدمی سے روایت کی ہے۔ یہ وہ آدمی تھا جسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرف ملاقات نصیب ہوا تھا۔ زبدہ میں وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک روز بیٹھا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر چھڑ گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے ربذہ بھیج دیا تھا اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایات بھی تھیں، اس لیے حاضرین نے سوچا کہ وہ اس کا اظہار کریں، مگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہیے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ایسا منظر دیکھا تھا جسے میں مرتے دم تک نہیں بھول سکتا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت دور میں اس جستجو میں رہا کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملاقات کیا کروں اور سوالات پوچھا کروں۔ میں نے ایک روز گرمیوں کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دوپہر کے وقت پوچھا تو خدام نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مقام پر تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے، مگر میں نے پھر بھی سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور مجھ سے پوچھا:

”تمہیں کون سی چیز کھینچ لائی ہے۔؟“

میں نے عرض کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی مجھے لے آئی ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ میں خاموشی سے بیٹھا رہا، نہ میں نے کوئی سوال پوچھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کچھ فرمایا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیز تیز چلتے ہوئے وہاں آپہنچے اور سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بعد ان سے بھی وہی سوال پوچھا جو مجھ سے پوچھا تھا کہ کس غرض سے آئے ہو۔؟

انہوں نے بھی میری طرح یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کھینچ لائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منڈیر پر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشا فرمایا کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ جائیں چنانچہ وہ میری طرف دائیں جانب بیٹھ گئے پھر تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے اور ان سے بھی وہی سوال وجواب ہوئے جو مجھ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کلمہ کہا جس کی مجھے سمجھ نہ آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تھوڑی ہی رہ جائیں گی یا تھوڑی ہی رہ گئی ہیں۔“

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں کچھ کنکریاں اٹھائیں۔ وہ سات تھیں یا نو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بند کر لی اور کنکریوں نے تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔ ہم سب نے ان سے اس طرح کی آواز سنی جس طرح شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز آتی ہے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب بیٹھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھوڑ کر وہ کنکریاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں۔ کنکریوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مٹھی میں بھی ویسی ہی تسبیح پڑھی جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پڑھی تھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ کنکریاں زمین پر پھینک دیں۔ وہ بالکل خاموش ہوگئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کنکریاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں تو ان کی مٹھی میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہم نے سنی۔ پھر ان سے کنکریاں لے

کر دوبارہ زمین پر پھینک دیں۔ وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیں تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی پہلے حضرات کی طرح تسبیح پڑھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کنکریاں لے کر زمین پر پھینک دیں اور پھر وہ خاموش ہو گئیں۔''

﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 132-204﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 42﴾

35: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اپنے آقا کے ساتھ آزادی کے لیے شرائط طے کر کے معاہدہ کر لو۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پس میں نے اپنے آقا سے بات کی اور طے پایا کہ میں اس کے باغ میں کھجور کے تین سو درخت لگاؤں اور چالیس اوقیہ سونا دے دوں تو اس کے بدلے وہ مجھے آزاد کر دے گا۔

آزادی کا معاہدہ لکھے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

''اپنے بھائی (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مدد کرو۔''

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے میری بھرپور مدد فرمائی۔ کسی نے کھجور کے تیس پودے دیئے تو کسی نے بیس۔ کسی نے پندرہ تو کسی نے دس۔ غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قدر و استطاعت کے مطابق میری مدد کی یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے جمع ہو گئے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکماً ارشاد فرمایا:

''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! باغ میں جا کر گڑھے کھودو۔ پودے میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) خود زمین میں اپنے دستِ مبارک سے لگاؤں گا۔''

میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے گڑھے کھودے، جب سارے گڑھے تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم پودے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھماتے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں گڑھوں میں لگاتے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام پودے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے گھڑھوں میں لگائے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جان ہے۔ ان پودوں میں سے کوئی ایک بھی سوکا، نہ مرجھایا، بلکہ سارے کے سارے پودے پلے بڑھے اور خوب پھل دیا۔ اب کھجوریں لگانے کی شرط پوری ہو گئی تھی مگر چالیس اوقیہ سونا دینا باقی تھا۔ وہ کہاں سے آئے گا؟ میں اسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک صحابی آئے اور مرغی کے انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی لائے۔ جب وہ سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں دریافت فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ سونا لے جاؤ اور اپنے آقا کو ادائیگی کر کے آزادی حاصل کر لو۔''

چنانچہ سونے کی چھوٹی سی ڈلی کو دیکھ کر میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے پورا ہو گا (یہ تو بہت تھوڑا ہے)؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے کی ڈلی پر اپنی زبانِ مبارک پھیری اور فرمایا:

''اسے لے جاؤ اور تول دینا یہ پورا ہو جائے گا۔''

پس میں وہ ڈالی لے کر اپنے آقا کے پاس گیا اور اسے سونا تول کر دیا تو یہ سونے کی چھوٹی سی ڈلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق پورے چالیس اوقیہ ہو گئی۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 56﴾ ﴿سیرت ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 220﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 1، عربی صفحہ 123﴾ ﴿السنن البیہقی، ج 10، عربی صفحہ 321﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 330﴾

36: حضرت امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک اندھیری رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے

اٹھ کر گئے۔ سخت رات اندھیرا تھا مگر ان کے آگے آگے دو مشعلیں روشنی پھیلا رہی تھیں۔ جب دونوں الگ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک مشعل رہ گئی جس کی روشنی میں وہ اپنے اپنے گھر تک پہنچ گئے۔

الاصابہ کے مصنف نے ان دو صحابی کے نام بیان کیے ہیں کہ ایک حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔"

ان دونوں صحابی بیان کرتے ہیں کہ اندھیری رات کے وقت ہم میں سے ہر ایک کا عصا روشن ہو گیا تھا اور جب ہم ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو دوسرے صحابی کا عصا بھی روشنی پھیلانے لگا۔"

ابو سلمہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تاریک رات میں عشاء کی نماز کے لیے نکلے۔ آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور سخت اندھیرا تھا۔ اچانک بجلی چمکی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجلی کی روشنی میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قتادہ۔؟"

انہوں نے جواب دیا:

"جی ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے سوچا کہ اس تاریک رات میں بہت لوگ عشاء میں حاضر ہوئے ہوں گے تو میں نے چاہا کہ ضرور مسجد میں پہنچ جاؤں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نماز کے بعد جانے لگو تو مجھ سے مل کر جانا۔"

چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھجور کی ایک باریک سی چھڑی عطا فرمائی اور فرمایا:

> ”لو اسے پکڑ لو۔ یہ اندھیرے میں دس قدم تمہارے آگے اور دس قدم تمہارے پیچھے روشنی کرے گی۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 3، القسم الثانی، عربی صفحہ 137﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الاول، عربی صفحہ 1276﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 1، عربی صفحہ 119﴾ ﴿اصح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 251﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 100﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 16﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 255﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 217﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 52﴾

37: واقدی نے عبداللہ بن ابی عبیدہ سے، انہوں نے سعد بن راشد سے، انہوں نے صالح بن یسان سے، انہوں نے ابو مرہ مولیٰ عقیل کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپسی پر ایک پہاڑی راستے سے گزر رہے تھے تو منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گھاٹی سے نیچے گرانے کی سازش کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی پر پہنچے تو سازشی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا چاہتے تھے، مگر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارادوں کی خبر دے دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گھاٹی کو عبور کرنے کی بجائے بطنِ وادی سے گزر جائیں کیونکہ وہ زیادہ آسان اور کشادہ راستہ ہے۔ لوگ تو اس راستے کی طرف مڑ گیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار گھاٹی کو عبور کرنے کے ارادے سے چل پڑے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر کو حکم دیا کہ وہ اونٹنی کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلیں اور حذیفہ بن یمان سے فرمایا کہ وہ اونٹنی کو پیچھے سے ہانکتے چلیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے درمیان پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پیچھے لوگ چلے آ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حذیفہ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو واپس لوٹا دیں۔

منافقین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان پیچھے پلٹے اور ان لوگوں کی سواریوں کے منہ پر لاٹھی مارنا شروع کر دی اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ ان لوگوں کو خیال گزرا کہ ان کی سازش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ گھاٹی سے تیزی کے ساتھ نیچے اترے تا کہ جلد از جلد عامۃ الناس میں گھل مل جائیں اور کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔

حضرت حذیفہ سازشیوں کو بھگانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور حسب سابق اونٹنی کو ہانکنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور لوگ بھی خیمہ زن ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان سے پوچھا:

> ”اے حذیفہ! جن لوگوں کو تو نے گھاٹی سے پیچھے لوٹایا تھا ان میں سے کسی کو پہچانتا ہے۔؟“

انہوں نے عرض کیا:

> ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے فلاں فلاں شخص کی سواری پہچان لی تھی مگر لوگوں نے منہ پر کپڑے باندھ رکھے تھے اور رات کی تاریکی میں میں انہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔“

اس سفر کے دوران تیز رفتاری کی وجہ سے بعض لوگوں کی سواریوں سے کچھ سامان گر پڑا۔ حضرت حمزہ بن عمر اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معجزہ کے طور پر) میری پانچوں انگلیاں روشن فرما دیں جن کی روشنی سے میں نے اپنی چیزیں اکٹھی کیں حتیٰ کہ کوڑے، رسی اور ان جیسی دیگر چیزوں کو بھی ہم نے دیکھا اور اٹھا لیا۔ ہمارے سامان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو گری ہو اور ہم نے اسے نہ پا لیا ہو۔

﴾المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1043﴿ ﴾البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 19﴿ ﴾البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 152-278﴿ ﴾تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 372﴿ ﴾الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 38﴿ ﴾حجۃ اللہ علی

العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 52 ﴾ ﴿ حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 120 ﴾

38: ابن اسحاق نے ثقہ راویوں سے بطریق ابن شہاب الزہری روایت کیا ہے کہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اونٹنی پر سوار خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ سیسے سے بت چپکائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کھجور کی چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کر کے اور قرآنِ مجید کی اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرماتے:

”جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا٥“

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بت کے چہرے کی جانب اشارہ فرماتے تھے وہ گدی کے بل گر جاتا تھا اور جس کی گدی کی جانب اشارہ فرماتے تھے وہ منہ کے بل زمین پر آ گرتا تھا۔ یوں سارے کے سارے بت گر پڑے اور ایک بھی باقی نہ رہا۔

﴿ سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 417 ﴾ ﴿ تفسیر ابن کثیر، جلد 3، عربی صفحہ 59 ﴾ ﴿ المغازی اللواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 832 ﴾ ﴿ البدایہ والنہایہ، جلد ۴، عربی صفحہ 302 ﴾ ﴿ البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 272 ﴾

39: ابن اسحاق نے اسحاق بن یسار کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ رکانہ بن عبدِ یزید بن ہاشم بن عبدِ المطلب بن عبدِ مناف قریش میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ وہ بڑا پہلوان اور کشتی کے داؤ پیچ جاننے والا تھا۔ ایک دن مکہ کی ایک ویران گھاٹی میں رکانہ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

”اے رکانہ! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا اور میں جس چیز کی دعوت دیتا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔؟“

رکانہ نے کہا:

”اگر مجھے یقین ہوتا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ضرور آپ کی اتباع کرتا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر میں کشتی میں تمہیں پچھاڑ دوں تو تمہارا کیا خیال ہے؟ پھر میری بات سچ مان لو گے یا نہیں۔؟“

اس نے کہا:

”بالکل مان لوں گا! آؤ! پنجہ آزمائی کر لیں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ٹھیک ہے آ جاؤ۔“

رکانہ اٹھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زور سے پکڑا اور قابو کر لیا، پھر اسے پٹخ دیا۔ اس نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے مگر سب بے سود گئے۔ ایک بار شکست کھانے کے بعد اس نے کہا:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! پھر ایک بار مقابلہ کریں۔؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھا پھر کوشش کر لو۔“

آپ نے دوبارہ اسے پچھاڑ دیا۔ رستمِ مکہ دو مرتبہ مات کھانے کے بعد حیران ہو کر کہنے لگا:

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے پچھاڑ دیا۔؟“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر تم چاہو تو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات تمہارے سامنے پیش کروں مگر شرط یہ ہے کہ تم اللہ سے ڈرو، ایمان لے آؤ اور میری پیروی کرو۔“

رکانہ نے کہا:

”اس سے زیادہ عجیب چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ جو آپ مجھے دکھانا چاہتے

ہیں۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ درخت جو تم دیکھ رہے ہو میں اسے بلاؤں گا تو وہ میری طرف آئے گا۔"

رکانہ نے کہا:

"اچھا بلاؤ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو بلایا اور وہ آپ کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ قریب آیا اور رک گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا:

"واپس چلا جا۔"

تو وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ روای بیان کرتے ہیں کہ رکانہ نے یہ معجزات دیکھے اور واپس اپنی قوم کے پاس گیا تو یوں کہنے لگا:

"اے بنی عبد مناف! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد سے ساری دنیا کے جادوگروں سے مقابلہ کرسکتے ہو۔ خدا کی قسم میں نے اس سے بڑا جادوگر کبھی نہیں دیکھا۔"

پھر اس نے اپنی آپ بیتی اور مشاہدہ سنایا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 390﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 103﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 521-502﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3 عربی صفحہ 618-486﴾ ﴿اسد الغابہ جلد 2 عربی صفحہ 188﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 710﴾

40: ابوبکر بن عیاش کی روایت ہے کہ عاصم ابن النجود نے زر بن حبیش سے اور انہوں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور یہ بکریوں کا ریوڑ عقبہ بن ابی معیطر کا تھا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"اے لڑکے! کیا تیرے پاس دودھ ہے۔؟"

میں نے عرض کیا:

”ہاں! دودھ تو ہے مگر وہ کسی کی امانت ہے اور میں دینے کا مجاز نہیں ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو کبھی حاملہ نہ ہوئی ہو اور نہ ہی دودھ والی۔؟“

میں نے عرض کیا کہ ہاں! ایسی بکری تو ہے۔ پھر میں نے وہ بکری پیش خدمت اقدس کردی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ مبارک پھیرا اور تھوڑی دیر تک اسے پسماتے رہے۔ اس بکری کے تھنوں میں دودھ آ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں دودھ دوہا، نوش فرمایا اور پھر اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پلایا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں سے فرمایا:

”خشک ہو جاؤ!“

چنانچہ اس بکری کے تھن خشک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں یہ حیران ہو گیا۔ پھر میں نے عرض کیا:

”یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو کلام (قرآن مجید) آپ پڑھتے ہیں اس میں سے مجھے بھی سکھایئے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

”یرحمك فانك علیم معلم“

”اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو پڑھا پڑھایا ہے۔“

﴿طبقات ابن سعد، جلد 3، القسم الاول، عربی صفحہ 106﴾ ﴿الاستعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 987﴾ ﴿الاستعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1301﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3 عربی صفحہ 32-195﴾ ﴿المسند، جلد 5، عربی صفحہ 310﴾ ﴿المسند، جلد 6 عربی صفحہ 190﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 361﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، صفحہ 256﴾ ﴿حیاۃ الحیوان الکبریٰ، جلد 1، باب الجیم، عنوان الجدع، عربی صفحہ 186، طبع دار الفکر بیروت لبنان﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی دعا کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقیہ اعظم بن گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ صحابہ میں سب سے زیادہ مسائل کو جاننے والے فقیہ ہیں۔

41: ابن اسحاق نے بیان کرتے ہیں کہ قریش کے سب قبائل نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کے خلاف دستاویز لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دی جس کے بعد سارے قریش نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا۔ اس زمانے میں یہ لوگ ایک گھاٹی میں چلے گئے جسے شعبِ ابی طالب (ابو طالب کی گھاٹی) کہا جاتا ہے۔

اس ناروا اور ظالمانہ معاہدے کے خلاف قریش ہی کے کچھ لوگوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ شعب ابی طالب طالب میں محصورین کے دورِ ابتلا میں ہشام بن عمرو (ان کی مدد کیا کرتا تھا) یہ نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کا بھتیجا تھا، کیونکہ اس کا والد عمرو بن ربیعہ اور نضلہ بن ہاشم ایک ہی ماں کے بیٹے تھے۔ یوں ہشام بن عمرو کی بنی ہاشم سے رشتہ داری تھی۔ یہ شخص اپنی قوم میں صاحبِ عزت تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی خوبیوں کے ساتھ مشرف فرمایا تھا۔ یہ رات کو قریش کے سرداوں سے چھپ کر کھانے پینے کا سامان اپنے اونٹ پر لادتا اور گھاٹی کے قریب جا کر اونٹ کی نکیل اتا کر اسے گاٹی کی جانب ہانک دیتا۔ کبھی غلہ اور کبھی دوسری ضرورت کی اشیا بنی ہاشم اور بنو المطلب (جو کہ شعب ابی طالب میں محصور تھے) تک پہنچاتا رہتا۔

ہشام بن عمرو ایک دن زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ کے پاس گیا۔ زہیر کی ماں عاتکہ بنتِ عبد المطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ چنانچہ ہشام نے زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ سے کہا:

"اے زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں، اچھا لباس پہنوں اور شادیاں رچاؤں۔ جب کہ تمہارے ننھیال پر قیامت بیت رہی ہے۔؟ تم اس سے بھی واقف ہو کہ انہیں ہر چیز سے محروم کر دیا گیا ہے۔ نہ تو وہ کچھ خرید سکتے ہیں، نہ ہی بیچ سکتے

ہیں، نہ ہی انہیں کوئی رشتہ دیتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی رشتہ لیتا ہے۔ میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے ننھیال کا ایسا ہی معاملہ ہوتا تو تم اسے معاہدے پر دستخط کرنے کی دعوت دیتے تو وہ ہرگز ہرگز تمہاری بات نہ مانتا۔"

یہ باتیں سن کر زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

"اے ہشام بن عمرو! خدا تیرا بھلا کرے میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو اکیلا آدمی ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میرا ساتھ دینے والا کوئی ہوتا تو میں اس معاہدے کی خلاف ورزی کے لیے اٹھ کھڑا جاتا۔"

ہشام بن عمرو نے کہا:

"ساتھ دینے والا تو موجود ہے۔"

زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

"وہ کون۔؟"

ہشام بن عمرو نے کہا:

"میں خود تمہارا ساتھ دوں گا!"

زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

"ہمیں کسی تیسرے شخص کو بھی ساتھ ملانا چاہیے۔"

چنانچہ ہشام بن عمرو مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اس سے کہا:

"اے مطعم! کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ عبد مناف کے دو خاندان ہلاک ہو جائیں اور تم ان کی ہلاکت کا تماشا دیکھتے رہ جاؤ؟ قریش کے اس ظلم پر خاموشی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن یہی ظلم تم پر بھی ہوگا۔"

مطعم بن عدی نے کہا:

"تیرا بھلا ہو۔ میں اکیلا شخص اس نازک معاملے میں کیا کر سکتا ہوں۔؟"

ہشام بن عمرو نے کہا:

"تم تنہا نہیں ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

مطعم بن عدی نے کہا:

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم کو کوئی تیسرا ساتھی بھی ساتھ ملا لینا چاہیے۔"

ہشام بن عمرو نے کہا:

"تیسرا ساتھی بھی موجود ہے اور وہ زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ ہے۔"

یہ سن کر مطعم بہت خوش ہوا اور کہنے لگا:

"کام بہت مشکل ہے، اس لیے ہمیں کوئی چوتھا آدمی بھی تلاش کرنا چاہیے۔"

چنانچہ ہشام بن عمر مطعم کو اپنا ساتھی بنانے کے بعد بختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو زہیر بن امیہ بن مغیرہ اور مطعم بن عدی سے کہہ چکا تھا۔ پھر اس کو یہ بھی بتایا کہ میں یہ بات زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ اور مطعم بن عدی سے بھی کہہ چکا ہوں اور ان کو میری تجویز سے اتفاق ہے۔

بختری نے ہشام بن عمرو کی تجویز کو سراہا اور کہا:

"ہمیں ایک پانچویں شخص کی ضرورت ہے۔ اسے تلاش کرنا چاہیے۔"

ہشام بن عمرو نے کہا:

"ٹھیک ہے۔"

چنانچہ وہ زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے بنو ہاشم کی قرابت داری کا ذکر کر کے حمایت طلب کی۔ زمعہ بن الاسود بن المطلب بن اسد نے کہا:

"کوئی اور بھی ہمارا ساتھ دے گا۔؟"

ہشام نے کہا:

"ہاں! زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ، مطعم بن عدی اور بختری ہمارے ساتھ ہیں۔"

چنانچہ یہ سب لوگ حسب وعدہ رات کے وقت مکہ کے بالائی حصے میں حجون کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس ظالمانہ معاہدے کو توڑ دینا چاہیے۔

زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے کہا:

"پہل میں کروں گا۔"

اگلی صبح وہ قریش کی مجلس میں آئے زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ نے اپنے اوپر بہترین حلہ

اوڑھ رکھا تھا، اس نے بیت اللہ کا ساتھ مرتبہ طواف کیا، پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا:

> ”اے مکہ والو! کیا ہم پیٹ بھر کر کھائیں، بہترین لباس پہنیں اور بنو ہاشم بھوکے مر جائیں؟ نہ ان کے ساتھ کوئی خرید و فروخت کرے اور نہ کوئی ان کی مدد کو آگے بڑھے۔ خدا کی قسم! یہ ظلم ہے۔ خدا کی قسم میں ظلم کے اس معاہدے کو پھاڑے بغیر چین نہ لوں گا۔“

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ اس معاہدے کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا جس کا ہاتھ شل ہو چکا تھا۔

ابن اسحاق مزید لکھتے ہیں کہ اہل علم نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے فرمایا:

”چچا جان! اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ظلم کے معاہدے کو ختم کر دیا ہے اور اللہ کے ناموں کے سوا اس معاہدے کے تمام الفاظ کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ ظلم، قطع رحمی اور بہتان کا خاتمہ ہو گیا۔“

ابو طالب نے پوچھا:

”کیا آپ کے رب نے آپ کو اس کی خبر دی ہے۔؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہاں۔!“

ابُوطالب نے کہا:

”اللہ کی قسم! تمہارے پاس کوئی نہیں آیا جو ایسی خبر لاتا اس لیے یقیناً تمہیں یہ خبر خدا ہی نے دی ہے۔“

اس کے بعد ابو طالب گھاٹی سے نکل کر قریش کے پاس آئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

”اے قریش کے لوگو! میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارا صحیفہ دیمک نے

چاٹ لیا ہے۔ ذرا مجھے بھی تو وہ دکھاؤ اگر وہ واقعی دیمک کی نذر ہو چکا ہے جیسا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو پھر تم اس قطع تعلق پر نظر ثانی کر کے اس ظلم سے ہاتھ کھینچ لو اور اگر میرے بھتیجے نے جھوٹ کہا ہے تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

قریش کے لوگوں نے کہا:

"یہ تو بہت اچھی بات ہے ہم اس پر متفق ہیں۔"

پھر انہوں نے خانہ کعبہ میں لٹکے ہوئے اس معاہدے کو دیکھا تو اسے بالکل اسی حالت میں پایا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ انہیں شرم آتی وہ الٹے اور بگڑ گئے اور شرارت پر آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پر وہ پانچوں افراد اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کر دیا کہ اس معاہدے کو وہ قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی پابندی کریں گے۔ اس طرح وہ صحیفہ قریش ختم ہو گیا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول۔ عربی صفحہ 374 - 377﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 7﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 297﴾ ﴿حیاۃ الحیوان الکبریٰ، جلد 1، باب الالف، عنوان الارضۃ، عربی صفحہ 19، طبع دار الفکر بیروت لبنان﴾

42: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج کے بارے میں امِ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پہنچی۔ امِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام ہندہ تھا۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (معراج والی) رات میرے گھر میں نیند فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء ادا فرمائی اور بستر پر لیٹ گئے۔ ہم (سب گھر والے) بھی سو گئے۔ نمازِ فجر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جگایا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے امِ ہانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! میں نے عشاء کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی، پھر رات کو بیت المقدس گیا، وہاں نماز پڑھی، پھر میں نے صبح کی نماز تمہارے ساتھ یہاں ادا کی جیسا کہ تم نے دیکھا۔"

اتنا فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جانے کے لیے اٹھے تو میں (ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا کنارا پکڑ لیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک ظاہر ہو گیا۔ وہ روئی کی طرح سفید تھا، اس کے بعد میں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو یہ بات نہ بتایئے گا کیونکہ وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیں گے۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں یہ واقعہ لوگوں کو ضرور بتاؤں گا۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے تو میں (ام ہانی) نے اپنی ایک حبشی کنیز کو حکم دیا کہ جا کر دیکھے اور سنے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے پاس گئے اور واقعہ بیان فرمایا تو لوگوں نے سن کر سخت حیرت کا اظہار کیا اور کہنے لگے:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بتاؤ کہ اس واقعہ کی دلیل اور ثبوت کیا ہے؟ ہم نے آج تک کبھی ایسی بات کسی کے منہ سے نہیں سنی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثبوت یہ ہے کہ فلاں قبیلے کے پاس سے میں گزرا، وہ فلاں وادی میں تھے براق کو دیکھ کر ان کے اونٹ منتشر ہو گئے، ایک اونٹ بدک کر بھاگنے لگا تو میں نے انہیں آواز دے کر بتایا کہ اونٹ کہاں ہے۔ میں شام کی جانب جا رہا تھا۔ چلتے چلتے جب ضخبان کے پہاڑ پر پہنچا تو فلاں قبیلے کے پاس سے گزر ہوا۔ اس قبیلے کے لوگ سوئے ہوئے تھے اور پانی کا برتن بھرا ہوا تھا۔ اس کا منہ انہوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے اس کا منہ کھول کر پانی پیا پھر اسے پہلے کی طرح ڈھانپ دیا۔ ثبوت پوچھتے ہو تو وہ یہ ہے کہ ان کا قافلہ تنعیم کی گھاٹی بیضاء سے نیچے اتر رہا ہے، قافلے کے آگے مٹیالے رنگ کا اونٹ ہے

جس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں ایک سیاہ رنگ کا ہے اور دوسرا سفید۔“

ام ہانی فرماتی ہیں کہ ”یہ سن کر لوگ تیزی سے اس گھاٹی کی طرف گئے۔ قریش نے ان قافلے والوں سے پانی کے برتن کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا:

”خدا کی قسم! اس نے سچ کہا۔ ہم نے پانی کا برتن بھر کر رکھا تھا پھر اس کا منہ بھی باندھ دیا۔ جب صبح اٹھے تو برتن کا منہ تو ویسا ہی بندھا ہوا تھا مگر اس میں پانی نہ تھا۔“

دوسرا قافلہ جب مکہ پہنچا تو لوگوں نے ان سے ان کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا:

”خدا کی قسم! اس نے سچ کہا ہے۔ اس وادی میں ہمارے اونٹ منتشر ہو گئے تھے اور ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا تھا۔ پھر ہم نے ایک شخص کی آواز سنی۔ اس نے ہم ہمیں بلایا اور کہا کہ اونٹ اِس طرف ہے۔ اس کی آواز کی سمت میں ہم گئے تو اپنا اونٹ پالیا۔“

ابن اسحاق حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے اس کو ناممکن قرار دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ ان کافروں کا کہنا تھا کہ ایک قافلے کو مکہ سے ملکِ شام پہنچنے کے لیے ایک مہینہ اور واپسی کے لیے بھی ایک مہینہ درکار ہوتا ہے۔ (ملکِ شام آنے جانے کے لیے دو ماہ سفر کرنا پڑتا ہے) بھلا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں کیسے یہاں سے وہاں گئے اور پھر واپس بھی آ گئے۔؟

اس واقعہ پر بہت سے کمزور ایمان لوگ فتنے کا شکار ہو کر مرتد ہو گئے۔ کئی لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

”اے ابوبکر صدیق! تم نے سنا ہے کہ تمہارا دوست کیا کہتا ہے؟ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ گزشتہ شب اس نے مکے سے بیت المقدس تک کا سفر کیا، وہاں نماز پڑھی اور وپس بھی آ گیا۔“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”تم لوگ بلاوجہ تہمت لگا رہے ہو۔“

لوگ کہنے لگے:

"اگر یقین نہیں آتا تو اٹھو چلو خود جا کر سن لو۔ تمہارا دوست مسجد میں بیٹھا خود یہ کہانی سنا رہا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے تو خدا کی قسم! یہ بات سچی ہے۔ تم لوگوں کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ خدا کی قسم! میں تو اس سے بھی بڑی بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ان کے پاس رات یا دن کی کسی گھڑی میں آسمان سے وحی آتی ہے تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ جس بات پر تم حیران ہو وحی کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے؟ مگر اسے مانتا ہوں۔ (پھر اس واقعہ معراج کا کیسے انکار کر سکتا ہوں؟)"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے لوگوں سے فرمایا ہے کہ آپ راتو رات بیت المقدس گئے اور واپس بھی آ گئے۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

"ہاں میں نے یہ کہا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے بیت المقدس کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صفت بیان فرما دیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کا نقشہ بیان فرمانا شروع کر دیا۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس کو پیش فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نقشہ دیکھ کر بیان فرما رہے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چیز کی منظر کشی کرتے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بالکل سچ فرمایا میں گواہی

دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا نقشہ بیان فرمادیا اور ہر چیز پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصدیق کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز انہیں صدیق کا خطاب عطا فرمایا۔

ابن اسحاق نے بعض مختلف طرق (مختلف روایات) سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں (ابوسعید خدری) نے رسول اللہ سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ جب میں بیت المقدس میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی میرے سامنے پیش کی گئی۔ ایسی خوب صورت چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ وہی سیڑھی ہے جسے تم نہیں دیکھ سکتے مگر جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے یہ نظر آنے لگتی ہے۔ میرے دوست حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے اس سیڑھی پر چڑھایا یہاں تک کہ میں آسمان کے دروازے پر جا پہنچا۔ یہ دروازہ باب الحفظہ کہلاتا ہے۔ اس کا نگران ایک فرشتہ ہے جس کا نام اسماعیل ہے، اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور پھر ان بارہ ہزار میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

اس موقعہ پر آپ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

"ومایعلم جنود ربك الاھو"

"تیرے رب کے لشکر کی تعداد کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

"جب ہم پہلے آسمان کے دروازے پر پہنچے تو فرشتے نے پوچھا حضرت (علیہ السلام) یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا:

"یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

اس نے پوچھا:

"کیا انہیں بلایا گیا ہے۔؟"

حضرت جبرائیل نے جواب دیا:

"ہاں۔!"

اس فرشتے نے مجھے دعا دی اور دروازہ کھول دیا۔

ابن اسحاق نے اہلِ علم سے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب آسمانوں پر گیا تو ہر فرشتہ جو مجھے ملا اس نے ہنستے مسکراتے میرا استقبال کیا اور ہر ایک نے مجھے دعائے خیر دی۔ ایک فرشتہ مجھے ایسا ملا جس نے میرے حق میں باقی فرشتوں کی طرح دعائے خیر تو کی مگر اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور بشاشت کا نام ونشان نہ تھا۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

"اے جبرائیل! یہ کون سا فرشتہ ہے۔؟"

حضرت جبرائیل نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ نہ کبھی اس سے قبل مسکرایا ہے اور نہ ہی اس کے بعد کبھی مسکرائے گا۔ اگر اسے مسکرانا ہوتا تو آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ضرور مسکراتا مگر اس کے لیے حکم یہی ہے کہ یہ کبھی نہ مسکرائے۔ یہ جہنم کا داروغہ ہے، جس کا نام حضرت مالک علیہ السلام ہے۔

رسول اللہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا:

"اے جبریل (علیہ السلام)! تم اللہ کے ہاں: "مُطَاعٌ ثَمَّ اَمِیْنٌ" (جس کا حکم مانا جائے اور جس کی امانت مسلم ہو۔) کا درجہ رکھتے ہو۔ کیا تم اس فرشتے کو حکم دے کر مجھے دوزخ کی جھلک دکھا سکتے ہو۔؟"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں نہیں۔"

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مالک علیہ السلام داروغہ جہنم کو حکم دیتے ہوئے کہا:

"اے حضرت مالک (علیہ السلام)! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوزخ دکھا دو۔"

یہ سن کر حضرت مالک علیہ السلام نے دوزخ سے پردہ اٹھادیا۔ وہ جوش میں آئی اوراس کے شعلے بلند سے بلندتر ہونے لگے۔ یوں محسوس ہوا کہ ہر چیز کو بھسم کرڈالے گی۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا:

’’اے جبریل! حضرت مالک علیہ السلام سے دوزخ کواس کی حدوں میں واپس جانے کی فرمائش کرو۔‘‘

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مالک علیہ السلام کوحکم دیاتو اس (حضرت مالک علیہ السلام) نے آگ کوحکم دیا کہ واپس اپنی حدوں میں چلی جائے۔ وہ یوں واپس لوٹی جیسے سایہ جاتا ہے، اس کے بعد حضرت مالک علیہ السلام نے اسے پردے سے ڈھانپ دیا۔

ابوسعید خدری واقعہ معراج کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مزید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں آسمان دنیا پر گیا تو وہاں میں نے ایک بزرگ کو بیٹھے دیکھا۔ لوگوں کی ارواح ان کے سامنے پیش کی جاتی تھیں، بعض ارواح کو دیکھ کر وہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے اور کہتے:

’’پاکیزہ روح، پاکیزہ جسم سے نکلی ہے۔ اس کے لیے خیر اور بھلائی ہے۔‘‘

بعض روحوں کو دیکھتے تو افسوس اور غم کا اظہار فرماتے اور ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آتے۔ پھر فرماتے:

’’ناپاک روح، ناپاک جسم سے نکلی ہے۔‘‘

میں نے جبرائیل سے استفسار کرتے ہوئے کہا:

’’اےجبریل! یہ کون بزرگ ہیں۔؟‘‘

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:

’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کی ساری اولاد کی ارواح ان کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ کافروں اور نافرمانوں کو دیکھ کر ناپسندیدگی اور افسوس کا اظہار فرماتے ہیں اور جب اہلِ ایمان اور نیکوکار ارواح کو دیکھتے ہیں تو خوش اور مسرور

ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر میں نے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح لٹکے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ایک لمبے دستے جتنے بڑے آگ کے پتھر تھے۔ وہ ان پتھروں کو منہ میں ڈالتے تو یہ پتھر ان کی پیٹھ (مقعد) کی جانب سے باہر نکل آتے۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں نے بہت بڑے پیٹوں والے لوگوں کو دیکھا۔ اتنے بڑے پیٹ کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ ان راستوں میں پڑے ہوئے تھے، جہاں سے فرعون اور اسکی قوم کو آگ میں لایا جاتا ہے۔ یہ فرعون کی قوم پیاسے اونٹوں کی طرح چلتی تھی اور ان بڑے پیٹ والوں کو روندتے اور کچلتے گزر جاتی تھی۔ یہ پاؤں کے نیچے پستے اور کچلے جاتے تھے مگر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے۔

میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

"اے جبریل (علیہ السلام) یہ کون لوگ ہیں۔؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا:

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ سود خور ہیں۔"

اس کے بعد میں نے کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے سامنے تازہ بھنا ہوا خوشبو دار گوشت پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی بدبودار اور متعفن گوشت بھی۔ مگر یہ پاکیزہ گوشت کو چھوڑ کر بدبودار گوشت کھا رہے تھے۔

میں نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ یہ اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر حرام کاری کا راستہ اختیار کرنے والے لوگ ہیں۔

پھر میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی چھاتیوں کے بل (پستانوں کے ساتھ) لٹکی ہوئی ہیں اور سخت تکلیف میں ہیں۔ میں نے پوچھا تو حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے مردوں کو فری کھاتے میں اولاد ڈال دی جو فی الواقعہ ان مردوں کی نہیں تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ قاسم ابن محمد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس عورت پر اللہ تعالیٰ کا بے پناہ غضب ہوتا ہے جو مرد کے خاندان میں اس بچے کو داخل کر دے جو اس کا نہیں ہے، پھر وہ (بچہ وراثت اور دوسرے اخراجات کی صورت میں) ان کا مال بھی کھاتا رہے اور ان کی پوشیدہ اور مستور باتوں (گھریلو معاملات) سے بھی باخبر ہو جائے۔"

ابن اسحاق معراج کے واقعہ کے تحت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے مزید تفصیل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے دونوں جوانوں عیسیٰ ابن مریم اور یحییٰ ابن زکریا (علیہم الصلوۃ والسلام) کو دیکھا جو آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔

پھر میں تیسرے آسمان پر گیا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو چودھویں کے چاند کی طرح تھا۔ میں نے پوچھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی حضرت یوسف بن یعقوب (علیہم الصلوۃ والسلام) ہیں۔ پھر میں چوتھے آسمان پر چڑھا ۔ وہاں بھی ایک آدمی کو دیکھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

"ورفعناہ مکانا علیا"

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے تو وہاں میں نے ایک سن رسیدہ بزرگ کو دیکھا۔ ان سے زیادہ خوبصورت بوڑھا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ہارون بن عمران (علیہ السلام) تھے۔ چھٹے آسمان پر میں نے ایک بلند قامت اونچی ناک والا شخص دیکھا میں نے اس کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) ہیں۔

اس کے بعد آخر میں ساتویں آسمان پر پہنچا، وہاں ایک بزرگ کرسی پر تشریف

فرماتے۔ ان کی کرسی بیت المعمور کے دروازے پر تھی۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر نکلتے ہیں اور جو ایک بار داخل ہو جاتا ہے پھر دوبارہ قیامت تک کبھی بھی اس کی باری نہیں آتی۔ روز نئے فرشتے آتے ہیں۔

بیت المعمور کے دروازے پر بیٹھے ہوئے بزرگ سے تمہارا نبی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر مشابہ ہے کہ کوئی دوسرا اس کا مثال نہیں بن سکتا۔ ان بزرگ کے بارے میں میں نے پوچھا تو حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے جنت میں لے گئے۔ وہاں میں نے ایک نہایت خوبصورت سرخ وسفید کنیز دیکھی۔ اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اس نے بتایا کہ وہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کنیز کی اور جنت کی بھی بشارت عطا فرمائی۔

تفصیلاً یہ واقعہ کتب احادیث میں مرقوم ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، عربی صفحہ 396 تا 407﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز2، عربی صفحہ 232-414﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد3، عربی صفحہ 2-24﴾ ﴿السنن النسائی، جز1، عربی صفحہ 218﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 1، اردو صفحہ 83﴾

43: حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ بدر کی جنگ میں فوج کفار کے ساتھ تھے اور لڑتے لڑتے مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

”اپنا فدیہ ادا کرو اور واپس چلے جاؤ۔“

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں جو فدیے کے طور پر دے سکوں۔“

یہ سن کر رسول اللہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے نوفل بھائی! تیرے پاس جدہ میں جو نیزے ہیں؟ ان کو فدیہ کے طور پر دے دے۔"

یہ سن کر حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران و پریشان ہو گئے اور زبان راز سے کہنے لگے۔

"اللہ کی قسم! میرے ان نیزوں کے بارے میں میرے اور میرے خدا کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صادق الایمان اور مخلص مومن تھے، آپ حنین کی جنگ میں ثابت قدم رہے۔ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کی جنگ کے لیے مکہ سے نکلے تو حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین ہزار نیزوں سے مدد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے یہ نیزے مشرکین کی کمر توڑ دیں گے اور ان کی پیٹھ میں پیوست ہو جائیں گے۔"

﴿حاشیہ علیٰ سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 3، حاشیہ نمبر 2﴾ ﴿طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 41﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1512﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 547﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 46﴾

44: یونس بن بکیر نے محمد بن اسحاق، یزید بن رومان، عروہ زہری اور روایوں کی ایک جماعت کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ جنگِ بدر میں قریش کے گرفتار ہونے والے جنگجو مسلمانوں کی قید سے فدیہ دے کر رہا ہوتے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد کراتا تھا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی قید ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں تو دل سے مسلمان تھا مگر مجبوراً کافروں کی فوج کے ساتھ آ گیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے اسلام لانے کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے تو فدیہ کے بدلے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو ظاہری حالت ہی دیکھتے ہیں۔ لہذا آپ اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو (جو کہ بنو حارث بن فہر سے تعلق رکھتا تھا) کا فدیہ بھی ادا کریں۔''

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس اتنی رقم کہاں ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس مال کے بارے میں کیا خیال ہے جسے آپ اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا؟ اور آپ نے ام الفضل سے کہا تھا کہ اگر سفر کے دوران مجھے کچھ ہو جائے تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم میں تقسیم کر دینا۔''

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول سچے رسول ہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس جو بیس اوقیہ مال تھا جو آپ کی فوج نے جنگ کے بعد قبضے میں کر لیا اسے آپ فدیہ میں شمار کر لیں اور ہمیں رہا کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اللہ نے ہمیں تم سے بطور مال غنیمت دلایا ہے۔''

بالآخر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا، اپنے بھتیجوں اور حلیف کا فدیہ ادا کر دیا اور سبھی رہا ہو گئے۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 8﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 327﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 6، عربی صفحہ 322﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی

صفحہ 430﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 44﴿

45: ابن اسحاق عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں۔ حضرت عاصم بن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ہمارے درمیان ایک اجنبی آدمی تھا۔ ہم اسے نہیں جانتے تھے۔ اس کا نام قزمان بتایا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے بارے میں فرمایا:

”وہ اہل جہنم میں سے ہے۔“

غزوۂ احد کے دن جب گھمسان کی لڑائی ہوئی تو قزمان مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ بڑی بے جگری سے لڑا۔ اس اکیلے نے سات یا آٹھ کافروں کا کام تمام کردیا۔ وہ جنگجو تھا۔ جنگ میں اسے بھی شدید زخم آئے۔ اسے بنی ظفر کے ایک گھر میں رہائش مہیا کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا ذکر ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے اس کی بڑی تعریف کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا فرمان دہرایا کہ وہ جہنمی ہے۔

صحابہ کو اس پر بہت حیرانگی اور تعجب ہوا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ قزمان کو دیکھتے ہیں تو جنتی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے جہنمی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے دلوں میں عجیب کش مکش پیدا ہوگئی۔

کچھ لوگ قزمان کی عیادت کے لیے اس کے پاس گئے اور اس سے کہا:

”اے قزمان! خدا کی قسم! تو نے تو آج کمال کردکھایا اور بڑی آزمائش برداشت کی۔ تو بشارت اور مبارکباد کا مستحق ہے۔“

اس پر قزمان نے کہا:

”بشارت کس بات کی؟ خدا کی قسم! میں تو اپنی قوم کی عزت اور قبیلے کی مفاخرت کی خاطر لڑتا رہا ہوں۔ اگر دل میں یہ جذبہ نہ ہوتا تو میں میدانِ جنگ میں کیوں کودتا۔؟“

ابن اسحاق مزید کہتے ہیں کہ جب اس کے زخموں میں شدید درد پیدا ہوا اور وہ اسے

برداشت نہ کر سکا تو اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور خودکشی کر لی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس واقعہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یک زبان عرض کیا:

”ہم اپنی گواہی کا پھر اعادہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“

اس کے بعد انہوں نے قزمان کا واقعہ بیان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر کے ذریعے بھی کر دیتا ہے۔“

﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 224-263﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 36-190﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 88﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 45-88﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 169﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 6، عربی صفحہ 128-154﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 2، عربی صفحہ 122﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 8، عربی صفحہ 197﴾ ﴿المسند، جلد 15، عربی صفحہ 225﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 226﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے ایمان میں تردد اور شک ہونے کی وجہ سے اسے جہنمی فرمایا نہ کہ خودکشی کرنے کی وجہ سے۔

46: ابن اسحاق نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک سخت چٹان آ گئی۔ میں نے اسے توڑنے کی بھرپور کوشش کی مگر ناکام رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے قریب ہی کھدائی میں مصروف تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال دیکھی تو میری مدد کے لیے تشریف لائے اور کدال پکڑ لی۔ آپ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پر ضرب لگائی تو کدال کے نیچے سے بجلی کا شعلہ نکلا پھر دوسری ضرب سے ایسا ہی شعلہ نکلا، تیسری ضرب سے بھی ایسا ہی ہوا اور چٹان ٹوٹ گئی۔

میں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چٹان کو ضرب لگا رہے تھے تو کدال کے نیچے

میں نے شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے۔ یہ شعلے کیسے تھے۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سلمان! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کیا واقعی تم نے یہ شعلے دیکھے ہیں۔؟"

میں نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پہلی ضرب پر جو شعلہ نکلا اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن پر فتح عطا کی، دوسرے شعلے پر میرے لیے اللہ نے شام کی فتح کا راستہ ہموار کر دیا اور تیسرے شعلے پر اللہ تعالیٰ نے مشرق کے ممالک کی فتح میرے لیے مقدر فرما دی۔"

ابن اسحاق مزید کہتے ہیں کہ انہوں نے ثقہ راویوں کی زبانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت سنی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہونے والی ہر فتح پر وہ کہا کرتے تھے:

"جتنے علاقے بھی چاہو فتح کرتے چلے جاؤ۔ خدا یہ فتوحات مبارک کرے۔ مدینہ سے لے کر اقصائے عالم تک اور آج کے دن سے یوم قیامت تک جتنے علاقوں پر بھی تم فتوحات کے پرچم لہراؤ گے، ان سب کا حال اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا۔ مالک ارض و سماء نے ان علاقوں کی چابیاں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دی تھیں۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 219﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 449﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 101﴾ ﴿السنن النسائی، ج 6، عربی صفحہ 43﴾

47: امام بخاری نے محمد بن بشار سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہاڑ پر بیٹھے تو پہاڑ لرزنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے احد! ثابت قدم اور ساکن ہو جا۔ بے شک تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

﴿صحیح بخاری، جز5، عربی صفحہ 11-14-19﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 103﴾

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے احد ثابت قدم اور ساکن ہو جا بے شک تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر اور معجزہ ہے کیونکہ یہ ہو بہو پورا ہوا۔ ''نبی'' سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ''صدیق'' سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ''دو شہیدوں'' سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا لقب صدیق ہے اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی خبر جو شہادت کے متعلق تھی من و عن پوری ہوئی کہ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا۔

48: ابن ہشام نے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق سے واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ وہ بنو المصطلق کے سردار حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انصار کے ایک شخص کے پاس امانت کے طور پر بھیج دیا اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے ساتھ واپس مدینے آئے تو ادھر حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد محترم حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اپنی بیٹی کا فدیہ دینے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جب وادی عقیق میں پہنچے تو انہوں نے اپنے ان اونٹوں پر نظر ڈالی جو وہ اپنی بیٹی کے فدیہ میں دینے کے لیے لائے تھے۔ ان اونٹوں میں سے دو اونٹ حضرت حارث بن ابی ضرار کو بہت پسند تھے چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو وادیٔ عقیق کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر کے عرض کیا:

> ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے میری بیٹی کو قیدی بنا لیا ہے اور یہ تمام اونٹ میری بیٹی کا فدیہ ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”وہ دو اونٹ جنہیں تم وادیٔ عقیق کی فلاں گھاٹی میں گم کر آئے ہو اب کہاں ہیں۔؟“

حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنتے ہی کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا:

> ”خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اونٹوں کے بارے میں مطلع فرمایا ہے۔ حضرت حارث بن ابی ضرار کے ایمان لانے کے وقت ان کے دو بیٹے بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور ان کی قوم کے بھی بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد حضرت حارث بن ابی ضرار نے کسی کو بھیج کر وہ دونوں اونٹ بھی منگوا لیے جو وادی عقیق کی کسی گھاٹی میں چھپا آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی بیٹی کا فدیہ پیش کیا۔ اس وقت حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اپنی بیٹی

کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو درہم حق مہر ادا فرمایا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 26 - 645﴾﴿الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 884﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 411﴾﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 159﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 335﴾﴿اسد الغابہ جلد 3، عربی صفحہ 138﴾﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 281﴾

49: واقدی سے محمد بن ابی حمید نے اور ان سے عبداللہ بن عمر بن امیہ نے بیان کیا کہ ان کے والد عمر بن امیہ کو جنگِ بدر میں شکست کھا جانے والے مشرکین میں سے ایک شخص نے بتایا کہ اس شکست پر انہیں از حد تعجب ہوا۔ وہ شکست کھا کر مکے کی جانب بھاگ رہے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ ایسی ہزیمت تو عورتیں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

قباث ابن اشیم الکنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جنگِ بدر میں مشرکین کے ساتھ شرکت کی۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بہت کم ہیں اور ہماری فوج پیادہ اور گھوڑا سوار بہت زیادہ ہے۔ پھر میں نے شکست کا منظر دیکھا اور بھاگنے والوں کے ساتھ میں بھی بھاگ نکلا۔ میں نے مشرکین میں سے ہر ایک کے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنے دل میں کہا:

> ”ایسی شکست تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یوں تو (میدان چھوڑ کر) عورتیں ہی بھاگتی ہیں۔“

میں بھاگتا جا رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ اسی لیے میں نے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راہ لی۔ غیقہ کے مقام پر مجھے اپنی قوم کا ایک شخص ملا اور اس نے مجھے حال احوال پوچھا تو میں نے کہا:

> ”کیا پوچھتے ہو؟ ہمارے لوگ تہہِ تیغ ہوئے ہیں، گرفتار کر لیے گئے ہیں اور ہم نے بہت بری طرح شکست کھائی ہے۔“

پھر میں نے اس سے کہا:

”کیا تم مجھے سواری پر بٹھا لو گے۔؟“

اس نے مجھے اپنی سواری پر بٹھالیا اور زادراہ بھی دیا۔ ہم جحفہ پہنچ گئے۔ پھر میں مکے میں داخل ہوا۔ مکے میں داخل ہونے سے قبل میں نے غمیم کے مقام پر حیسمان ابن حابس الخزاعی کو دیکھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جلد مکے پہنچ کر قتلِ عام کی اطلاع دے گا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اچھا ہے یہ بری خبر مجھ سے پہلے لوگ اس کی زبان سے سن لیں۔ میں رک گیا اور مجھ سے پہلے وہ مکے میں داخل ہو گیا۔

اس نے اہلِ مکہ کو ان کے مقتولین کی خبر سنائی۔ وہ رونے پیٹنے لگے اور ساتھ ہی خزاعی کو گالیاں دینے لگے کہ اس نے انہیں خیر کی کوئی خبر سنانے کی بجائے ان کی کمر توڑ دینے والی خبر سنائی ہے۔

حضرت قباث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ خندق کے بعد میرے دل میں کچھ تبدیلی آئی۔ میں نے سوچا کہ مدینہ جاؤں اور دیکھوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہتے ہیں۔ میرے دل میں اسلام کی جانب میلان سا پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی ہے۔

چنانچہ میں وہاں پہنچ گیا۔ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکا۔ سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”اے اشیم کے بیٹے قباث! تو نے بدر کے دن کہا تھا کہ ایسی شکست تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یوں تو عورتیں ہی بھاگتی ہیں۔“

حضرت قباث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے تو کلمۂ شہادت پڑھا اور عرض کیا:

> ”میں نے یہ بات دل ہی دل میں کہی تھی اور کسی کے سامنے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی نہ ہوتے تو اس واقعہ کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہ ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ بڑھائیں تا کہ میں بیعت

کروں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کے بنیادی اصول و تعلیمات پیش فرمائی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 96﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 213﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 301﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 190﴾

50: امام بخاری نے زہیر بن حرب سے، انہوں نے یعقوب بن ابراہیم سے، انہوں نے اپنے باپ ابراہیم سے، انہوں نے صالح سے اور انہوں نے ابن شہاب سے سنا۔ ابن شہاب یہ روایت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن اور ابن المسیب کے حوالے سے بیان کیا کرتے تھے کہ ان دونوں کو حضرت ابو ہریرہ نے بتایا کہ جس روز حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت واقع ہوئی اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس واقعہ کی غیبی اطلاع دی اور فرمایا:

"اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو۔"

موسیٰ بن عقبہ اپنی والدہ سے اور وہ ام کلثوم بنت ابی سلمہ سے روایت کرتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو ان سے فرمایا:

> "میں نے ایک ریشمی حلہ اور کئی اوقیہ مسک نجاشی (بادشاہ حبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لیے بطور ہدیہ بھیجا ہے۔ مگر مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی بادشاہ فوت ہو گئے ہیں اور میرا ہدیہ واپس آجائے گا۔ یہ ہدیہ واپس آگیا تو حلہ تیرا ہو گا۔"

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اس کے مطابق نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ واپس آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر بیوی کو ایک ایک اوقیہ مسک عطا فرمایا اور باقی سارا مسک اور حلہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمایا۔

﴿صحیح بخاری، جز 5، عربی صفحہ 65﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 277﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1953﴾ ﴿السنن النسائی، جز 4، عربی صفحہ 27-69﴾

51: شہید خاتون یہ ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویم انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں اکثر جایا کرتے اور انہیں شہیدہ کے نام سے پکارا کرتے۔ جنگ بدر کے موقع پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

> ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے جنگ میں شمولیت کی اجازت دیجئے۔ میں زخمیوں کا علاج کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت کا درجہ عطا فرما دے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ تجھے شہادت عطا فرمادے گا۔ تو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھی رہ تو شہیدہ ہے۔''

اس صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی حکم دیا تھا کہ اپنے اہل خانہ اور قرب وجوار کی خواتین کو گھر میں نماز باجماعت پڑھایا کریں اور خود امامت کیا کریں۔ ان کا ایک موذن بھی تھا۔

حضرت شہیدہ خاتون کے ہاں ایک غلام اور ایک لونڈی بھی تھی۔ انہوں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ میری وفات کے بعد تم آزاد ہو۔ چنانچہ ان دونوں نے سازش کر کے اس صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا اور پھر بھاگ گئے۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتلوں کو پکڑ کر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور انہیں سولی پر چڑھایا گیا۔ مدینہ میں یہ پہلی پھانسی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت پر فرمایا:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کہا کرتے تھے کہ آؤ شہیدہ کے ہاں حاضری دے آئیں۔''

﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 202﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الرابع، عربی

صفحہ 1965﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 3، عربی صفحہ 130﴾

52: امام بخاری عبداللہ بن یوسف سے، وہ مالک سے، وہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جایا کرتے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کر کے پیش کیا کرتی تھیں۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے کھانا پیش کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال دیکھنے لگیں کہ کوئی جوں تو نہیں۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے لگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔

حضرت ام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے میری امت کے کچھ جنگجو دکھائے گئے جو جہاد کی خاطر سمندر کی لہروں پر سوار تھے۔ جس طرح بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔"

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میرے لیے دعا فرمایئے کہ میں ان کے ساتھ جہاد میں حصہ لوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی۔ اس مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر پوچھا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلے والی بات یعنی مجاہدین کا سمندری سفر پر روانہ ہونا بیان فرمایا۔ حضرت ام حرام نے پھر درخواست کی کہ ان کے لیے اس جہاد میں شمولیت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تو ان مجاہدین کی اگلی صفوں میں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ایک لشکر بحری بیڑے میں روانہ ہوا۔ حضرت ام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس لشکر میں شامل تھیں۔ جب بیڑہ بندرگاہ پر رکا اور فوجیں خشکی پر آئیں تو حضرت ام حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی سواری سے گر پڑیں اور ان کی شہادت ہو گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کی قبر جزیرہ قبرص میں ہے۔

﴿صحیح بخاری، جز 4، عربی صفحہ 19-21-39-77﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 8، عربی صفحہ 78﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 9، عربی صفحہ 44﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 13، عربی صفحہ 58﴾ ﴿الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 424﴾ ﴿السنن النسائی، جز 6، عربی صفحہ 41﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 222﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 165﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 159﴾

53: امام بخاری نے اسناد بیان کر کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر سے کچھ عرصہ قبل عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کے مہمان تھے۔ امیہ بن خلف بھی شام کے سفر میں مدینہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمان بن کر ٹھہرا کرتا تھا۔ امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

> ''رات چھا جانے دو۔ جب لوگ گھروں کو چلے جائیں تو حرم میں جا کر طواف کر لینا۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رات کو طواف کر رہے تھے تو ابوجہل آ گیا اور اس نے کہا:

> ''یہ کون طواف کر رہا ہے۔؟''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

> ''میں سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں۔''

ابوجہل نے (امیہ بن خلف کی طرف دیکھ کر) غصے سے کہا:

''تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور (حضرت سعد بن معاذ کی طرف دیکھ کر کہا) تمہاری یہ جرأت کہ یہاں بے خوف طواف کر رہے ہو۔؟''

حضرت سعد بن معاذ نے فرمایا:

''ہاں! ایسا ہی ہے۔''

دونوں کے درمیان تو تو میں میں ہوگئی۔ امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''ابوالحکم کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کرو۔ یہ اس وادی کا سردار ہے۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور کہا:

''خدا کی قسم! اگر تو نے مجھے طواف سے روک دیا تو میں تیرے تجارتی قافلوں کو شام کی طرف جانے سے روک دوں گا۔''

امیہ بن خلف حضرت سعد بن معاذ کو مسلسل سمجھتا رہا کہ آواز بلند نہ کریں یہ ابوالحکم ہے جس سے آپ بات کر رہے ہیں، لیکن جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز نیچی نہ کی تو امیہ بن خلف نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت سعد کا مزاج گرم ہوگیا، وہ غصے میں آگئے اور امیہ بن خلف سے فرمانے لگے:

''تو جا کر اپنا کام کر۔ مجھے تیری امان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔''

امیہ بن خلف نے کہا:

''کیا وہ مجھے قتل کر دیں گے۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ہاں کریں گے۔''

امیہ نے کہا:

''خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ تو نہیں بولا۔''

پھر وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور اسے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات

بتائی۔ اس نے بھی سن کر کہا:

''خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹی بات نہیں کہی۔''

جب بدر کے لیے قریش نے منادی کرائی تو امیہ بن خلف کی بیوی نے اسے یاد دلایا کہ تمہارے یثربی بھائی نے جو کہا تھا وہ تمہیں یاد ہے نا؟''

امیہ بن خلف نے اس بات کو یاد کر کے جنگ پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ابو جہل کو پتہ چلا تو وہ اس کے پاس آیا اور کہا:

''تمہارا مقام و مرتبہ وادی کے سردار کا ہے۔ تم نہ نکلے تو اور کون نکلے گا۔؟ تم ہمارے ساتھ ایک دو دن کی مسافت تک چلو پھر چپکے سے واپس آ جانا۔''

امیہ بن خلف نے ابو جہل کی بات مان لی، ساتھ چل پڑا، بدر میں پہنچا اور وہاں ہی اسے (حضرت بلال اور دوسری صحابہ نے) قتل کیا۔

(نوٹ: امیہ کے قتل ہونے سے پہلے جنگ بدر کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آج بلال اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین امیہ بن خلف کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔)

﴿صحیح بخاری، جز 4، عربی صفحہ 249﴾ ﴿صحیح بخاری، جز 5، عربی صفحہ 91﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 35﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 3، عربی صفحہ 258﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 185﴾

54: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج روانہ فرمائی جس کے امیر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ ذات السلاسل کی جنگ تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔

سفر کے دوران میرا گزر کچھ لوگوں کے پاس ہوا۔ انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر رکھا تھا مگر اس کا گوشت کاٹنے کا ان میں سے کسی کو تجربہ نہ تھا۔ میں اس کام کا ماہر تھا۔ میں نے ان سے کہا:

''یہ خدمت میں سرانجام دے سکتا ہوں بشرطیکہ گوشت کا ایک حصہ مجھے بھی دیدو۔''

وہ مان گئے۔ میں نے گوشت بنا دیا اور اپنا حصہ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا ہم نے گوشت پکایا اور کھایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''اے عوف بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ گوشت کہاں سے لائے ہو۔؟''

میں نے انہیں حقیقت حال بتائی تو انہوں نے میرے اس کام کو اچھا نہ جانا اور دونوں نے اپنے اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر اس گوشت کی قے کر دی۔

لشکر واپس مدینہ آیا تو میں سب سے پہلے مدینہ پہنچ گیا۔ باقی لوگ ابھی کافی پیچھے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عوف بن مالک۔؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ذبیحے والے عوف۔؟''

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ذبیحے کی خبر دی جس کا گوشت میں سفر میں بنا کر آیا تھا) اس سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 625﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 773﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 274﴾

55: قیس بن ابی حازم نے یزید بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یزید بن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں مدینہ کی ایک

تنگ گلی میں سے گزر رہا تھا۔ میرے پاس سے ایک عورت گزری۔ میں نے اس کا دامن پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا اور اس کے پلو میں چٹکی بھر دی۔ اس بات کو کسی کو علم نہ تھا۔

اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اسلام کی بیعت لینے لگے۔ میں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ جب میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور غیبی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

"کیا تو وہی نہیں جس نے کل (ایک اجنبی عورت کو) چٹکی بھری تھی۔؟"

میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیعت قبول فرمایئے۔ خدا کی قسم میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بیعت کا شرف بخشا۔

﴿الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1690﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 190﴾ ﴿الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 104﴾

56: واقدی نے بیان کیا ہے کہ بنو امیہ بن زید کے خاندان کی ایک عورت عصماء بنت مروان یزید بن زید بن الخطمی کے نکاح میں تھی۔ یہ عورت سخت اسلام دشمن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہریلے شعر کہتی اور دوسرے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتی۔ اس نے اپنے بعض اشعار میں کہا:

"بنی مالک بدبختی کی نیت کا شکار ہو گئے۔ عوف اور بنی خزرج کی بھی تباہی ہو گئی۔ تم اتنے بے شرم اور ذلیل ہو کہ کہیں سے آنے والے بے حیثیت اجنبیوں کی اطاعت کا دم بھرتے ہو۔ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ مراد اور مذحج سب قبائل ناکارہ و نامرد ہو گئے ہیں۔ سرداروں کے قتل کے بعد تم لوگ ایسے بزدل ہو گئے ہو کہ خوف کی وجہ سے ان کی سانس ابلتی ہوئی ہنڈیا کی طرح آواز نکالتی ہے۔"

ان اشعار میں اس عورت نے اسلام کے ساتھ اپنی دشمنی کی بھرپور ترجمانی کی ۔ حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینے صحابی تھے۔ بڑے جی دار اور جاں نثار۔ وہ اس عورت اور اس کے شعروں پر بہت غصہ تھے۔ بالآخر انہوں نے تہیہ کرلیا کہ اس دشمنِ خدا و رسول کا کام تمام کردیں گے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

> ”اے اللہ! میں نذر مانتا ہوں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ سے بخیریت واپس مدینہ آگئے تو میں اس بدبخت عورت کو قتل کردوں گا۔“

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر سے واپس کے بعد حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر گئے۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی اور اس کے چھوٹے بڑے کئی بچے اس کے گرد سوئے ہوئے تھے۔ حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے چھوٹے بچوں کو الگ کیا، اس عورت کے سینے پر تلوار مار کر اسے قتل کردیا اور خود وہاں سے چل دیئے۔ صبح کی نماز مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ادا فرمائی۔

سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب دیکھا اور پوچھا:

> ”عمیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم نے بنت مروان کو قتل کردیا ہے۔؟“

انہوں نے عرض کیا:

> ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ میں نے یہ کام کردیا ہے۔“

حضرت عمیر ڈر گئے کہ اس قتل کی وجہ سے ان کا مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ عرض کیا:

> ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کوئی تاوان یا پکڑ ہے تو حکم فرمایئے۔؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”اس معاملے میں کوئی بھی اختلاف نہیں کرسکتا کہ اس عورت کی اسلام دشمنی

اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ وہ اسی انجام کی مستحق تھی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اگر تم کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتے ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کسی کی کسی معمولی گستاخی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا اور بے دیکھے (نابینا ہونے کے باوجود) اللہ اور اس کے رسول کی مدد کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے تو عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ لو۔"

حضرت عمر بن خطاب نے کہا:

"ذرا اس اندھے (حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھو جو اللہ کی اطاعت میں اس قدر متشدد ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے اندھا نہ کہو یہ بینا ہے۔"

حضرت عمیر بن عدی بن خرشہ بن امیہ الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب واپس گاؤں پہنچے تو اس عورت کو دفن کیا جا رہا تھا جسے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کیا تھا۔ حضرت عمیر بن عدی کو دیکھ کر لوگ ان کی طرف لپکے اور کہا:

"اے عمیر کیا یہ تیری کارستانی ہے۔؟"

حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احقاقِ حق کرتے ہوئے فرمایا:

"ہاں۔! تم میرے خلاف جو سازش کرنا چاہتے ہو کر لو اور بے شک مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ خدا کی قسم! جو کچھ وہ کہتی تھی اگر تم سب ویسی ہی باتیں کہنے لگو تو میں اپنی اس تلوار سے تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا یا اپنی جان قربان کر دوں گا۔

بنو خطمہ میں سے بہت سے لوگ اسلام سے متاثر ہو چکے تھے مگر ڈر کی وجہ سے اظہار نہ کرتے تھے۔ اس دن وہ لوگ بھی کھلم کھلا اسلام میں داخل ہو گئے۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 2، القسم الاول، عربی صفحہ 18﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 1، عربی صفحہ 172﴾ ﴿سنن البیہقی، جز 7، عربی

صفحہ 60﴾ ﴿الاصابہ، جلد 3، عربی صفحہ 34﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 55﴾

57: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تیاری کا حکم دیا۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ آپ کا سامان سفر اور متاع جہاد تیار کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان تیار کر رہی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا حکم دیا ہے۔؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''جی ہاں!''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا!

''کہاں کا ارادہ ہے۔؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''خدا کی قسم! مجھے یہ علم نہیں ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے۔؟''

اس وقت تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس جانب جانا ہے۔ تیاری کر لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ مکہ کی طرف جانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''کسی پر مکہ جانے کا معاملہ ظاہر نہ کرنا۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی فرمائی کہ مولائے کریم! قریش کے جاسوسوں اور ایجنٹوں کو بے خبر رکھ تا آنکہ میں انہیں ان کے شہر میں جا لوں۔

ابن اسحٰق نے محمد بن جعفر سے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی جانب روانگی کے لیے مکمل تیاری فرمائی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کی طرف ایک خط ایک عورت کے ہاتھ سرداران مکہ کے نام روانہ کر دیا۔ انہوں نے اس عورت کے ساتھ طے کر لیا تھا کہ وہ

اس خدمت کا صلہ اسے عطا کریں گے۔ وہ عورت خط لے کر روانہ ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عورت کے پیچھے بھیجا اور فرمایا:

"جاؤ اور اس عورت سے خط برآمد کرو۔"

یہ دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار سواریوں پر مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور راستے میں اس عورت کو پکڑ لیا۔ انہوں نے اس سے خط کے بارے میں پوچھا تو اس نے صاف صاف انکار کر دیا۔ اس کے سارے سامان کی تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

> "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو اے عورت خط ہمارے حوالے کر دے نہیں تو ہم تیری جامہ تلاشی کریں گے۔"

جب اس عورت نے یہ صورت حال دیکھی تو کہا:

"ذرا ادھر ہٹ جاؤ۔!"

حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب دوسری طرف ہوئے تو اس عورت نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں کھولیں اور خط نکال کر دے دیا۔ یہ دونوں صحابی خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط ملنے کے بعد حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو بلوایا اور پوچھا:

"اے حاطب تم نے یہ حرکت کیوں کی۔؟"

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً عرض کیا:

> "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول کا سچا وفادار اور مومن ہوں۔ نہ میں نے اپنی وفاداری بدلی ہے اور نہ ہی میرا ایمان متغیر ہوا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ مکہ میں میرا کوئی خاندان اور قبیلہ نہیں، مگر میرے اہل وعیال مکہ میں ہی ہیں۔ اس لیے میں نے قریش کو ممنون کرنے

کے لیے یہ خط بھیجا تا کہ وہ میرے بیوی بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حاطب ابن ابی بلتعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سچ کہتا ہے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عمر! حاطب بن ابی بلتعہ بدر میں شریک تھا اور تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ نے بدریوں پر نظر کرم فرمائی اور فرمایا:

"تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

"یاایھاالذین امنوالاتتخذو اعدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودةوقد کفروا بماجاء کم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوابالله ربکم ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیھم بالمودة و انااعلم بما اخفیتم و ما اعلنتم ومن یفعله منکم فقدضل سواء السبیلO"

﴿القرآن المجید، پارہ 28، سورت نمبر 60 (الممتحنہ) آیت نمبر 1﴾

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں خبر پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔ گھر سے جدا کرتے ہیں رسول کو اور تمہیں اس پر کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔ اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان سے دوستی نہ کرو۔ تم انہیں خفیہ پیام محبت کا بھیجتے ہو اور میں خوب

جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔"

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 397﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 301﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 72﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 99-184﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 6، عربی صفحہ 186﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز 8، عربی صفحہ 71﴾ ﴿الصحیح البخاری، جز ، عربی صفحہ 24﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 799﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الاول، عربی صفحہ 312﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 299﴾ ﴿الصحیح المسلم، جز 16، عربی صفحہ 55﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 361﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 283﴾ ﴿السنن البیہقی، جز 9، عربی صفحہ 146﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 51-52﴾

58: ابن ہشام نے بعض اہل علم سے یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان پڑھنے کا حکم دیا۔

اس وقت حرم شریف کے صحن میں بہت سے لوگ تھے۔ ان میں حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت عتاب بن ایسد اور حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ (یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے) اذان کی آواز سن کر حضرت عتاب نے اپنے باپ کے بارے میں کہا:

"اسید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے نوازا ہے کہ وہ اس آواز کو سننے سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ آواز سنتا تو اسے دکھ پہنچتا۔"

یہ سن کر حضرت حارث بن ہشام نے کہا:

"خدا کی قسم! اگر میں جانتا کہ وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہے تو اس کی اتباع کرتا۔"

حضرت ابوسفیان نے ان کی باتیں سن کر کہا:

"میں تو کچھ بھی نہیں بولوں گا۔ اگر میں نے زبان کھولی تو یہ کنکریاں بھی محمد کو خبر دیں گی۔"

تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"جو کچھ تم لوگوں نے کہا مجھے اس کا علم ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی گفتگو سنا دی۔ یہ سنتے ہی حضرت حارث اور حضرت عتاب نے کلمۂ شہادت پڑھا اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس بات کی خبر صرف اللہ تعالیٰ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے سکتا ہے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی چوتھا تھا ہی نہیں کہ ہم سمجھیں کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہے۔"

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 413﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 846﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 444﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 303﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 72﴾

59: ابن اسحاق سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کی جانب ایک فوج بھیجی اور اس فوج کا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور حکم دیا:

"اگر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ ہو جائے تو حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمان سنبھال لیں۔ انہیں کچھ ہو جائے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر ہوں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوج کو رخصت فرمایا اور الوداع کہنے کے لیے مدینہ سے باہر تک تشریف لائے۔ یہ فوج شام کے کسی مقام پر اتری۔ وہاں اطلاع ملی کہ قیصرِ روم ہرقل اپنی فوجوں کے ساتھ بلقاء کے علاقے میں مآب کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ اس کے ایک لاکھ جنگجو تھے۔ ہرقل کے ساتھ مقامی سردار اور ان کے قبائل بنو لخم، بنو جذام، بنو قین اور بنو بہرا بھی اپنی فوجیں لے کر حاضر تھے۔ ان کی تعداد بھی ہرقل کی فوجوں کے برابر تھی (ہرقل اور قبائل وغیرہ کی فوج مل کر دو ڈھائی لاکھ کے قریب تھی) اور مسلمان صرف تین ہزار تھے۔

مسلمانوں نے شام میں دو راتیں قیام کیا اور آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کیا جائے۔ لوگوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط لکھا جائے اور درخواست کی جائے کہ دشمن کی کثیر فوج کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید فوج روانہ فرمائیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج بھیج دی تو فبہا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو پیش قدمی کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جوش دلایا اور فرمایا:

> ”اے میری قوم کے لوگو! خدا کی قسم! جس چیز کی تمنا لیے تم گھروں سے نکلے تھے یعنی شہادت فی سبیل اللہ وہ سامنے ہے اور تم اس سے منہ موڑ رہے ہو۔؟ ہم کبھی دشمن سے اپنی تعداد و ساز و سامان کے بل بوتے پر نبرد آزما ہوئے ہیں۔؟ ارے نہیں بلکہ ہم نے تو دشمن کا مقابلہ ہمیشہ اس دین اور ایمان کی قوت سے کیا ہے جس کی برکات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ چلو پیش قدمی کریں۔ ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مقدر ہے یا فتح اور یا شہادت۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولولہ انگیز تقریر نے لوگوں کے حوصلے بلند کر دیئے اور وہ پکار اٹھے:

> ”خدا کی قسم عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے سچ کہا۔“

ابن اسحاق مزید لکھتے ہیں کہ مسلمان فوج چل پڑی۔ بلقاء کے مقام پر جا کر دشمن کی فوج ان کے سامنے آگئی۔ یہ ٹڈی دل رومی اور عربی فوجوں پر مشتمل تھی۔ بلقاء کی بستیوں میں سے ایک بستی مشارف کے قریب دشمن تھا اور موتہ کی بستی کے پاس مسلمان۔ موتہ کے مقام پر یہ جنگ لڑی گئی۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمن کا مقابلہ بڑی دلیری اور بہادری سے کیا۔ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا علم (جھنڈا) تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم کو سر بلند رکھا۔ بہادری سے لڑے اور زخموں سے چور چور لہو لہان ہو کر شہید ہو گئے۔ اب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا اٹھایا۔ وہ

گھوڑے پر سوار تھے۔ دشمن کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا مگر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادری کے ساتھ ڈٹے رہے اور اپنی فوج کے حوصلے بلند کرتے رہے۔

جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور دونوں جانب سے لوگ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شقرا نامی گھوڑے سے اترے اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تا کہ دشمن اسے حاصل کر کے استعمال نہ کر سکے۔ پھر دشمن کے مقابلے پر شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے اور پھر خود شہید ہو گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور فوج کی قیادت سنبھالی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے اور دشمن کا دباؤ اس وقت حد سے بڑھ چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تھوڑی دیر کے لیے ضعف اور تردد پیدا ہوا مگر فوراً سنبھل گئے اور فی البدیہہ یہ شعر ارشاد فرمائے:

> "اے دل! میں نے قسم کھائی ہے کہ تجھے اس میدان میں لازماً اتاروں گا۔ تو بخوشی آگے بڑھے تو کیا کہنے، وگرنہ مجبوراً بھی یہ کام تو کرنا ہی پڑے گا۔ لوگ جوق در جوق آگے بڑھ رہے ہیں اور چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ میں تجھے جنت کی طرف دیوانہ وار بڑھنے کی بجائے ہچکچاہٹ میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔؟
>
> کافی طویل زمانہ تو نے آرام و اطمینان سے گزارا۔ تیری حقیقت سوائے اس کے کیا ہے کہ تو ایک تھیلی (ماں کے رحم) میں پانی کا ایک ناپاک قطرہ تھا۔ اے نفس! موت سے کیا ڈرنا؟ اگر یہاں گلا نہ کٹوایا تو ویسے موت آ جائے گی۔ موت کا حمام تو گرم ہو چکا ہے۔ جس چیز (شہادت) کی تجھے آرزو تھی وہ حاضر ہے، اگر تو نے وہی کام کیا جو وہ دونوں (حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کر چکے ہیں تو تجھے ہدایت اور کامیابی کا راستہ مل گیا۔"

یہ شعر پڑھنے کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھوڑے سے

اترے اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے اس کی فوج میں گھس گئے۔ اسی لمحے آپ کے چچازاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا لے کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یہ گوشت کا ٹکڑا تناول فرما کر اپنے جسم کو طاقت بخشئے۔ یقیناً آپ کئی دنوں سے (بھوک اور جنگ کی دیگر) سختیاں جھیل رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی سے وہ گوشت کا ٹکڑا لیا اور ابھی ایک ہی لقمہ کھایا تھا کہ خوف ناک شور سنا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں اور چیخیں بلند ہوئی۔ فوراً آپ نے خود سے کہا:

''صورت حال یہ ہے اور تو ابھی تک دنیا ہی سے دل لگائے بیٹھا ہے۔؟''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوشت پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن پر جھپٹے۔ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے کئی زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور بلند آواز سے فرمایا:

''مسلمانو! اپنے میں سے بہترین آدمی کو یہ جھنڈا دے دو۔''

لوگوں نے کہا:

''آپ ہی سنبھالو۔؟''

انہوں نے کہا:

''میں اس قابل نہیں ہوں۔''

لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھنڈا سنبھالنے کی درخواست کی۔ انہوں نے جھنڈا پکڑا اور دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان فاصلہ ہو گیا کیونکہ بڑھتی ہوئی رومی فوج کو روک کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافی پیچھے دبا دیا تھا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کو اپنی فوج لے کر پیچھے پلٹے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے اہلِ علم نے خبر دی کہ جنگ کے شعلے بڑھکنے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے علم پکڑا اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، پھر جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کمان سنبھالی اور زید بن حارثہ کے نقشِ قدم چلتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ اس موقع پر انصار کے چہرے سرخ ہو گئے اور انہوں نے سوچا کہ کہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی کمزوری سرزد نہ ہو گئی ہو۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت کے بعد پھر گویا ہوئے اور فرمایا:

''پھر جھنڈا عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہاتھ میں آیا۔ وہ بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مجھے دکھا دیا گیا ہے کہ وہ جنت میں پہنچائے گئے ہیں۔ فرشتوں نے انہیں سنہری پلنگوں پر اٹھا کر جنت میں داخل کیا۔ میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن رواحہ کا پلنگ ذرا سا جھول رہا تھا جب کہ اس کے دونوں ساتھیوں (حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پلنگ بالکل ٹھیک تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس پلنگ میں جھول کیوں ہے۔؟ تو مجھے بتایا گیا کہ پہلے دو جرنیل بے دھڑک جنگ میں کود پڑے تھے جب کہ عبداللہ بن رواحہ نے تھوڑا سا توقف کیا تھا مگر وہ بھی آگے بڑھے اور سرخرو ہو گئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ سے خبر آنے سے قبل ہی ان شہداء کی شہادت کی خبر سنا دی تھی۔

◆ صحیح البخاری، جز 4، عربی صفحہ 21-88 ◆ صحیح البخاری، جز 5، عربی صفحہ 182 ◆ طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 35 ◆ الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 899 ◆ سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 373 ◆ المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 761 ◆ البدایہ والنہایہ، جلد 4، عربی صفحہ 247 ◆ البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 297 ◆ سنن البیہقی، جز 8، عربی

صفحہ 154﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 288﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 102﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 157﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 240﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 41 تا 44﴾

60: ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ تبوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ ہو گئے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ سے واپس گھر لوٹے۔ دوپہر کا وقت تھا اور شدید گرم ہوا چل رہی تھی۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں نے اپنے کمرے سجائے ہوئے تھے اور کمرے اندر سے خوب صاف ستھرے کیے تھے۔ لذیذ کھانا پکا ہوا تھا اور ٹھنڈے پانی کے گھڑے بھرے پڑے تھے۔

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی صبح تبوک کی طرف جائیں گے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کمروں کے دروازں پر پہنچ کر دیکھا کہ ان کی بیویاں ان کی منتظر ہیں۔ کمروں کے آرام اور باہر کی شدید گرم ہوا کے بارے میں حضرت ابوخیثمہ نے اپنے آپ سے کہا:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلچلاتی دھوپ اور تپتے ریگستانوں میں گرم ہواؤں کے تھپیڑوں کا مقابلہ کریں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سائے میں لذیذ کھانوں کے مزے لوٹے اور حسین عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھانے کے لیے دوپہر یہاں گزار دے؟ مجاہدین جا چکے اور ابوخیثمہ اپنے مال کی محبت میں گرفتار ہے؟ یہ اسلام کے خلاف اور ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے۔''

پھر فرمایا:

> ''خدا کی قسم! میں تم دونوں (بیویوں) کے گھروں میں سے کسی کے گھر میں ہرگز ہرگز داخل نہیں ہوں گا۔ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا۔ میرا سامان فوراً تیار کر دو۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویوں نے سفر کا سامان تیار کر دیا تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں پہنچے۔ اونٹنی پر کجاوہ کسا اور عین دوپہر کے وقت نکل کھڑے

ہوئے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس روز تبوک کے میدان میں اترے اسی روز حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں جا پہنچے۔

راستے میں حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمیر بن وہب الجمعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے نکلے تھے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ تبوک سے قریب پہنچے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمیر بن وہب الجمعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا!

> "اے عمیر! میرے بھائی! میں تو گناہ گار ہوں کہ بلا عذر پیچھے رہ گیا، تیرا کوئی قصور نہیں ہے تو ذرا رک جا مجھے تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کا موقع دے دے۔"

چنانچہ حضرت عمیر بن وہب الجمعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے رک گئے۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تبوک میں پہنچنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں مقیم تھے۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب پہنچے تو لوگوں نے کہا:

> "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی سوار اس جانب آرہا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "کن اباحیثمه"
>
> "وہ ابوخیثمہ ہوگا۔"

جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ پہنچے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

> "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ واقعی ابوخیثمہ ہی ہیں۔"

ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اونٹنی باندھی اور اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''اے ابوخیثمہ! تو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔''

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پوری کہانی سنائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں برکت اور خیر کی دعا مانگی۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سن کر خوشی سے یہ شعر کہے:

''ولمارأیت الناس فی الدین نافقوا
اتیت الذی کان اعف واکرما
وبایعت بالیمنیٰ یدی لمحمد
فلم اکتسب اثماولم اغش محرما
ترکت خضیبافی العریش وصرمة
صفایا گراما بسرھاقدتحمما
وکنت اذاشك المنافق اسمحت
الی الدین نفسی شطرہ حیث یمما''

''جب میں نے دیکھا کہ لوگوں نے دین میں منافقت کی روش اپنالی ہے تو میں نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو خلوص پر مبنی ہے۔ وہ طرزِ عمل یہ کہ میں اس شخصیت کے پاس آ گیا جو بہت معاف کرنے والی اور ازحد فیض دینے والی ہے۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بیعت کے بعد نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ چھپ چھپا کر حرام راستے پر چلا۔ میں نے اپنے گھر میں خوب صورت اور بنی سنوری (دودو) عورتوں کو چھوڑا اور بہت سی دودھ دینے والی اونٹنیوں کے گلے چھوڑ کر چل دیا۔ انگوروں کی بیلوں سے ہاتھ اٹھا لیا جبکہ ان کے گچھے پک کر سرخ ہو گئے تھے اور میں کھجوروں کے پکے ہوئے باغات کو بھی خیر باد کہہ کر چلا آیا۔ جب منافقین، دینِ حق کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاگئے تو میں نے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میرا مطمح نظر ہی دین تھا،

وہ جہاں بھی مجھے ملا میں نے اسے سینے سے لگالیا۔

﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 521﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الرابع، عربی صفحہ 1642﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 998﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 7﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 4، عربی صفحہ 292﴾ ﴿الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 54﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 58﴾

61: ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ تبوک کے واقعات لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ تبوک کی جانب جاتے ہوئے راستے میں کسی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اونٹنی کی تلاش میں نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخلص صحابی حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ بیعتِ عقبہ اور بدر میں شمولیت کے شرف سے سرفراز ہوئے تھے۔ ان کے گروپ میں زید بن لصیت قینقاعی بھی تھا جو منافق تھا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور زید بن لصیت قینقاعی منافق ان کی قیام گاہ میں تھا۔ اس نے قیام گاہ میں لوگوں سے کہا:

> ''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے اور تمہیں آسمان کی خبریں سناتا ہے؟ حالانکہ اسے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔؟''

اس وقت حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

> ''ایک شخص نے یہ اور یہ باتیں کی ہیں اور میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! مجھے وہی کچھ معلوم ہوتا ہے جو اللہ مجھے بتادے۔ ابھی ابھی میرے خدا نے مجھے میری اونٹنی کی خبر دی ہے۔ وہ اس وادی کی فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت کے ساتھ اس کی نکیل اڑ گئی ہے اور وہ وہیں کھڑی ہے۔ جاؤ اور اسے وہاں سے پکڑ لاؤ۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس گھاٹی کے قریب گئے تو اس اونٹنی کو وہی پایا۔ چنانچہ

وہ اسے لے کر آ گئے۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو لوگوں سے فرمایا:

> ”خدا کی قسم! ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک بات کی ہے جو بڑی عجیب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ ایک شخص نے یہ اور یہ بات کی ہیں۔“

قیام گاہ میں موجود لوگوں نے بتایا کہ یہ بات تو تھوڑی دیر پہلے زید بن لصیت نے کہی تھیں۔“

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت زید بن لصیت کو گردن سے پکڑا اور لوگوں کو پکارا:

> ”اللہ کے بندو! میرے خیمے میں ایک ہوشیار، چالاک (اور وہی منافق) آدمی تھا (جسکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی) اور مجھے اس کی خبر ہی نہ تھی۔“

پھر اسے مخاطب کر کے فرمایا:

> ”اے دشمن خدا! میرے خیمے سے نکل جا اور میرے ساتھ کبھی نہ چلنا، نہ میرے قریب بھٹکنا۔“

﴿المغازی، للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 1010﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 523﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 2، عربی صفحہ 423﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 326﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 2، عربی صفحہ 238﴾

62: ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک کی جانب روانگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جانب روانہ ہو گئے اور بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئے:

> ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں اور فلاں پیچھے رہ گئے ہیں۔“

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”چھوڑیئے! اگر ان میں سے خیر اور بھلائی ہے تو عنقریب اللہ انہیں آپ لوگوں سے ملا دے گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو تمہیں کیا غم؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جس نے ان لوگوں کے شر سے تمہیں پناہ دی۔“

اسی دوران میں کسی نے عرض کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوذر غفاری بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ دراصل ان کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور کوشش کے باوجود اٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ابوذر میں خیر و بھلائی ہوگی تو جلدی آ جائے گا، ورنہ اس کی فکر نہ کرو۔“

ادھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب اونٹ نہ اٹھا سکے تو انہوں نے اونٹ وہی چھوڑا، اپنا ہلکا پھلکا سامان اٹھایا اور پیدل ہی چل پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا پر چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے بے قرار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ مسلمانوں میں سے کسی نے صحرا میں ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص تنہا اور پیدل ہی چل کر آ رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کن اباذر“

”وہ ابوذر ہے۔“

لوگوں نے دیکھا تو دور ہی سے پہچان لیا اور عرض گزار ہوئے:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم! وہ تو ابوذر غفاری ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ابوذر غفاری پر رحم فرمائے۔ وہ تنہا چل پڑتا ہے، تنہا ہی فوت ہو جائے گا اور تنہا ہی قیامت میں اٹھایا جائے گا۔“

ابن اسحاق فرماتے ہیں بریدہ بن سفیان اسلمی نے مجھ سے محمد بن کعب القرظی کے

حوالے سے بیان کیا اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ سے ربذہ کی جانب چلے جانے کا حکم دیا تو انہوں نے تعمیل کی اور ربذہ کے گاؤں میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی گاؤں میں ان کا آخری وقت آ پہنچا۔ گاؤں کے سبھی لوگ حج کے لیے جا چکے تھے۔ وہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اور غلام کے سوا کوئی نہ تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرگ سے پہلے انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''موت کے بعد مجھے غسل دے کر اور کفن پہنا کر راستے میں رکھ دینا۔ ایک قافلہ آئے گا ان سے کہنا یہ ابوذر غفاری صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے۔ تم لوگ نمازِ جنازہ اور تدفین میں ہماری مدد کرو۔''

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا گئے تو ان کی اہلیہ اور غلام نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ اسی وقت ایک قافلہ نظر آیا۔ اس قافلے کے سالار صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ عراق سے عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ جب جنازے کے قریب پہنچے تو غلام نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

> ''یہ صحابیِ رسول ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ ہے، آپ لوگ ہماری مدد کریں کہ نمازِ جنازہ پڑھا دیں اور میت کو دفن کر دیں۔''

یہ سنتے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ وہ اپنے اونٹ سے اترے اور مدہم سی آواز میں فرمایا:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر فرمایا: ''اے ابوذر! آپ تنہا ہی چل دیتے تھے، تنہا ہی دنیا سے رخصت ہوں گیا اور تنہا ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ امامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی اور انہیں دفن کر دیا گیا۔ تدفین کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے سفرِ تبوک کا واقعہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی لوگوں کو سنایا۔ اس وقت ہر ایک کی آنکھ سے آنسوں جاری ہو گئے۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 4، القسم الاول، عربی صفحہ 173﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 524﴾ ﴿المغازی للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 1001﴾ ﴿الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 65﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 8﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 302﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 47 تا 50﴾

63: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ منورہ رمضان المبارک کے مہینے میں پہنچے۔ اسی ماہ میں بنو ثقیف کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ وہ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر چلے گئے مگر ان میں سے ایک خوش قسمت انسان عروہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ روانگی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا۔ وہ قدوم مدینہ سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو یہ ثقفی سردار مسلمان ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"ہمیں بنو ثقیف میں جا کر تبلیغ کرنے کی اجازت دے دیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو ثقیف کی درشتی اور نخوت جاہلیہ کا علم تھا، اسی لیے فرمایا:

"ارادہ تو نیک ہے مگر تمہارے قبیلے کے لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اپنی قوم کے درمیان از حد محبوب ہوں۔ وہ مجھ سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔"

ابن اسحاق مزید بیان کرتے ہیں کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کے درمیان بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا حکم سنا اور مانا جاتا تھا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور اس امید پر کہ قوم میں ان کی عزت بھی ہے اور رعب بھی، اس لیے کوئی بھی ان کی حکم عدولی نہ کر سکے گا، سب کو اسلام کی دعوت عام دے دی۔

قوم نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔ عروہ بن مسعود مسلسل یہ دعوت دیتے رہے۔ ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کیا اور عام لوگوں کو شرک اور کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو بنو ثقیف ہر جانب سے ان پر تیر برسانے لگے۔ وہ شدید زخمی ہو گئے۔ شدید زخمی ہونے کے بعد ان سے پوچھا گیا:

''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔؟''

ان کے خاندان نے قاتل اور اس کے قبیلے سے انتقام لینے کا اعلان کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میرے بدلے میں کسی کو مت قتل کرنا یہ تو ایک اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور اس نے مجھے شہادت کے عظیم مرتبے پر اپنی خصوصی رحمت سے سرفراز کیا ہے۔ میری ایک ہی خواہش ہے کہ مجھے ان شہداء صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس دفن کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنو ثقیف میں شامل ہوئے اور یہاں شہید ہوئے تھے۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ شہادت سے قبل انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ انہوں نے مجھے پہلے ہی اس شہادت کی خبر دے رکھی تھی۔

﴿طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 52﴾ ﴿طبقات ابن سعد، جلد 5، عربی صفحہ 369﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 537﴾ ﴿الاستیعاب، القسم الثالث، عربی صفحہ 1066﴾ ﴿المغازی، للواقدی، جلد 3، عربی صفحہ 960﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 406﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 29﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 470﴾

64: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مجھ تک جو روایات پہنچی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ (اسلام لانے سے پہلے) عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ نفرت کرتے تھے۔

ان کا بیان ہے میں نے دینِ عیسائیت اختیار کر رکھا تھا اور میں اپنے قبیلے کا سردار تھا۔

میرا مقام بادشاہوں اور حکمرانوں جیسا تھا۔ بنو طے سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ مجھے ملا کرتا تھا اور اسی پر میری گزربسر تھی۔ میں اپنے مذہب کو سچا مذہب گردانتا تھا اور اپنی حکمرانی پر بہت نازاں تھا۔ مجھے کسی قسم کا غم اور فکر نہ تھا۔

وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ کسی نے مجھے محمد بن عبداللہ کے بارے میں بتایا۔ ان کا نام سنتے ہی مجھے ان سے شدید نفرت ہو گئی۔ جب مدینہ سے ان کی فوجیں گردونواح کے علاقوں میں نکلنے لگیں تو مجھے بھی فکر دامن گیر ہوئی۔ میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا:

> ''تیرا بھلا ہو۔ میرے لیے موٹے تازے تیز رفتار اونٹوں کا ایک گلہ تیار رکھنا اور جونہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکروں کی خبر پہنچے مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔''

میرا یہ غلام میرے اونٹوں کی رکھوالی کیا کرتا تھا۔ چنانچہ میرے حکم کے مطابق اس نے اونٹ تیار کر لیے۔ ایک دن صبح صبح وہ بھاگتا ہوا میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

> ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکروں کی آمد پر تم کچھ کرنا چاہتے تھے؟ سو وہ آ گئے ہیں۔ میں نے دور سے کچھ جھنڈے دیکھے اور جب پوچھا تو کسی نے بتایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوجیں ہیں۔ اب جو کرنا ہے کر لیں۔''
>
> حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے غلام سے کہا:
>
> ''میرے اونٹ جلدی لے آؤ۔''

جب وہ اونٹ آ گئے تو میں نے ضروری سامان لیا، اہل وعیال کو اونٹوں پر بٹھایا اور شام کی جانب چل دیا۔ میں نے سوچا تھا کہ شام میں میرے ہم مذہب عیسائیوں کی حکومت ہے۔ میں ان سے جا ملوں گا۔ اسی بھاگ دوڑ میں میری بہن سفانہ بنت حاتم پیچھے رہ گئی۔ روانگی کے وقت وہ کسی ضروری کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں اپنی جوان اور خوبصورت بہن کو چھوڑ کر شام چلا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج نے بنو طے کو شکست دی اور ان کے مال مویشی پکڑ لیے۔ بہت سی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اکثر آدمی میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

قیدیوں کو مدینہ لایا گیا۔ ان قیدیوں کو مسجد کے قریب ایک احاطے میں رکھا گیا۔ میری بہن بھی انہی قیدیوں میں سے تھی۔

میری بہن بڑی جرأت مند اور فصیح زبان عورت تھی۔ ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کے قریب سے گزرے تو میری بہن کھڑی ہو گئی اور اس نے عرض کیا:

''یارسول الله (صلی الله علیه و سلم) هلك الوادو غاب الوافد فامنن علی من الله علیك''

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا والد فوت ہو گیا ہے اور میرا سرپرست بچھڑ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مجھے آزاد کر کے) مجھ پر احسان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان فرمائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''تیرا سرپرست کون ہے۔؟''

میری بہن سفانہ نے جواب دیا:

''عدی بن حاتم طائی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

''کیا وہی جو اللہ و رسول سے دور بھاگتا ہے۔؟''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ دوسرے روز پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کے پاس سے گزرے پھر میری بہن نے ان سے وہی بات عرض کی جو پہلے دن کہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا۔

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن کہتی ہیں کہ جب تیسرا دن ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر قیدیوں کے پاس آئے تو میں مایوس ہو چکی تھی۔ مگر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے ایک شخص چلا آ رہا تھا۔ اس نے مجھے اشارے سے سمجھایا کہ میں اپنا معاملہ پیش کروں۔ چنانچہ میں نے ہمت کر کے پھر درخواست دہرائی۔ میری درخواست سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "میں نے تم پر احسان کیا اور تمہیں آزادی دے دی۔ مگر جلدی نہ کرنا۔ یہاں انتظار کرو یہاں تک کہ تمہاری قوم کا کوئی معتمد آدمی یا قافلہ ادھر سے گزرے پھر ان کے ساتھ چلے جانا، جانے سے پہلے مجھے اطلاع دے دینا۔"

اس کے بعد میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے مجھے نیک مشورہ دیا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی بھی ہیں اور صحابی بھی۔

میں آنے جانے والے قافلوں کے بارے میں پوچھتی رہی۔ حتیٰ کہ قبیلہ بلی یا قضاعہ کا ایک قافلہ آیا، وہ شام جا رہے تھے اور ان سے ہماری جان پہچان بھی تھی۔ میں بھی اپنے بھائی کے پاس شام جانا چاہتی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کپڑے عطا فرمائے، سواری دی اور راستے کا خرچ دے کر عزت وتکریم سے رخصت فرمایا۔ میں اس قافلے کے ساتھ شام کی طرف چل پڑی۔

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ شام میں مقیم تھا مگر سخت پریشان بھی تھا۔ دھیان اپنی بہن کی طرف رہتا تھا۔ سوچتا رہتا تھا کہ پتہ نہیں اس پر کیا بیت رہی ہے۔؟

ایک روز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک قافلہ نمودار ہوا۔ ایک اونٹ پر محمل میں کوئی پردہ نشین سوار تھی۔ وہ قافلہ ہماری جانب بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ حاتم کی بیٹی اور میری بہن چلی آ رہی ہے۔ جب وہ ہمارے قریب پہنچی تو واقعی وہ میری بہن ہی تھی۔

میرے پاس پہنچنے کے بعد اس نے ان الفاظ کے ساتھ مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

> "قطع رحمی کرنے والے! ظالم! تو نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ سوار کیا اور فرار ہو گیا اور اپنی بیچاری بہن اور اس کی عزت کو وہاں چھوڑ آیا۔؟"

میں خود بہت شرمندہ تھا۔ میں نے کہا:

''میری پیاری بہن! تو جو کچھ کہہ رہی ہے سب سچ ہے۔ میں کوئی عذر پیش نہیں کرتا۔ اب مجھے معاف کردو اور کوئی بددعا نہ دو۔''

پھر وہ سواری سے اتری اور میرے پاس میرے گھر میں رہنے لگی۔ وہ بڑی عقلمند تھی۔ میں نے اس سے پوچھا:

''اے میری پیاری بہن! تم نے اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا پایا؟ اور اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔؟''

اس نے جواب دیا:

''میری رائے یہ ہے کہ تم فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر وہ شخص اللہ کا نبی ہے تو اس کی جانب جلدی جانا باعث فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہے تو وہ لوگوں کی قدر کرنا جانتا ہے۔ اس کے ہاں عزت والوں کو ذلیل نہیں کیا جاتا اور تمہارا مقام و مرتبہ تو ظاہر ہے۔ (یعنی اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے تو وہ تمہیں ذلیل و رسوا نہیں کریں گے)''

میں نے اپنی بہن کی بات کو تسلیم کرلیا اور پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ اس کے بعد میں شام سے مدینہ کی جانب چلا۔ مدینہ پہنچا تو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کون ہے۔؟''

میں نے عرض کیا:

''عدی بن ابی حاتم طائی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا پرجوش استقبال فرمایا اور مجھے اپنے گھر میں لے گئے۔ گھر جاتے ہوئے راستے میں ایک بدحال کمزور بڑھیا نے انہیں روک لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اس کی باتیں سنتے رہے اور وہ اپنی مشکلات اور ضروریات بتاتی رہی۔

یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا:

''خدا کی قسم! یہ بادشاہ تو نہیں ہیں۔''

جب بڑھیا اپنی بات کو مکمل کر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے گھر لے گئے۔ چھوٹے سے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدا میری طرف بڑھایا۔ وہ کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا تھا اور مجھ سے فرمایا:

''اس پر بیٹھ جاؤ۔''

میں نے عرض کیا:

''نہیں آپ اس پر تشریف رکھیں۔''

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

''نہیں! تم اس پر بیٹھو۔''

میں گدے پر بیٹھ گیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ اب پھر میں نے دل ہی دل میں سوچا اور کہا:

''خدا کی قسم! ایسی سادگی بادشاہ تو نہیں دکھاتے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''اے عدی بن حاتم! کیا تو رکوسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتا۔؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں! میں رکوسی ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''کیا تم اپنی قوم سے مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہ کرتے تھے۔؟''

میں نے جواب دیا:

''جی ہاں! یا رسول اللہ! میں چوتھا حصہ لیا کرتا تھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ وصولی تمہارے دین کے مطابق حلال بھی نہ تھی۔''

میں نے تسلیم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی بالکل درست ہے کہ رکوسی ایسی دولت کو حلال نہیں سمجھتے۔ اب میں نے بخوبی سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ جو باتیں عربوں کو معلوم ہی نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی

خوب واقف تھے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب سا سوال پوچھتے ہوئے فرمایا:

''اے عدی بن حاتم! شاید! تجھے دینِ اسلام میں داخل ہونے سے یہ بات مانع ہو کہ اہلِ اسلام کی مالی حالت بہت کمزور ہے؟ خدا کی قسم! مال و دولت کی ایسی ریل پیل ہو گی کہ دینے والے سبھی ہوں گے لیکن لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ شاید تجھے اس چیز کی بھی پریشانی ہو کہ یہ لوگ تو تعداد میں بہت کم ہیں اور پوری دنیا ان کی دشمن۔؟ خدا کی قسم! اس دین کا غلبہ ہو گا۔ تُو سن لے گا اور دیکھ لے گا کہ ایک عورت زیورات سے لدی تن تنہا اپنے اونٹ پر قادسیہ سے سوار ہو گی اور بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے مکہ کا سفر کرے گی مگر اسے کوئی ڈر اور خطرہ نہیں ہو گا۔ اے عدی! ممکن ہے کہ تو نے سوچا ہو دنیا میں بہت سے بادشاہ اور سلاطین ہیں اور ہم مسلمانوں میں کوئی تاجدار نہیں۔؟ خدا کی قسم! تو سن لے گا کہ بابل کے سفید محلات ان لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہاتھوں فتح ہوں گے۔''

حضرت عدی بن حاتم طائی کہتے ہیں:

''یہ سن کر میں مسلمان ہو گیا۔ خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیبی خبروں سے دو کو تو دیکھ لیا یعنی بابل کے محلات بھی فتح ہو گئے اور قادسیہ سے تن تنہا زیور سے لدی ہوئی عورت کو بھی سفر کرتے دیکھ چکا ہوں۔ میں خدا کی قسم! کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری نشانی بھی ضرور پوری ہو گی اور دینے والے سب ہوں گے لیکن لینے والا کوئی نہ ہو گا۔ (آج کل سعودی عرب میں یہی حال ہے کہ زکوۃ صدقہ و فطرانہ دینے والے سب ہیں لیکن لینے والا عربی کوئی نہیں۔ لہذا یہ غیبی خبر بھی پوری ہو گئی۔)''

﴿طبقات ابن سعد، جلد 1، القسم الثانی، عربی صفحہ 60﴾ ﴿سیرۃ ابن ہشام، القسم الثانی، عربی صفحہ 578﴾ ﴿الصحیح البخاری، ج 4، عربی صفحہ 239﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 5، عربی صفحہ 64﴾ ﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 188﴾ ﴿السنن

البیہقی، جز5، عربی صفحہ 225﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 461﴾ ﴿الاصابہ، جلد 4، عربی صفحہ 322﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 3، عربی صفحہ 392﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 348﴾

65: ابن ابی حاتم نے حدیث بیان کی ہے، جس کے راوی معان بن رفاعہ ہیں۔ انہوں نے علی بن یزید سے اور انہوں نے ابو عبدالرحمٰن قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے جو کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن معاویہ کے غلام تھے۔ ان سے ابو امامہ الباہلی نے بیان کیا کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا فرمائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثعلبہ! تم پر افسوس (تم نے اللہ کے نبی سے مطالبہ کیا بھی تو حقیر مال و دولت کا) وہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر کرنے کی تو طاقت و ہمت نہیں رکھتا۔"

اس وقت تو ثعلبہ چلا گیا مگر کچھ دنوں بعد پھر عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے مال و دولت کی دعا فرمایئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کو سمجھایا اور فرمایا:

"کیا تو اس بات پر خوش نہیں ہے کہ تو اللہ کے نبی (کے نقشِ قدم پر چل کر ان) جیسی زندگی گزارے۔؟ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونا چاندی بن جاتے اور میرے ساتھ ساتھ چلتے رہتے۔"

ثعلبہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اگر مجھے مال کی فراوانی عطا ہوئی تو میں ہر حق دار کا حق بطریق احسن ادا کروں گا۔"

ثعلبہ کے بار بار سوال دہرانے اور اصرار کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے دے۔''

ثعلبہ نے بکریاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں یوں اضافہ ہونے لگا جیسے برسات میں مینڈکوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ مدینہ اس کی بکریوں کے لیے تنگ پڑ گیا اور وہ کثیر ہو گئی کہ مدینہ میں سماتی ہی نہ۔ وہ مدینہ سے باہر ایک وادی میں چلا گیا۔ اب وہ ظہر اور عصر کی نماز تو مسجد نبوی میں ادا کرتا مگر باقی تینوں نمازیں بکریوں کے پاس تن تنہا ادا کرنے لگا۔

بکریاں مسلسل بڑھتی جا رہی تھیں حتیٰ کہ وہ وادی بھی تنگ ہو گئی۔ ثعلبہ اس سے آگے ایک اور میدان میں چلا گیا اب ساری نمازیں بکریوں کے پاس اور صرف جمعہ کے دن نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کرنے چلا آتا۔ بکریاں اور زیادہ ہو گئیں۔ میدان سے بھی آگے جانا پڑا۔ اب نمازِ جمعہ بھی گئی جو لوگ جمعہ پڑھ کر واپس اپنے اپنے دیہاتوں کو جاتے ہوتے، اب ان سے ثعلبہ مدینہ کے حال احوال پوچھ لیا کرتا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کا حال دریافت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس کی بکریاں بہت زیادہ ہو گئی ہیں اور وہ مدینہ سے دور چلا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ثعلبہ! تم پر افسوس! اے ثعلبہ! تم پر افسوس!''

جب زکوۃ کی فرضیت کا حکم (اس آیت ''خذ من اموالھم صدقۃ'' (پارہ 11، سورۃ التوبہ، آیت نمبر 103 کے ساتھ) نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملینِ زکوۃ کو مختلف علاقوں میں بھیجا اور زکوۃ کی وصولی، نصاب اور شرح وغیرہ سے متعلق تمام احکام لکھ کر انہیں دے دیئے۔ ثعلبہ والے علاقے میں دو صحابہ کو بھیجا گیا جن میں سے ایک بنو جہینہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایک بنو سلیم سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ثعلبہ اور بنو سلیم کے فلاں آدمی سے زکوۃ وصول کر کے لے آؤ۔''

یہ دونوں صحابی مدینہ منورہ سے نکلے اور ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کا حکم سنایا اور خط دکھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اس نے کہا:

''یہ تو جزیہ ہے جزیہ! یہ تو جزیہ کی طرح ٹیکس ہے۔ خدا کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ آپ لوگ جائیں اور دیگر افراد سے وصولی کر لیں پھر میرے پاس آنا۔''

جب یہ صحابہ بنو سلیم کے مسلمان کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا استقبال کیا اور خط پر مسرت و خوشی کا اظہار فرمایا۔ پھر اپنے اونٹوں میں سے بہترین قسم کے اونٹ چھانٹ چھانٹ کر پیش کر دیئے۔ یہ دیکھ کر ان دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

''یہ تو درست نہیں ہے کہ ہم چن چن کر بہترین مال لیں۔ ہمیں تو درمیانے درجے کا مال وصول کرنے کا حکم ہے۔''

بنو سلیم کے مسلمان صحابی نے فرمایا:

''خدا کے لیے قبول کر لو! کیونکہ میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں اور میری خواہش ہے کہ راہِ خدا میں بہترین مال پیش کروں۔''

اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مال لے کر وہ دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دیگر زمینداروں کے پاس گئے اور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے واپسی پر پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ ثعلبہ نے ان دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''ذرا مجھے خط تو دکھاؤ۔''

خط پڑھنے کے بعد اس نے پھر وہی بات دہرائی کہ یہ تو جزیہ ہے جزیہ!''

اس کے بعد کہنے لگا:

''تم لوگ جاؤ۔ میں اس مسئلے پر غور کروں گا۔''

یہ دونوں صحابی مدینہ پہنچے تو ان لہ بات سننے سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم کے صحابی کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ثعلبہ کے لیے فرمایا:

''افسوس ثعلبہ پر! افسوس ثعلبہ پر!''

اس کے بعد ان دونوں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ساری کہانی سنائی۔ اس موقع پر سورۃ التوبہ کی یہ آیات

نازل ہوئیں۔

''ومنهم من عٰهدالله لئن اتنامن فضله لنصدقن ولنكونن
من الصلحين ○ فلمااتهم من فضله بخلوابه وتولوا وهم
معرضون ○ فاعقبهم نفاقافي قلوبهم الى يوم يلقونه
بمااخلفواالله ما وعده وبما كانوا يكذبون ○''

﴿القرآن المجید، سورۃ نمبر 9 (التوبہ)، آیت نمبر 75-76-77﴾

''اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے۔ ○ تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔ ○ تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے۔ بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے۔ ○''

ثعلبہ کے رشتے داروں نے جب یہ آیات سنیں تو اس کے پاس گئے، اسے برا بھلا کہا اور یہ بھی بتایا کہ تیرے بارے میں سخت وعید پر مشتمل آیات نازل ہوئیں ہیں۔''

ثعلبہ اب بکریاں لے کر مدینہ منورہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''میرا صدقہ اور زکوۃ قبول فرمائیں۔''

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے مجھے تمہارا صدقہ وزکوۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔''

اب ثعلبہ نے سر میں مٹی ڈالی اور رونے دھونے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے تجھے سمجھایا تھا مگر تو نہ مانا۔ اب تیرا ہی کیا دھرا تیرے سامنے آیا ہے۔

ثعلبہ روتا دھوتا واپس آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ خلیفۂ

رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مال لے کر آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول فرمالیں۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

> ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا مال قبول نہیں فرمایا۔ میں کون ہوتا ہوں قبول کرنے والا۔؟“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ثعلبہ مال لے کر آیا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی فرمایا:

> ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارا مال قبول نہیں فرمایا تو میں تمہارا مال کیسے لے سکتا ہوں۔؟“

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ثعلبہ حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس کا مال قبول فرمالیں مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا!

> ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے تمہارا مال مسترد کر دیا تو عثمان کون ہوتا ہے قبول کرنے والا۔؟“

حضرت عثمان غنی کے دورِ خلافت میں ہی ثعلبہ ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک ہوگیا۔

﴿تفسیر ابن کثیر، جلد 2، عربی صفحہ 374﴾ ﴿الاصابہ، جلد 1، عربی صفحہ 199﴾ ﴿اسد الغابہ، جلد 1، عربی صفحہ 237﴾ ﴿حجۃ اللہ علی العالمین، جلد 2، اردو صفحہ 196-197﴾

66: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے عفان نے، ان سے حماد بن سلمہ نے، ان سے زبیر بن عبدالسلام نے اور ان سے ایوب بن عبداللہ بن مکرز نے بیان کیا ہے۔ ایوب کہتے تھے کہ حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی یہ واقعہ حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یوں سنایا کرتے تھے کہ حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آمد سے پہلے ہی اپنے دل میں سوچ رکھا تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور بدی کے بارے

میں ہر سوال پوچھ کر رہوں گا تاکہ کوئی نیکی مجھ سے پوشیدہ اور کسی برائی کے بارے میں میں بے خبر نہ رہ جاؤں۔

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت جمع تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھ رہے تھے۔ میں نے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے آگے بڑھنا چاہا تو لوگوں نے مجھ سے کہا:

''یوں گردنیں پھلانگنا ٹھیک نہیں ہے۔''

میں نے کہا:

''خدا کے لیے! مجھے بھی راستہ دے دو۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں۔''

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ شفقت ومحبت سے فرمایا:

''وابصہ کو چھوڑ دو۔ وابصہ! میرے قریب آجاؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو تین مرتبہ فرمائی۔ لوگوں نے میرے لیے راستہ بنا دیا اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم خود پوچھو گے یا میں بتا دوں کہ کس ارادے سے آئے ہو۔؟''

میں نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خود ہی بتا دیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نیکی اور بدی کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو۔''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں اکٹھی کر کے میرے سینے میں ٹھونکا دیا اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

"اے وابصہ! اپنے دل سے اور اپنے نفس سے پوچھ لیا کر۔ نیکی وہ ہے جس پر تیرا دل مطمئن ہو جائے اور برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے تردد میں مبتلا کر دے۔ یہی اصول پیشِ نظر رکھنا، اگر چہ لوگ تجھے فتویٰ دیتے رہیں۔ (غلط کہتے رہیں یا اس کے خلاف اور کوئی اصول بتاتے رہیں۔)

﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 181﴾

67: ابوداؤد سے محمد بن علاء نے، ان سے ابن ادریس نے، ان سے عاصم بن کلیب نے ان سے ان کے والد نے اور ان سے ایک انصاری صحابی نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے کی جانب نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے نکلے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ قبر کے کنارے کھڑے تھے اور قبر کھودنے والے سے فرما رہے تھے:

"پاؤں کی جانب سے ذرا اور کھودو اور سر کی جانب سے بھی کشادہ کرو۔"

نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ آئے تو ایک عورت کے قاصد نے اس کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت طعام دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ کھانا پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے حاضرین نے بھی ہاتھ بڑھائے۔ لوگ کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا اور اسے منہ میں پھیرنے لگے۔ پھر فرمایا:

"محسوس کرتا ہوں کہ اس بکری کا گوشت اس کے مالک سے پوچھے بغیر پکا لیا گیا ہے۔"

یہ سن کر دعوت بھیجنے والی عورت نے ایک آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بتا کر بھیجا اور اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کسی ہمسائے کو بقیع کی طرف بھیجا کہ وہ مجھے ایک بکری خرید کر لا دے مگر بکری نہ مل سکی۔ میں نے پھر اپنے ہمسائے کے ہاں پیغام بھیجا کہ وہ مجھے رقم لوٹا دے، مگر ہمسایہ گھر پر نہ

تھا۔ میں نے اس کی بیوی سے مطالبہ کیا تو اس نے یہ بکری بھیج دی جو ہمسائے نے اپنے لیے خریدی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”(حاضرین میں سے یہ کھانا کوئی نہ کھائی بلکہ) یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔“

﴿البدایہ والنہایہ، جلد 6، عربی صفحہ 191﴾ ﴿الاصابہ، جلد 2، عربی صفحہ 249﴾

68: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

”یمن کے قبائل سے اور گرد و نواح کے مشرک قبائل سے اپنے قبیلے اور آس پاس کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔“

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نکلے اور یمن کے علاقے جرش میں جا پہنچے۔ جرش اس دور میں ایک بند شہر تھا جس کے گرد فصیل بنی ہوئی تھی۔ اس میں یمن کے بعض قبائل رہتے تھے اور بنو خثعم کے کچھ لوگ بھی ان کے پاس پناہ گزیں تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر یمنیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عہ اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کا مہینہ بھر محاصرہ کیے رکھا مگر قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالآخر محاصرہ اٹھا لیا اور چلے گئے۔ قلعہ کے محصورین نے بزعم خویش یہ سمجھا کہ حملہ آور شکست کھا کر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قلعے سے نکل کر ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ جب حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکر نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو اہل جرش نے ان کو آ لیا۔

حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ دشمن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ان کا بری طرح قتل عام ہوا۔ اہل جرش نے اس

سے قبل دو نمائندے مدینہ بھیجے تھے کہ صورت حال کا جائزہ لیں اور آ کر بتائیں کہ انہوں نے مدینہ کے حاکم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسا پایا۔؟

یہ دونوں افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

"شکر کس ملک اور علاقے میں واقع ہے۔؟"

انہوں نے جواب دیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر (اہل جرش شکر کو کشر کہا کرتے تھے) کہتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ کشر نہیں بلکہ شکر ہے۔"

انہوں نے پوچھا:

"اس پہاڑ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دریافت فرمایا؟ کیا کوئی خاص وجہ ہے۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس لیے اس پہاڑ پر قربانی کے جانور ذبح ہو رہے ہیں۔"

یہ گفتگو عصر کی نماز کے بعد ہوئی۔ یہ گفتگو سن کر وہ دونوں شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے (اور یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شکر پہاڑ پر قربانی کے جانور قربان ہو رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟) تو انہوں (حضرت ابوبکر یا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے ان سے فرمایا:

"تمہاری بربادی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو تمہاری قوم کے قتل عام کی خبر دی ہے۔ اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر عرض کرو کہ وہ تمہاری قوم کے حق میں دعا فرمائیں کہ ان سے عذاب ٹال دیا جائے۔"

یہ سن کر وہ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا فرمائی:

"اللھم ارفع عنھم"

"اے اللہ! ان (اہل جرش) سے (غم، حزن اور عذاب) کو دور فرما دے۔"

اسی وقت یہ دونوں افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ اسی دن اور اسی وقت ان لوگوں کو حضرت صرد بن عبداللہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ میں تہہ و تیغ کر دیا تھا اور جو بچے تھے انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے) الٹے پاؤں بھاگ کر جان بچائی۔

☆☆☆

اسلام کی مقبولیت

عالمی ادیان اور اسلام

اسلام جس تیز رفتاری سے پھیلا دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ملکی اور مقامی مذاہب کا ذکر ہی کیا، تمام عالمی مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور بدھ مت وغیرہ) صدیوں تک نہایت گمنامی کی حالت میں رہے۔ یہی معاملہ یہودیت کے ساتھ پیش آیا۔ بدھ مت بھی اپنے بانی کے زمانے میں آس پاس کی چند چھوٹی ریاستوں سے باہر قدم نہ رکھ سکا تھا۔ البتہ صدیوں بعد راجاؤں اور فرمانرواؤں کی سرپرستی میں پروان چڑھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد عیسائیت بھی تاج و تخت کے سایہ میں اشاعت پذیر ہوئی، لیکن اسلام اپنے آغاز سے تیئس سال کے اندر اندر جزیرہ نما عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔ یہی نہیں بلکہ اگلے پچیس سال میں کسریٰ کے مقبوضات اور قیصر کا بہت بڑا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ اسی دوران اسلام ایشیا اور افریقہ میں بھی بہت مقبول ہوا۔

مقبولیت کے غیر معمولی اسباب

یہاں ہمیں دیکھنا ہے کہ اس غیر معمولی مقبولیت کے اسباب کیا ہیں۔ عیسائی مبلغین اس کی تمام تر وجہ قوت کا استعمال بتاتے ہیں لیکن تاریخ سے گہری دلچسپی رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کوئی تحریک آج تک قوت کے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہو سکی۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ عمدہ سے عمدہ تحریکیں صرف تشدد کے باعث ناکام ہو گئیں۔ پھر اسلام کی اشاعت کا سبب تلوار کو قرار دینا حقائق سے دیدہ ودانستہ چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی مقبولیت کا سب سے اہم سبب اس کی تعلیمات کی گہرائی ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی ہدایات نہ صرف اگلی دنیا میں چین وآرام کی راہیں کھولتیں ہیں بلکہ اس دنیاوی زندگی میں بھی امن واطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لئے مشعل راہ بھی ہیں۔ اسلام کی اس ہمہ گیر اور قابل عمل تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ ہر خطہ اور ہر ملک کے باشندوں نے اسے قبول کیا اور اس کے ذریعہ وہ ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہو گئے۔

اسلامی تعلیمات میں جس چیز نے سب سے زیادہ لوگوں کو لبھایا وہ اس کی مساوات کی تعلیم ہے جس کے ذریعہ صدیوں کے درماندہ لوگوں کو نئی زندگی مل گئی۔ وہ مظلوم طبقہ جو نامعلوم زمانے سے مٹھی بھر لوگوں کے پنجہ جور میں بری طرح جکڑا ہوا تھا اس نے اسلام کے دامن میں آکر پناہ لی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد میں اکثریت اور بہت بڑی اکثریت ایسے لوگوں کی رہی ہے جو غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اسلام نے جہانبانی کے جو اصول سکھلائے ہیں اور جس طرز حکومت سے بنی نوع انسان کو روشناس کرایا ہے۔ لوگ اس کے گرویدہ ہو کر بہ کثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسلام کی مقبولیت کا ایک اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ اسلام نے وحدت ادیان کا اصول پیش کیا ہے۔ اس کی رو سے تمام مذاہب جن کی بنیاد توحید پر ہے سب کے سب سچے ہیں اور ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو وقت اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اللہ کی طرف سے انسان کی اصلاح کی خاطر وقتاً فوقتاً آتے رہے۔

اس وحدت ادیان کے ساتھ اسلام نے سچائی اور نجات کی اجارہ داری کا بھی بالکل خاتمہ کر کے رکھ دیا ہے۔ مذاہب عالم میں اکثریت ایسے مذاہب کی ہے جنہوں نے نجات کو کسی خاص فرقہ یا گروہ کے لوگوں تک محدود کر دیا ہے، لیکن اسلام میں نجات کا دروازہ ہر ایک شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو خود کو خالق کائنات کے سپرد کر دے اور نیک عملی کو اپنا شعار بنا لے۔ اس طرح انسان پہلی بار اس حقیقت سے روشناس ہوا کہ کسی خاص نسل یا قوم میں پیدا ہونا نجات کی ضمانت نہیں ہے، بلکہ رنگ و نسل سے ہٹ کر تقویٰ، تزکیہ نفس اور حسن سیرت ہی دنیا میں فلاح اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

☆☆

دین اسلام...... پیغمبر اسلام کے بعد

خلافت، بادشاہت اور غلامی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا۔ ان خلفاء کا عہد حقیقی جمہوریت کا عہد تھا۔ ہر طرف بغاوت کے آثار تھے۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرت و فراست نے ان سب پر غلبہ پا لیا۔ قرآن کی تدوین کا خیال بھی اسی دور میں پیدا ہوا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ ان کے دور میں اسلام عرب سے نکل کر عراق، ایران، شام، مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پر فتن زمانہ تھا۔ ان دونوں خلفاء کے زمانے میں اسلام دشمن عناصر پھر میدان عمل میں آ گئے اور انہوں نے اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شہنشاہیت کا آغاز ہوا اور اس کے سب سے پہلے علم بردار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اموی خاندان کی حکومت کی بنیادوں کو استوار کیا۔ اموی عہد میں اسلامی فتوحات کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ اسلامی مملکت کی

حدود ہندوستان اور سپین تک وسیع ہوگئیں، لیکن اسلام کی وہ انقلابی روح جس کا پیغام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے بہت حد تک مردہ ہوگئی۔ یہ زمانہ تقریباً اسی ۸۰ سال پر محیط ہے۔

امویوں کے بعد عباسی آئے جنہوں نے فتوحات پر دنیاوی ثقافت کو ترجیح دی۔ ان کا عہد علوم وفنون کا عہد تھا، جس سے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ظہور ہوا۔ عباسی حکومت پانچ سو برس تک قائم رہی لیکن اس کا انحطاط دو سو برس بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ آخری تین سو برس میں متعدد چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں وجود میں آگئیں، جن میں سلاجقہ، غزنوی اور ایوبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عباسیوں کے بعد سب سے بڑی اسلامی حکومت جو تقریباً سات صدیوں تک قائم رہی عثمانیوں کی تھی جن کی فتوحات یورپ کے اکثر ممالک پر محیط تھیں۔ عثمانی حکمران بھی اپنے آپ کو خلفاء کہلواتے تھے۔ انقلاب ترکی کے بعد اس خلافت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی مسلمانوں کی غلامی اور نکبت وادبار کا دور ہے جس پر یورپی طاقتوں نے مسلمانوں کو اپنا محکوم بنالیا۔ اگرچہ ان کی حکومتیں بتدریج ان کی غلامی سے نکلتی جارہی ہیں، لیکن بین الاقوامی سیاست کے زیر اثر اب بھی وہ کسی نہ کسی یورپی طاقت کے زیر اثر ضرور ہیں۔

☆☆☆

اسوۂ رسول اکرم ﷺ

تاریخ انسانی میں ایسے لاکھوں ممتاز افراد گزرے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کے لئے اپنی زندگیاں نمونے اور ماڈل کے طور پر پیش کیں۔ ان میں سے شاہان عالم ہیں، جنگی سپہ سالار ہیں، علماء، حکماء اور فاتحین عالم ہیں اور شہرۂ آفاق شاعر ہیں۔ اسی طرح اسٹیج عالم پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں اور ہر زندگی ایک کشش رکھتی ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان مختلف گروہوں میں سے کس کی زندگی بنی آدم کی سعادت، نجات اور ہدایات کی ضامن ہے اور اس کے لئے قابل تقلید اسوۂ حسنہ ہے؟ اس معیار پر پرکھیں تو انبیاء علیہم

السلام کا گروہ ہی ایسا قابل تقلید نمونہ ہے جو اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان کے حقیقی مسلمان، اعمال کی بہتری، اخلاق کی نیکی، قلوب کو صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کی کامیاب سعی اگر کسی گروہ انسانی نے کی ہے تو وہ نفوس قدسیہ انبیاء کرام کا گروہ ہی ہے۔ وہ انسانی ہدایت کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے اور رشد و ہدایت کی مشعل روشن کر کے چلے گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کی ضیاء پاشیوں سے آج بھی تمام انسانی گروہ یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ انبیاء کا پیام باہمی انس و محبت اور عالمگیر اخوت کا پیغام تھا۔ بقول مولانا روم:

"انبیاء توڑنے نہیں جوڑنے آتے ہیں۔"

یہ نفوس قدسیہ (انبیاء کرام) اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے مناسب حال اخلاق حسنہ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا اور تاریکی و ضلالت کے مقابلے میں ایسا رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا جس سے صراط مستقیم تک رسائی آسان ہو گئی۔ مگر اب ضرورت ایسے رہنما اور پیشوا کی تھی جو پورے عالم کو بقعہ نور بنا دے اور ہمارے ہاتھ اپنی اعلیٰ ترین عملی زندگی کا وہ مکمل ہدایت نامہ دے دے جس کو لے کر اس کی حکیمانہ ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ رہبر کامل سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کی تعلیم دائمی اور ابدی ہیں یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو علم و عمل کا مجموعہ کمال بنایا گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، کیونکہ آپ کی پوری زندگی ایک روشن کتاب کی طرح ہمارے لئے کھلی ہے، کوئی واقعہ راز اور جہالت کی تاریکی میں گم نہیں۔ اس طرح آپ کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے یعنی مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لئے جن ماڈلوں اور نمونوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قول و فعل اور تعلیم و عمل کا حسین مرقع ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جس تعلیم کو پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کی ترجمان اور ذاتی عمل اس کے مطابق ہے۔ ورنہ اچھے سے اچھا فلسفہ اور عمدہ سے عمدہ نظریہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ البتہ جو چیز پیش نہیں کی جاسکتی وہ اس نظریئے اور فلسفے کے مطابق عمل ہے۔ اس لحاظ سے بھی سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لئے ازلی نمونہ اور ابدی اسوۂ حسنہ ہے۔

اسوۂ حسنہ قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن کریم کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر ایک مسلمان کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة"

"تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

(سورۃ الاحزاب: آیت نمبر ۲۱)

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں ہر قدم پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ حضور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انسانی کے ہر شعبے، ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔

انسانوں کے ہر طبقہ اور گروہ کے لئے اس سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کی رہنمائی موجود ہے۔ جو لوگ بچپن میں ناساز ماحول میں گھر جاتے ہیں ان کے لئے آمنہ کے لال اور در یتیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں تسلی و اطمینان کا سامان ہے۔ نوجوانوں کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء داری اور عفت میں نمونہ عمل ہے، جو کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ تاجروں کے لئے مکہ معظمہ کے اس تاجر کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جس کے تجارتی لین دین کی سچائی اور معاملے کی صفائی کا شہرہ ملک شام تک تھا۔ اس طرح اگر تم حکمران ہو تو سلطان عرب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پڑھو۔ اگر رعایا ہو تو قریش کے مجاہد کو ایک نظر دیکھو۔ اگر تم استاد ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ اگر طالب علم اور شاگرد ہو تو رحمٰن عزوجل کے شاگرد پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ

اور ناصح ہو تو مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر بے اولاد ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن وحسین کے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھو۔ اگر مزدور اور محنت کش طبقہ کے افراد ہو تو مسجد نبوی کے معمار اول کو دیکھو کہ جنہوں نے ”محنت میں عظمت ہے“ کا عملی پیغام دیا۔

غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی اصلاح کے لئے سامان اور تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایات کا چراغ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کامل میں ہر وقت مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور حق کے ہر متلاشی کے لئے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارکہ ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”انما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق“
”میں جملہ اخلاق عالیہ کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔“

اخلاقِ فاضلہ انسان کی عملی سیرت کا نام ہے۔ قرآن پاک نے اس بات کی عملی شہادت دی ہے کہ آپ اپنے عمل واخلاق کے لحاظ سے بھی بلند ترین انسان تھے۔ قرآن مجید نے دوست ودشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

”وانك لعلى خلق عظيم“
”بے شک آپ خلق عظیم کے حامل ہیں۔“
(سورۃ القلم: آیت نمبر: ۴)

سیرت کے روشن ترین پہلو

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی تو شب وروز میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا کہ جب خدا کی یاد سے آپ کا دل اور ذکر سے زبان غافل ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"آپ ہر وقت خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔"

صبر، توکل اور خدا پر اعتماد کی شان دیکھیں تو صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتی ہے۔ حکم الٰہی تھا:

"واصبر کما صبر اولو العزم من الرسل"

(القرآن المجید)

"جس طرح صاحب عزیمت رسولوں نے صبر و استقلال دکھایا تو بھی دکھا۔"

آپ نے وہی کر کے دکھایا۔

قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔ مگر صبر و استقلال کا دامن آپ کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا۔ ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں۔ کفار آپ کا پیچھا کرتے ہیں اور غار ثور کے دھانے تک پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرا کر کہتے ہیں:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دو ہیں اور دشمن کثیر۔؟"

ایک تسکین بھری آواز آتی ہے:

"ابوبکر ہم دو نہیں۔

"لاتحزن ان اللہ معنا"

"گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر: ٦)

اسی طرح عفو و درگزر سے کام لینا اور دشمنوں سے پیار کرنا صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حصہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کرنے سے قبل برابر سات برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجیں لاتے رہے۔ وہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ اسی طرح ان کی بیوی "ہندہ" جس نے احد کے معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے حرمتی کی اور ان کے سینے کو چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا، فتح مکہ کے موقع پر رحمۃ للعالمین آنے نہ صرف میاں بیوی کو معاف کر دیا بلکہ یہ بھی فرمایا:

''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔''

غرض تاریخ عالم میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتے ہیں۔ آخری حج کے موقعہ پر جب کہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک لاکھ چالیس ہزار پروانوں کا ہجوم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کا آخری پیغام سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے ساتھ اپنی ذاتی مثال بھی پیش فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے سودی لین دین آج باطل کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی کاروبار ختم کرتا ہوں۔''

(مسند امام احمد)

الغرض چھوٹے بڑے، حاکم ومحکوم، فاتح ومفتوح، دوست ودشمن، اپنے بیگانے، معلم و متعلم، مقنن ومصلح، غرض سب کے لئے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ یکساں مفید اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

☆☆☆

القرآنُ المجید

قرآن کا لفظ ''قرات'' سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں:

''پڑھنا اور تلاوت کرنا۔''

قرآن مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں:

''بکثرت پڑھی جانے والی کتاب۔''

اس کتاب الٰہی کا یہ نام ''قرآن'' کسی انسان کا رکھا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ نام خود خداوند تعالیٰ نے رکھا ہے۔

1: سورۃ الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○"

(سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل)، آیت نمبر 106)

2: سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 82)

3: سورۃ یوسف میں ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○"

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر 3)

4: سورۃ الحجر میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○"

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 87)

5: سورۃ الحجر میں ہی ہے:

" الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○"

(سورۃ الحجر، آیت نمبر 91)

6: سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

" فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○"

(سورۃ النحل، آیت نمبر 98)

7: سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝"

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 9)

8: سورۃ الاسراء میں ہی ارشاد ہے:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝"

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر 45)

9: سورۃ طٰہٰ میں ارشاد ہے:

"مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝"

(سورۃ طٰہٰ، آیت نمبر 2)

10: سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے:

"وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ۝"

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر 30)

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بیسوں آیات میں قرآن مجید کا نام "القرآن" موجود ہے۔

اس کتاب کو قرآن کریم کا نام دینے میں دراصل ایک زبردست پیش گوئی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ یہ کتاب اس کثرت سے دنیا میں پڑھی جائے گی کہ کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ اس امر کا شاہد ہے کہ یہ پیشگوئی نہایت تسلسل اور تواتر سے پوری ہو کر قرآن مجید کی صداقت پر ایک زبردست شہادت ثابت ہوئی ہے اور قیامت تک ثابت ہوتی رہے گی۔ چنانچہ دشمنوں اور مخالفوں کو بھی مجبور ہو کر تسلیم کرنا پڑا:

"حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے، جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینکا، نولڈ یکے کا مقالہ قرآن)

یہی وہ کتاب ہے جسے کروڑوں افراد دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ جو بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ نوعمر بچوں کے سینوں میں محفوظ ہے جو رمضان المبارک میں پوری کتاب صحت لفظی اور حسن قرأت کے ساتھ سناتے ہیں۔

نزولِ قرآنِ مجید

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سال کی مدت میں نازل فرمایا۔ جب اس کا نزول شروع ہوا تو اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا اکتالیسواں سال تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی غیر غار حرا میں نازل ہوئی۔ وہ سورۃ العلق کی یہ آیات ہیں:

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٥ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥"

(سورۃ العلق: آیت نمبر 1 تا 5)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کریم کا نام لے کر پڑھو۔ جس نے (کائنات) کو پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے سکھلایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا علم اس کو نہ تھا۔"

آخری وحی کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری حج ادا فرمایا تو آیت کلالہ نازل ہوئی:

" يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ

اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ o“

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۱۷۶)

”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں (اللہ کا) حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے......“

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف فرمایا تو یہ آیت نال ہوئی:

” اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا“

(سورۃ المائدہ: آیت نمبر۴)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔“

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

” وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ق ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ o“

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۲۸۱)

”اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی۔“

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

”اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو سورۃ البقرہ کی 280 نمبر آیت کے سرے پر رکھو۔“

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی دن زندہ رہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی ترتیب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی ہوئی ہے۔ جس روز قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا اس روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہو گئی گویا جو اس کا نازل

کرنے والا تھا وہی اس کو مرتب کرنے والا بھی تھا۔

حفاظتِ قرآن مجید...... معجزۂ قرآن مجید

کنفیوشس ازم اور زرتشت ازم میں ردوبدل ہوتا رہا اور کبھی کبھی تو وہ بالکل ناپید بھی ہوگئیں۔ پھر نہ جانے مرتب کرنے والوں نے انہیں کہاں سے مرتب کرلیا۔ ان سب کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اپنی اصل زبان (عربی) میں آج تک اسی صورت سے محفوظ ہے جیسے وہ اترا تھا۔ قرآن دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زمانے میں مرتب ہوگیا تھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کے مختلف نسخے کراکر مختلف جگہوں پر بھیجے۔ چنانچہ اس کے قدیم ترین اور جدید ترین نسخوں میں ایک شوشے کا فرق بھی نہیں ملتا۔ اسلام کے کٹر مخالف بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے پاک اور منزہ ہے۔

جمع کے معنی ہیں:

”قرآن کو حفظ کرنا اور سینہ میں محفوظ کرنا۔“

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

”انا علینا جمعه و قرانه“

”بیشک اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترنی شروع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس د یاد کرنے کی غرض سے جلدی جلدی پڑھتے تو یہ آیت حضور پر اتری:

”ہم اسے آپ کے دل میں جمع کردیں گے اور اسے آپ کی زبان سے پڑھائیں گے۔“

اس طرح دوسری آیت میں ایسی ہی تاکید کی کہ آپ زبان تیز نہ کریں، ہم اس کو حفظ کرائیں گے۔ ارشاد ہے:

”لاتحرك به لسانك لتعجل به“

دوسری جگہ ہے آپ جلدی نہ کریں۔ ارشاد ہے:

”ولاتجعل بالقران انما نعدهم عدا“

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ امی تھے مگر آپ فصیح ترین کلام دنیا کو سنا رہے تھے۔ اسی وجہ سے حفاظ قرآن کو جماع قرآن بھی کہتے ہیں۔

قرآن مجید اتنا جامع اور مختصر کلام الٰہی ہے کہ اسے سینوں میں محفوظ رکھنا آسان ہے۔ یہ بھی اس کا اعجاز ہے کہ بے شمار علوم کا مخزن ایک مختصر سے مجموعہ میں سمویا ہوا ہے۔ یاد کرنے میں آسان ہے اور سمجھنے میں مشکل نہیں۔ ان دونوں باتوں کی طرف قرآن مجید کا ارشاد ہے:

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ“

(سورۃ القمر، آیت نمبر 17)

قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی کوئی ایسی مذہبی کتاب نہیں جسے حفظ کیا جاتا ہو۔ عیسائیوں نے جب قرآن مجید کو ضائع کرنے کا منصوبہ بنایا تو انہوں نے اس کے لئے خطیر رقم شروع کی مگر انہیں بتایا گیا کہ پہلے تو یہ بہت مشکل ہے، اگر معاذ اللہ یہ تم کر بھی لو تو قرآن مجید ان لاکھوں حفاظ کے دلوں سے کیسے نکالو گے جو اس کو محفوظ رکھے ہیں؟ اس پر انہوں نے منصوبہ ہی ترک کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

”انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون“

”ہم ہی اس قرآن کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہونے آئے تو انہوں نے حفظ قرآن کی شرط بیان کی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان شریف میں اکسٹھ قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔ دن اور رات میں دو اور پورے ماہ میں اس کے برعکس ۔ ہمیں کسی مقدس کتاب کے متعلق ایسا لگاؤ تا حال دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

جب سے قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا ہے، اس دن سے آج تک کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ قرآن مجید اس میں نہ پڑھا گیا ہو۔ لاکھوں مسلمان روزانہ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ شان صرف قرآن مجید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

"فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"

"پس پڑھو (نماز میں) جو قرآن کا حصہ آسانی سے پڑھ سکو۔"

(سورۃ المزمل، آیت نمبر 20)

یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں ہے:

"The Holy Quran is the most read book in the World"

قرآن مجید دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جو زمانہ کے ساتھ متواتر ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی۔ قرآن مجید وہ کتاب ہے، جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذاالقرآن لایاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا٥"

(بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۸۸)

"کہہ دیجئے کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ ٥"

سورۂ بقرہ میں منکرین کو صرف ایک سورت کی مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء کم من دون الله ان کنتم صدقین ٥فان لم تفعلوا ولن تفعلوا"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۳)

"اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو تم اس

کی مانند کوئی سورت بنالاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی اور یاد رکھو کبھی نہ کر سکو گے۔"

یہ دونوں آیات قرآن مجید کا بے مثل ہونا ثابت کرتی ہیں۔

دلائلِ اعجاز

قرآن مجید کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، صرف چند ایک اعجازی پہلوؤں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید علوم کا خزانہ ہے جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہئے۔

قرآنی علوم کو چار عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

1: جن میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم، تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبداء و معاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم شامل ہے۔

2: جن میں عمرانیات، علم سیاسیات، علم اقتصاد، علم قانون، علم تمدن، علم ہندسہ اور علم مناظرہ شامل ہیں۔

3: جن میں علم کیمیا، علم طبیعات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم الجبال، علم الحیوان، علم ہیئت اور علم طبابت شامل ہیں۔

4: جس میں صرف ونحو اور معانی و بیان کے علم شامل ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لا رطب و لایابس الافی کتاب مبین"

"کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جو اس روشن کتاب میں نہ ہو۔"

اس آیت میں "رطب" سے مراد روحانی علوم اور "یابس" سے مراد بقیہ تمام علوم ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"مافرطنا فی الکتاب من شی ء"

"ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔"

(سورۃ الانعام، آیت نمبر: ۳۸)

قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں ، جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالٰی ثابت کرنے کے لئے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانے میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر بااخلاق اور باخدا انسان بنا دیا۔ موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے:

> ''اسلام کو جو وگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔''

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب ''لیکچرز آن ہیروز'' میں لکھتے ہیں:

> ''اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔''

قرآن مجید اپنی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے بلکہ مخالفین کو بھی ہے۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خلیب اور شاعر تھے۔ جن کی زبان آوری مسلمہ تھی، سب فصحاء و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگ پڑے۔ لبید معلقہ کا شاعر تھا ۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا:

> ''جب خدا نے مجھے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران سکھائی ہے تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔''

''Popular Enecyclopedia'' میں لکھا ہے:

> ''قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی انتہائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔''

قرآن مجید اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت وبلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیائے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔

چنانچہ سر جارج لکھتا ہے:

”انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔“

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

”ولقدجاء هم من الانبياء مافيه مزدجر حكمة بالغه فماتغن النذر“

(سورۃ نمبر ۵۴، آیت نمبر ۴ اور ۵)

”اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعے) وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے۔ یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔“

اس وقت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور کہتے تھے:

”جب کوئی مسلمان قرآن پڑھ کر سنائے تو شور کرو۔“

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قال الذين كفروا لاتسمعوا لهذاالقرآن والغوافيه لعلكم تغلبونo“

(حم السجدہ: آیت نمبر ۲۶)

”کفار نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنا کرو اور اس کے پڑھنے کے وقت شور وغل کیا کرو، شاید تم غالب آجاؤ۔o“

جان ویسک جرمن فلاسفر کہتا ہے:

”جب قرآن پیغمبر کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔“

قرآن مجید تیس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے، کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لا سکتا ہے کہ اس قسم کے حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم

رہے اور جو وہ کلام پیش کرے اس میں اختلاف نہ ہو۔؟ قرآن مجید منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

"افلا یتدبرون القران لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ○"

(سورۃ النساء: آیت نمبر ۸۲)

"پھر کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔ ○"

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علیم و خبیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور بعض وہ خبریں ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

1: قرآن مجید نے بائبل میں تحریف و تغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے نا آشنا تھی۔ آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلم اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون ○"

"پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ ○"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۷۵)

رومن تاریخ کلیسا، مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے:

"بہت سے مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے، ایسی جعلی کارروائیاں تیسری

صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل شرم حرکت تھی۔"

2: قرآن مجید نے فرعون کی لاش کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہوگی۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فالیوم ننجیك ببدنك لتكون لمن خلفك ایة وان كثیرا من الناس عن ایتنا الغافلون"

"ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان رہے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔"
(سورۃ یونس، آیت نمبر:۹۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جو فرعون تھا اس کا نام رعمیس ثانی تھا۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں مضمون "ممی" کے تحت لکھا ہے کہ رعمیس ثانی کی لاش آج بھی محفوظ ہے۔

قوت دلائل کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید کا نام "بینة" ہے جس کے معنی ہی واضح اور کھلی دلیل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"فقد جاء كم بينة من ربكم"
(سورۃ الانعام: آیت نمبر ۱۵۷)

قرآن کا قاری آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔ قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا پیغام دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کان الناس امة واحدة فاختلفوا"

"سب لوگ ایک ہی امت تھے پس انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔"
(سورۃ الیونس، آیت نمبر:۵۲)

سماوی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جس نے مکمل ہونے کا دعوی کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا''

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔''

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۳)

جو بلند مقام قرآن مجید نے انسان کو دیا ہے کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

''ولقد کرمنا بنی ادم''

''اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔''

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وامنوا بماانزلت مصدقا لما معکم''

''ایمان لاؤ جو میں نے اتارا ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔''

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۶۱)

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

''مصدقالما بین یدیہ من الکتاب''

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۴۸)

قرآن مجید میں ہے:

''مانسخ من ایۃ او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا''

''جو پیغام ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس

جیسا لے آتے ہیں۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۰۶)

اس آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں۔ اس وجہ سے آیت سے مراد شرائع سابقہ ہیں۔ آیت کا لفظ رسالت اور پیغام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

متعدد مقامات پر قرآن مجید لوگوں کو "یاایھا الناس" سے مخاطب کرتا ہے۔ قرآن مجید کسی خاص قوم یا نسل کو مخاطب نہیں کرتا۔ دوسرے مذہب کے برعکس کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی رہنمائی کے لئے آئی تھیں، جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئیں تھیں وہ عالمگیر دعویٰ کا متقاضی نہیں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا۔ ارشاد باری ہے:

"ان ھو الا ذکر للعالمین"

"یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔"

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر: ۱۰۴)

قرآن مجید اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں راہِ اعتدال پر چلنے کی دعا سکھائی ہے:

"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم"

"اے اللہ! ہمیں سیدا راستہ چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعام ہوئے۔"

(سورۃ الفاتحہ، آیت نمبر ۶ اور ۷)

اس وجہ سے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"و کذلک جعلنکم امۃ وسطا"

"اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۴۳)

امت وسط سے مراد ایسی جماعت ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے ارفع سے ارفع مقام پر پہنچی ہو۔

پہلی کتب سماوی میں جو اجمال اور ابہام رہ گیا تھا قرآن مجید اس کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العالمین"

"اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے، اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو، اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔"

(سورۃ الیونس، آیت نمبر: ۳۷)

اس آیت میں قرآن مجید کی دو شاخیں بیان ہوتی ہیں:

1: تصدیق بین یدیہ۔
2: تفصیل کتاب۔

ارشاد باری ہے:

"ما انزلنا علیك الکتب الالتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون"

"ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ تا کہ جو عقائد باطلہ عقول ناقصہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں ان سب کا رد کیا جائے۔ یہ قرآن ایمان داروں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔"

(سورۃ النحل، آیت نمبر: ۶۴)

لہٰذا قرآن مجید نے عقائد باطلہ، اقسام شرک، تثلیث، ثنویت، کفارہ اور تناسخ کا مدلل رد کیا ہے۔

عقیدۂ ثنویت کا رد: یہ عقیدہ زرتشت مذہب کا ہے۔ وہ دو خدا اہرمن اور یزدان کا قائل تھا۔ اس کے رد میں ارشاد باری ہے:

"قال اللہ لا تتخذوا الھین اثنین انما ھو الہ واحد"

''اور اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ۔ وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے۔''
(سورۃ النحل: آیت نمبر ۵۱)

قرآن اور عصری سائنسی تحقیق

اس دنیا میں انسانی زندگی کی ابتداء کے ساتھ ہی انسان نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ وہ فطرت کو اپنی عقل و فہم سے سمجھ سکے۔ اس نظام عالم میں اپنی حیثیت اور زندگی کا مقصد سمجھ کر متعین کر سکے۔ بہت سی صدیوں، زمانوں اور کئی تہذیبوں پر محیط سچ کی اس تلاش کے دوران مذاہب نے انسانی طرز حیات کو تشکیل دیا اور ممکن حد تک تاریخ کی راہ کو متعین کیا۔ بعض مذاہب کی اساس تحریری لٹریچر ہے۔ ان لٹریچروں کے متعلق ان مذاہب کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا یہ لٹریچر الہامی ہے۔ جب کہ باقی بہت کثیر تعداد کے مذاہب محض انسانی تجربات پر انحصار کے حامل ہیں۔

کتاب اللہ (قرآن مجید) اسلامی عقائد کی اساسی اور بنیادی کتاب ہے۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب مکمل طور پر الوہی بنیاد کی حامل ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر بھی یقین ہے کہ یہ کتاب (قرآن مجید) تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے۔ ان مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کا پیغام اس کے نزول اور مابعد نزول کے تمام ادوار کے لئے ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں یہ عقیدہ اس وقت درست ہوگا جب معلوم ہو جائے کہ کیا یہ ہر دور کے حسب حال ہے۔؟ تو دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن اس آزمائش پر پورا اترتا ہے۔؟

دنیا کی تاریخ کے میں ایسا وقت بھی تھا کہ جب ''معجزہ'' یا معجزہ نما انسانی عقل و دلائل پر کلی فوقیت رکھتا تھا۔ بیشک معجزہ کی آسان تر تعریف یہی ہے کہ ''کوئی بھی چیز جو عام انسانی زندگی کی کیفیات سے بالاتر ہو یا وہ کہ جس کے لئے نسلِ انسانی کے پاس کوئی وضاحت موجود نہ ہو، وہ معجزہ کہلاتی ہے۔''

ایک کتاب جو کہ الہامی ہونے کی دعویدار ہے اور درحقیقت سرعام معجزہ ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے تو فقط اس طرح کا دعویٰ ہی ہر دور میں مسلمہ اور معیار کے مطابق قابلِ عمل و

تصدیق ہونا چاہیے۔ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ جل جلالہ کی آخری کتاب ہے، معجزات کا معجزہ (Miracle of Miracles) ہے اور انسانی نسل کے لئے حاملِ رحمت ہے۔

دعویٰ قرآنِ حکیم

ہر دور میں شعر گوئی اور ادب انسان کی صلاحیت اور اظہارِ خیال کے ذرائع مانے گئے ہیں۔ دنیا میں وہ دور بھی آیا جب ادب اور شعر گوئی کو تمام شعبوں پر فضیلت و برتری حاصل رہی۔ اسی طرح جیسا کہ آج عصری سائنس اور ٹیکنالوجی کو ہر چیز پر فضیلت و سبقت حاصل ہے۔

علاوہ ازیں تمام غیر مسلم سکالرز بھی اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن مجید تمام عربی ادب پر سبقت و فوقیت رکھتا ہے اور قرآن مجید ہی روئے زمین پر عربی ادب کی مسلمہ و بے نظیر کتاب ہے۔

لہذا قرآن مجید ساری نسلِ انسانی کو اس بات کا چیلنج دیتا ہے کہ وہ تمام مل کر اس جیسی کوئی چیز بنا کر دکھائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعو شهدآ کم من دون الله ان کنتم صدقین○ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقواالنار التی وقودها الناس الحجارة اعدت للکفرین○"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 1، سورۃ نمبر 2 (البقرہ)، آیت نمبر 23-24)

"اور اگر تمہیں اس (قرآن مجید) میں کوئی شک ہے، جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمایا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے سب مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو!○ پھر اگر تم نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، وہ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔○"

یہ قرآن مجید کا چیلنج ہے کہ پوری انسانیت میں سے کوئی اس قرآن جیسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ ہی بنا کر دکھا دے۔ یہی چیلنج قرآن مجید میں کئی مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ ایک ایسی سورۃ بنانے کا چیلنج جو خوبصورتی، فصاحت، بلاغت، منطق، فلسفہ، گہرائی اور معنی آفرینی میں کسی قرآنی سورۃ کے کسی قدر مماثل ہو ابھی تک پورا نہیں کیا جا سکا۔

عصر حاضر کا عقلیت پسند آدمی کبھی بھی ایک مذہبی صحیفے کو تسلیم نہیں کرے گا جو کہ بہترین فصاحت و بلاغت والی زبان میں یہ کہتا ہے کہ زمین چپٹی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ اس دور میں رہتا ہے جہاں انسانی دلائل، منطق، فلسفہ اور سائنس کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی اس خوبصورت کتاب کو اس کے اعلیٰ ادب کی وجہ سے الہامی ہونے کے ثبوت کے طور پر قبول نہیں کریں گے۔ کوئی بھی مقدس کتاب جو کہ الوہی ہونے کا دعویٰ کر رہی ہو، لازم ہے کہ وہ اپنے دلائل اور منطق کی بنیاد پر بھی قابل قبول ہو۔

چنانچہ مشہور نوبل انعام یافتہ ماہر طبیعات "البرٹ آئن سٹائن" کہتا ہے۔!

"مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے۔"

آیئے ہم قرآن مجید کا مطالعہ اس نظر سے کرتے ہیں کہ "کیا قرآن مجید اور عصری سائنس میں، ہم آہنگی اور یگانگت پائی جاتی ہے کہ نہیں۔؟

قرآن مجید سائنس کی کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ نشانیوں، براہین، دلائل اور آیات کی کتاب ہے۔ قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ نشانیاں (آیات) ہیں جن میں سے ایک ہزار سے زائد صرف سائنس سے متعلق ہیں۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ سائنس بہت دفعہ "یوٹرن" لیتی ہے۔ اس لیے میں نے صرف تسلیم شدہ سائنسی حقائق کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور ان تصورات (Hypotheses) اور نظریات (Theories) کا تذکرہ نہیں کیا جو کہ ابھی تک محض مفروضے ہیں اور جن کا تا حال کوئی ثبوت نہیں ہے۔

تخلیق کائنات

ماہرین فلکیات تخلیق کائنات کی وضاحت ایک مقبول نظریئے "بگ بینگ" سے

کرتے ہیں۔ ماہرینِ فلکیات (Astrophysicists) اور فلکی سائنس دانوں (Astronomers) کا سالہا سال کے مشاہدات اور تجربات سے جمع کردہ ڈیٹا بھی اس نظریہ (بگ بینگ) کی تائید کرتا ہے۔ بگ بینگ کے مطابق تمام کائنات شروع میں ایک بڑی کمیت (Primary Nebula) تھی پھر (دوسری بگ بینگ علیحدہ) ہوئی، جس کی وجہ سے کہکشاؤں (Galaxies) نے جنم لیا، پھر یہ کہکشائیں ستاروں، سیاروں، سورج اور چاند کی صورت میں تقسیم ہو گئیں۔ کائنات کی ابتداء بالکل اَچھوتی تھی اور اس کا اتفاقیہ یا خود بخود بن جانا کوئی ممکن بات نہیں۔ کائنات کی ابتداء سے متعلق مندرجہ ذیل آیت ہمیں بتاتی ہے:

"اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنھما"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 30)

"کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ بیشک آسمان اور زمین دونوں آپس میں یک جان تھے تو ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا۔؟"

کسی بھی اہل علم کا اس قرآنی آیت اور بگ بینگ کے نظریے کے درمیان ہم آہنگی سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ ایک کتاب جو کہ چودہ سو ستائیس سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے عرب میں نمودار ہوئی اس عمیق سائنسی حقیقت کی حامل کیسے ہو سکتی ہے۔؟

فلکیاتی مادہ بصورتِ دھواں

سائنسدانوں کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ کہکشاؤں (Galaxies) کے وجود میں آنے سے پہلے فلکیاتی مادہ "گیس" کی صورت میں تھا۔ مختصر یہ کہ گیس کے مرغولے یا بادل کہکشاؤں (Galaxies) کی تخلیق سے پہلے موجود تھے۔ اس فلکیاتی مادہ کے لئے دھوئیں کا لفظ گیس کی بہ نسبت زیادہ موزوں ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کائنات کی اس حالت کی طرف "دخان" کے لفظ کے ذریعے اشارہ کرتی ہے، جس کے معنی دھواں کے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

''ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 24، سورۃ نمبر 41 (حم السجدۃ)، آیت نمبر 11)

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ایک دھواں تھا پس اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ تم دونوں اطاعت کرو خوشی سے یا ناخوش ہو کر ان دونوں نے کہا، ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہیں۔''

دوبارہ یہ حقائق ''بگ بینگ'' کے منطقی نتیجے پر مشتمل ہیں اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھے۔ پھر اس علم کا ماخذ کیا ہو سکتا ہے۔؟

زمین انڈے کی شکل میں

پرانے وقتوں میں لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زمین چپٹی (Flat) ہے۔ صدیوں تک انسان دور کسی مہم پر جانے سے ڈرتا رہا کہ کہیں وہ کنارے سے گر نہ جائے۔ سر فرانس ڈریک وہ پہلا شخص تھا جس نے 1597ء میں بحری سفر کرنے کے بعد یہ ثابت کیا کہ زمین بیضوی (انڈے جیسی) ہے۔ قرآن مجید کی آیت ملاحظہ ہو جو کہ دن اور رات کی تبدیلی یاد دلاتی ہے۔ ارشا باری تعالیٰ ہے:

''الم تر ان اللہ یولج الیل فی النھار ویولج النھار فی الیل''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 31 (لقمان)، آیت نمبر 29)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں۔''

اس آیت کریمہ میں داخل کرنے سے مراد ہے کہ رات آہستہ آہستہ اور بتدریج دن میں بدلتی ہے اور دن بتدریج اور آہستہ آہستہ رات میں۔ یہ عمل صرف اور صرف اس صورت میں ممکن ہے اگر زمین بیضوی ہو۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو رات اور دن کی تبدیلی فوراً واقع

ہو جاتی۔

مندرجہ ذیل آیت بھی زمین کے بیضوی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ مالک کون ومکاں کا ارشاد ہے:

"خلق السموت والارض با لحق يكور اليل على النهار ويكور النهار على اليل"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 39 (الزمر)، آیت نمبر 5)

"اسی اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر۔"

یہاں صیغہ "یکور" باب تفعیل سے استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی لپیٹ لینے کے ہیں، جیسا کہ پگڑی کو سر کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ دن اور رات کے لپیٹنے کا عمل صرف اور صرف اس صورت میں ممکن ہے جب زمین بیضوی ہو۔

زمین بالکل گیند کی طرح گول نہیں بلکہ ارضی بیضوی ہے یعنی کہ یہ قطبین پر چپٹی ہے۔ مندرجہ ذیل آیت زمین کی شکل کی وضاحت کرتی ہے۔ ارشاد ہے:

"والارض بعد ذلك دحها"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 79 (النزعت)، آیت نمبر 30)

"اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔"

یہاں انڈے کے لئے استعمال کیا جانے والا عربی لفظ "دحھا" ہے جس کا مطلب ہے شتر مرغ کا انڈہ۔ شتر مرغ کا انڈہ زمین کی شکل سے مماثلت رکھتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم مکمل درستگی سے زمین کی شکل کی وضاحت کرتا ہے، حالانکہ اس وقت جب قرآن اتارا گیا یہ خیال کیا جاتا تھا کہ زمین چپٹی (Flat) ہے۔

چاند کی روشنی منعکس شدہ ہے

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ چاند کی روشنی اپنی ہے۔ سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ چاند کی روشنی منعکس شدہ ہے۔ بہر حال یہ حقیقت آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن میں بیان کی

گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”تبرك الذی جعل فی السمآء بروجا و جعل فیها سراجا
و قمرا منیرا O“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 19، سورۃ نمبر 25 (الفرقان)، آیت نمبر 61)

”بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں سورج اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔“

جس طرح سورج کو عربی میں ”شمس“ کہتے ہیں اسی طرح اسے ”سراج“ بھی کہا جاتا ہے، جس کے معنی مشعل (Torch) کے ہیں۔ بعض مواقع پر آفتاب کو ”وھاج“ یعنی جلتا ہوا چراغ بھی کہا گیا ہے۔ یہ تمام سورج کے لئے مناسب ہیں کیونکہ سورج احتراق کے عمل کی بدولت روشنی اور حرارت مہیا کرتا ہے۔ جبکہ عربی میں چاند کو ”قمر“ کہتے ہیں اور اسے قرآن کریم میں ”منیر“ کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے یعنی کہ وہ جسم جو کہ منعکس شدہ روشنی دیتا ہو۔ یہاں پھر قرآنی وضاحت چاند کی اصل ماہیت سے میل کھاتی ہے، جو کہ خود روشنی نہیں دیتا بلکہ محض سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ قرآن کریم میں کسی بھی جگہ چاند کو سراج، مشعل، دیا یا وہاج نہیں کہا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سورج اور چاند کی روشنیوں کی نوعیت میں فرق روا رکھتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت سورج اور چاند کی روشنی کے مابین تعلق کو واضح کرتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”هو الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 11، سورۃ نمبر 10 (یونس)، آیت نمبر 10)

”اللہ وہ ہے جس نے آفتاب کو گرم روشنی بنایا اور چاند کو ٹھنڈی روشنی۔“

”الم تروا کیف خلق الله سبع سموت طباقا O وجعل
القمر فیهن نورا وجعل الشمس سراجا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 71 (نوح)، آیت نمبر 15-16)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر تلے

پیدا فرمائے ٥ اور اس نے ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ۔''

لہٰذا قرآن کریم اور عصری سائنس سورج اور چاند کی رشنی کے فرق پر مکمل طور پر متفق ہے ہیں۔

گردشِ سورج

عرصہ دراز تک یورپی فلاسفر اور سائنسدان یہ بات تسلیم کرتے رہے کہ زمین کائنات کے مرکز میں واقع ہے اور ساکن ہے اور باقی تمام اجسام بشمول سورج اس کے گرد گھومتے ہیں۔ مغرب میں زمین کے مرکز ہونے کا نظریہ (geocentric theory) دوسری صدی قبل از مسیح ''بطلیموس'' (Ptolemy) کے زمانے سے رائج تھا۔ 1512ء میں ''نکولس کوپرنیکس'' آگے بڑھا اور اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین کے بجائے سورج نظام شمسی کا مرکز ہے اور باقی تمام سیارے بشمول زمین اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔

1609ء میں جرمن نژاد سائنسدان ''جوہانس کیپلر'' کی "Astronomia Nova" نامی کتاب شائع ہوئی۔ جس میں یہ بات بتائی گئی کہ نہ صرف تمام سیارے بیضوی مدار میں سورج کے گرد گھومتے ہیں بلکہ وہ اپنے محور کے گرد بھی غیر متوازن رفتار کے ساتھ گھومتے ہیں۔ اس علم کی بدولت یورپی سائنسدانوں کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ نظام شمسی کی اصل ماہیت کو جان سکیں اور دن رات کی تبدیلی سے آگہی حاصل کرسکیں۔ ان دیافتوں کے بعد یہ خیال کیا جانے لگا کہ سورج ساکن ہے اور زمین کی طرح اپنے محور پر حرکت نہیں کرتا۔ اس بارے میں قرآن کیا کہتا ہے:

''وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر ٥ کل فی فلك یسبحون ٥''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 33)

''اور اللہ وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔''

مابعد والی آیت میں مذکور صیغہ فعل مضارع ''یسبحون'' سبح سے بنا ہے۔ یہ اپنے معنی

میں کسی متحرک جسم سے اخذ کردہ حرکت کا تصور رکھتا ہے۔ اگر اس کو زمین پر کھڑے کسی آدمی کیلئے استعمال کیا جائے تو اس کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ وہ تیر رہا ہے یا لڑھک رہا ہے، بلکہ یہ بتائے گا کہ وہ چل یا دوڑ رہا ہے۔ اگر اس کا استعمال پانی میں موجود کسی شخصیت کیلئے کیا جائے تو اس کا معنی یہ نہیں ہوگا کہ وہ بہہ رہا ہے بلکہ یہ توضیح کرے گا اس معنی کی کہ وہ آدمی تیر رہا ہے۔

بہر حال اگر ''یسبح'' کسی فلکی جسم کیلئے استعمال کیا جائے یعنی سورج اور چاند وغیرہ کے لیے تو اس کا معنی محض یہ نہیں ہوگا کہ ''وہ خلا میں حرکت کر رہا ہے۔'' بلکہ اس کا یہ مطلب بھی ہوگا کہ وہ خلا میں حرکت کے ساتھ ساتھ اپنے محور پر بھی گردش کر رہا ہے۔ عصر حاضر میں زیادہ تر سائنس کی درسی کتب میں اب اس حقیقت کو نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے کہ سورج اپنے محور کے گرد گھومتا ہے۔ سورج کی اپنی محور کے گرد گردش کو ایسے ساز و سامان کی مدد سے ثابت کیا جا سکتا ہے جو سورج کے عکس کو میز کو سطح پر ڈال سکتا ہو۔ اس طرح ہر آدمی وہ جو آنکھوں سے محروم نہیں ہے سورج کے عکس کو با آسانی دیکھ سکتا ہے۔ علماء سائنس یہ جانتے ہیں کہ سورج میں دھبے ہیں جو کہ پچیس دنوں میں اپنا چکر مکمل کرتے ہیں یعنی کہ سورج تقریباً پچیس دنوں میں اپنے محور کے گرد چکر کی تکمیل کر لیتا ہے۔ سورج خلا میں ایک اندازے کے مطابق دو سو چالیس کلو میٹر فی سیکنڈ کی تیز ترین رفتار سے سفر کرتا رہتا ہے اور تقریباً دو سو 200 ملین سالوں میں ہماری کہکشاں کے گرد چکر مکمل کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لا الشمس ينبغى لهاان تدرك القمر و لا اليل سابق النهار و كل فى فلك يسبحونO

(القرآن المجید، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 36 (یٰسین)، آیت نمبر 40)

''سورج کی یہ مجال نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔''

مذکورہ آیت ایک حقیقتِ ثابتہ کو سامنے لاتی ہے جو کہ صرف کچھ عرصہ پہلے جدید فلکیات کے مطالعے سے سامنے آئی۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ''سورج اور چاند کے الگ

الگ خاص مدار ہیں اور خلا میں ان کا سفر بھی مخصوص راستوں پر ہے۔

(القرآن المجید، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر (یٰسین)، آیت نمبر 40)

جس طرف سورج اپنے نظامِ شمسی سمیت سفر کر رہا ہے جدید فلکیات نے وہ مخصوص راہ ڈھونڈ نکالی ہے۔ اس کو "Solar Apex" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حقیقت مسلمہ ہے کہ پورا نظام شمسی خلا میں اس سمت رواں دواں ہے جو کہ "Constellaction of Hercules" میں واقع ہے۔ جس کا اصل اور مخصوص مقام عصر حاضر میں معلوم کر لیا گیا ہے۔

چاند اپنے محور کے گرد چکر مکمل کرنے میں اتنا وقت صرف کرتا ہے جتنا وقت وہ زمین کے گرد چکر لگانے میں صرف کرتا ہے۔ چاند تقریباً ساڑھے انتیس دن میں اپنے مدار کے گرد ایک چکر کی تکمیل کرتا ہے۔ کوئی بھی انسان آیات قرآنیہ کی اس درست سائنسی توجیہات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا ہمیں اس سوال میں غور نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن میں بیان کیے گئے علم کا ماخذ کیا ہے۔؟

سورج کی تباہی

جدید سائنس کے مطابق آفتاب کی روشنی کا وجود اس کیمیاوی عمل کی وجہ سے ہے جو کہ گزشتہ پانچ ارب سالوں سے سورج میں مسلسل ہو رہا ہے۔ یہ کیمیاوی عمل کسی بھی وقت دم توڑ سکتا ہے، جس کے ختم ہوتے ہی سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی اور جب سورج بجھ جائے گا تو زمین پر زندگی کو مٹا ڈالے گا۔ قرآن سورج کے فانی ہونے کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ”والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدیر العزیز العلیمo“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 36 (یٰسین)، آیت نمبر 38)

”اور سورج اپنے مقررہ راہ پر چل رہا ہے یہ مقرر کردہ ہے غالب و دانائی والے کا۔“

مذکورہ حقیقت کو قرآن مجید کی سورۃ رعد آیت نمبر 2، سورۃ فاطر آیت نمبر 13، سورۃ الزمر آیت نمبر 5 اور سورۃ الزمر آیت نمبر 21 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہاں استعمال کیا گیا عربی لفظ ''مستقر'' ہے جس کا معنی ہے'' ایک مقررہ جگہ یا وقت۔'' بہر حال قرآن مجید فرماتا ہے کہ سورج ایک مقررہ سمت میں رواں دواں ہے اور سورج ایسا پہلے سے مقرر کردہ وقت تک کرتا رہے گا یہاں تک کہ ختم نہیں ہو جاتا یا بجھ نہیں جاتا۔

بین النجوم مادہ

عصر گزشتہ میں یہ خیال عام تھا کہ منظم فلکیاتی نظام کے باہر صرف خلا (Vaccum) ہے۔ پھر فلکی طبیعات کے ماہرین اپنی انتھک کوششوں سے بعد ازاں اس درمیانی خلا میں ''مادے کے پل'' کی دریافت میں کامیاب ہو گئے۔ مادے کے یہ پل ''پلازما'' کہلاتے ہیں اور یہ مکمل "Ionized" گیس پر مشتمل ہیں جن میں "Electrons" اور "Protons" کی تعداد یکساں ہے۔ پلازما کو بعض اوقات مادے کی (تین دوسری حالتوں یعنی Solid, Liqued, Gas کے علاوہ) چوتھی حالت تصور کیا جاتا ہے۔

کتاب اللہ (قرآن مجید) اس آیت میں ستاروں کے درمیان موجود مادے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

> ''الذی خلق السموت والا رض وما بینهما''
> (القرآن الکریم، پارہ نمبر 19، سورۃ نمبر 25 (الفرقان)، آیت نمبر 59)
>
> ''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس کو بھی پیدا کیا جو ان دونوں کے درمیان ہے۔''

کسی بھی ذی عقل آدمی کے لیے یہ بات ضرور قابل تعجب ہوگی کہ آج سے سوا چودہ سو سال قبل کسی کو اس بین النجوم فلکیاتی مادے سے آگاہی حاصل رہی ہوگی۔

پھیلتی ہوئی کائنات

1925ء میں امریکی ماہر فلکیات "Edwin Hubble" نے اس بات

کا مشاہداتی ثبوت مہیا کیا کہ کہکشاؤں کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ کائنات کا پھیلنا عصر حاضر میں ایک واضح ترین سائنسی حقیقت ہے اور یہی وہ بات ہے جو کائنات کی کیفیت کے بارے میں قرآن مجید بیان کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''والسمآء بنینھا باید وانا لموسعون''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 27، سورۃ نمبر 51 (الذریت)، آیت نمبر 47)

''اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ بنایا اور بیشک ہم وسیع القدرت ہیں۔''

''موسعون'' کا درست ترجمہ ''پھیلا رہے ہیں'' ہی بنتا ہے اور یقیناً یہ پھیلتی ہوئی کائنات کی طرف اشارہ ہے۔

ماہر فلکیات اور عظیم سائنسدان ''سٹیفن ہاکنگ'' اپنی کتاب "A Brief History of Time" میں کہتا ہے:

''یہ دریافت کہ کائنات پھیل رہی ہے، یہ بیسوی صدی میں ایک عظیم ذہنی انقلاب تھا۔''

قرآن مجید کائنات کے پھیلاؤ کے عمل کو اس وقت بیان کر رہا ہے جب انسان نے دوربین بھی ایجاد نہ کی تھی۔

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن میں موجود فلکیاتی حقائق Astromical (Facts حیران کن نہیں کیونکہ عرب فلکیات میں کافی ماہر تھے۔ وہ عربوں کے فلکیات میں ماہر ہونے کی حد تک صحیح ہیں لیکن وہ اس بات کو محسوس کرنے میں ناکام رہے ہیں کہ عربوں کے فلکیات میں ترقی کرنے سے صدیوں پہلے قرآن نازل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اوپر بیان کیے گئے سائنسی حقائق مثلاً: ''بگ بینگ کا نظریہ'' عربوں کو معلوم نہ تھا، حالانکہ وہ اس وقت سائنسی ترقی کے عروج پر تھے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں بیان کیے گئے حقائق قطعاً عربوں کے فلکیات میں ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہیں۔ حقیقت میں اس کا الٹ درست ہے، یعنی کہ انہوں نے فلکیات میں ترقی کی کیونکہ نجوم و فلکیات کو قرآن مجید میں اہم

مقام حاصل ہے۔

ایٹموں کی تقسیم

عصر سابقہ میں ''ایٹم کی تھیوری'' نے بڑی شہرت حاصل کی اور ہر جگہ و ملک میں مقبول عام ہوئی۔ یہ نظریہ اصل میں یونانیوں نے پیش کیا تھا۔ "Democrites" اس تھیوری کو پیش کرنے والا تھا جو تیس صدیاں پہلے گزرا ہے۔ "Democrities" اور وہ لوگ جو اس کے بعد آئے انہوں نے یہ مفروضہ قائم کر لیا تھا کہ مادے کی سب سے چھوٹی اکائی (یونٹ) ایٹم ہے۔ عرب بھی اس خیال سے متفق رہے۔

عربی لفظ ''ذرہ'' کا مشہور اور عام فہم مطلب ''ایٹم'' ہی ہے۔ حال ہی میں عصری سائنسی تحقیق سے یہ بات دریافت کی گئی ہے کہ ایٹم کو بھی توڑا جا سکتا ہے، یعنی کہ بیسویں صدی عیسوی میں آ کر یہ ثابت ہوا کہ ایٹم کو بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ چودہ سو پچیس سال (1425) سال قبل عربوں کے لئے یہ نظریہ کافی عجیب و غریب تھا۔ ان کیلئے ذرہ وہ حد بندی تھی جس سے آگے کی رسائی ممکن نہ تھی۔

کتاب اللہ کی ایک آیت سابقہ عربوں اور یونانیوں کے اس مفروضے کی نفی کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

> ''وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعة قل بلی وربی لتاتینکم علم الغیب لا یغرب عنه مثقال ذرة فی المسوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلك ولا اکبر الا فی کتب مبین○''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 34 (سبا)، آیت نمبر 3)

''اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، اے محبوب!! آپ فرما دیں ہاں! میرے رب کی قسم! وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی اور وہ غیب کا جاننے والا ہے، اس سے ایک ذرہ کے برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں، آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا مگر (سب کچھ) روشن کتاب میں

ہے۔"

یہی بات قرآن مجید کی سورۃ یونس آیت نمبر 61 میں بھی موجود ہے۔ مذکورہ بالا آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ جل جلالہ سائنس پر بھی قادر ہے۔ اس کا علم چھپی ہوئی، ظاہری بلکہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے چاہے وہ چیز ایٹم سے بڑی ہو یا چھوٹی۔ لہٰذا یہ آیت واضح طور پر یہ بتاتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ ایٹم سے چھوٹی بھی کوئی چیز ہو، حالانکہ یہ حقیقت سائنس کو عصر حاضر میں معلوم ہوئی لیکن قرآن یہ حقیقت چودہ سو پچیس سال پہلے بیان کر رہا ہے۔

آبی چکر

1580ء میں "Bernard Palissy" وہ پہلا شخص تھا جس نے موجودہ آبی چکر (Water Cycle) کا تصور پیش کیا۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کیسے سمندر وغیرہ کا پانی بخارات میں تبدیل ہوتا ہے اور ٹھنڈا ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بادل جہاں سے بنتے ہیں وہاں سے خشکی کی طرف رواں ہوتے ہیں۔ یہ پانی ندیوں اور جھیلوں کی صورت میں اکٹھا ہوتا ہے اور پھر واپس سمندروں میں جا گرتا ہے۔ اس طرح یہ آبی چکر (Water Cycle) مسلسل جاری رہتا ہے۔ ساتویں صدی قبل از مسیح یونانی فلسفی "Thales" کا یہ کہنا تھا کہ سمندروں کی سطح پر موجود پھوار کو آندھیاں زمین پر لا پھینکتی ہیں اور اس طرح بارش ہوتی ہے۔

عہد سابقہ میں لوگ زمین کے اندر پانی کے منبع سے ناواقف تھے۔ ان کا یہی خیال تھا کہ سمندروں کا پانی براعظم کے اندرونی حصوں پر آندھی کے تھپیڑوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ ان کا یہ بھی نظریہ تھا کہ پانی ایک خفیہ راستے سے یا کہ تحت الثریٰ سے آتا ہے۔ سمندر سے منسلک یہ تصوراتی راستہ افلاطون کے زمانے سے "Tartorus" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اٹھارویں صدی عیسوی کا ایک عظیم فلاسفر "Descartes" بھی انہی خیالات کا حامل تھا۔ ارسطو کا نظریہ تو انیسویں صدی عیسوی تک مسلمہ رہا۔ وہ نظریہ یہ تھا کہ پانی پہاڑوں کے ٹھنڈے غاروں میں تکثیف (Condensation) کے عمل سے گزرتا

ہے اور زمین کے نیچے جھیلیں بناتا ہے جو کہ بعد میں چشموں کی صورت میں ابھرتی ہیں۔

اب ہم جان چکے ہیں کہ بارش کا وہ پانی جو دراڑوں اور مساموں سے رینگ کر زمین کے نیچے پہنچتا ہے وہ اس کا باعث بنتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”الم تران اللہ انزل من السمآء مآء فسلکه ینا بیع فی الارض ثم یخرج به ذرعا مختلفا الوانه“

(القرآن الجید، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 39 (الزمر)، آیت نمبر 21)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پانی نازل کیا آسمانوں سے، پھر اسے چشمے (بنا کر) زمین میں چلایا، پھر وہی اللہ اس سے مختلف رنگوں کی کھیتی نکالتا ہے۔“

اور فرمایا:

”وینزل من السمآء مآء فیحی به الارض بعد موتها ان فی ذلك لایت لقوم یعقلونo“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (روم)، آیت نمبر 24)

”اور وہی نازل کرتا ہے آسمان سے پانی، پھر پانی سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرنے کے بعد، بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لیے۔“

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وانزلنا من السمآء مآء بقدر فاسکنه فی الارض وانا علی ذهاب به لقدرونo“

(القرآن الجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومنون)، آیت نمبر 18)

”اور ہم ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا ایک مقررہ اندازہ کے ساتھ، پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور بیشک ہم اس کو لے جانے (ختم کر دینے) پر (بھی) قادر ہیں۔“

یقیناً قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب آپ کو نہیں ملے گی جو آج سے چودہ سو تیس سال قبل واٹر سائیکل کی مکمل وضاحت کرتی ہو۔

عملِ تبخیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والسمآء ذات الرجع ○"

"آسمان کی قسم! جو مینہ (پانی) برساتا ہے۔"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 86 (الطارق)، آیت نمبر 11)

ہوائیں بادلوں کو بار آور کرتی ہیں

ارشاد ربانی ہے:

"وارسلنا الریح لواقح فانزلنا من السمآء مآء فاسقینکموہ"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 15 (الحجر)، آیت نمبر 22)

"اور ہم ہی نے تو ہوائیں بھیجیں (پانی سے) بھری ہوائیں، پھر ہم ہی نے تو آسمان سے پانی نازل کیا پھر وہ ہم نے تمہیں پلایا۔"

یہاں "لواقح"، "لقح" کی جمع ہے اور لاقحہ سے مشتق (بنا ہوا) ہے جس کا معنی بار آور کرنے کا ہے۔ آیت میں بیان کی مناسبت کے لحاظ سے اس بار آور کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہوائیں بادلوں کو دھکیلتی ہوئی تکثیف (Condensation) کے عمل کو بڑھاتی ہیں اور تکثیف کا عمل گرج، چمک اور آخر کار بارش کا موجب بنتا ہے۔ یہی بیان ہمیں قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ملتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

"الم تران الله یرجی سحابا ثم یولف بینه ثم یجعله رکاما فتری الودق یخرج من خلله وینزل من المسآء من جبال فیها من برد فیصیب به من یشآء ویصرفه عن من

یشآء یکاد سنا برقه یذهب بالابصار ٥“
(القرآن المجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 43)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے پھر وہ انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور وہ آسمانوں (میں جو اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اتارتا ہے اولے۔ پھر وہ جس پر چاہے اسے ڈال دیتا ہے، اور جس سے چاہے وہ اسے پھیر دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں (کی دیکھنے کی قوت کو) لے جائے۔“

مزید برآں ایک اور ارشاد ربانی سنیے:

”الله الذی یرسل الریح فتثیر سحابا فیبسطه فی السمآ کیف یشآء ویجعله کسفا فتری الودق یخرج من خلله فاذا اصاب به من یشآء من عبادة هم یستبشرون ٥“
(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 30 (روم)، آیت نمبر 48)

”اللہ وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں پھر وہ بادلوں کو پھیلاتا ہے آسمان میں جیسے وہ چاہتا ہے اور وہ بنا دیتا ہے بادل کو ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھے کہ اس سے مینہ نکلتا ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وہ پہنچا دیتا ہے، تو وہ اچانک خوشیاں منانے لگتے ہیں۔“

”وهو الذی یرسل الریح بشرا بین یدی رحمته ط حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنه لبلد میت فانزلنا به الماء فاخرجنا به من کل الثمرات کذلك نخرج الموتی لعلکم تذکرون ٥“

”اللہ وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے حتیٰ کہ جب وہ بھاری بادل اٹھالائیں تو ہم نے انہیں کسی مردہ شہر کی طرف ہانک دیا، پھر

اس سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے نکالے اس سے ہر قسم کے پھل، اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے تا کہ تم غور کرو۔ o"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 8، سورۃ نمبر 7 (الاعراف)، آیت 57)

"انزل من السمآء ماء فسالت اودیة بقدر ها فاحتمل السیل زبدا رابیا"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 13، سورۃ نمبر 13 (الرعد)، آیت نمبر 17)

"اسی اللہ نے آسمانوں سے پانی اتارا، پس بہہ پڑے ندی نالے اپنے اپنے اندازے سے، پھر اٹھایا (اوپر لے آیا) نالہ پھولا ہوا جھاگ۔"

"وھو الذین ارسل الریح بشرا بین یدی رحمته وانزلنا من السمآء ماء طهوراo ینحی ے به بلدة میتا و نسقیه مما خلقنا انعاما و اناسی کثیراo

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 25 (الفرقان)، آیت 48-49)

"اور اللہ وہی ہے جس نے اپنی رحمت (بارش) کے آگے ہوائیں خوشخبری (کے لیے) بھیجیں اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا تا کہ ہم اس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور ہم اس سے پلائیں ان کو جو ہم نے پیدا کیے ہیں کثیر چوپائے اور آدمی۔ o"

"والله الذی ارسل الریح فتشیر سحابا فسقنه الی بلد میت فاحیینا به الارض بعد موتها کذلك النشورo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 35 (فاطر)، آیت نمبر 9)

"اور اللہ وہی ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم اس کو مردہ شہر کی طرف لے گئے، پھر ہم نے اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا، اسی طرح (مردوں کو روز حشر) جی اٹھنا ہے۔"

"وجعلنا فیها جنت من نخیل و اعناب و فجرنا فیها من

العیون''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 36 (یٰسین)، آیت نمبر 34)

''اور ہم نے زمین میں باغات بنائے کھجور اور انگور کے اور ہم نے ہی تو زمین میں چشمے جاری کیئے۔''

''وما انزل الله من السمآء من رزق فاحیا به الارض بعد موتها و تصریف الریح ایت لقوم یعقلونO''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 25، سورۃ نمبر 45 (الجاثیہ)، آیت نمبر 5)

''اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے (خشک ہونے) کے بعد اور ہواؤں کی گردش میں عقل والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔O''

''وانزلنا من السمآء مآء مبرکا فانبتنا به جنت وحب الحصید O والنخل بسقت لها طلع نضیدO رزقا للعباد و احیینا به بلدة میتا کذلك الخروجO''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 50 (قٓ)، آیت نمبر 9-10-11)

''اور ہم ہی نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتی کا غلہ اور بلند و بالا کھجور کے درخت اگائے، جن کے خوشے تہہ بہ تہہ ہیں، بندوں کے لیے بطور رزق اور ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا ، اسی طرح (قبر سے) نکلنا ہوگا۔''

''افرئیتم المآء الذی تشربونO ء انزلتموه من المزن ام نحن المنزلونO لو نشاء جعلنه اجاجا فلو لا تشکرونO''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 27، سورۃ نمبر 56 (الواقعہ)، آیت 68-69-70)

''کیا تم دیکھتے ہو وہ پانی جو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اسے بادل سے نازل کیا یا ہم

نازل کرنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ہم اسے بدذائقہ کردیں پس تم کیوں شکر نہیں کرتے۔ o؟"

پہاڑ زمین کی میخیں ہیں

ارضیات میں بل پڑنے (Folding) کا عمل حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔ بل پڑنے کی ہی وجہ سے پہاڑی سلسلے وجود میں آتے ہیں۔ زمین کی جس سطح پر ہم رہتے ہیں اسے زمین کی بالائی سطح کہتے ہیں۔ یہ ایک ٹھوس خول کی مانند ہے جبکہ اندرونی تہیں گرم مائع کی حالت میں ہیں۔ لہٰذا وہاں زندگی کا تصور کسی صورت ممکن نہیں۔ ماہرین ارضیات یہ بھی جانتے ہیں کہ پہاڑوں کا استحکام بل پڑنے کے عمل کی وجہ ہی سے ہے کیونکہ یہ بل ہی ہیں جو کہ پہاڑوں کو بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا نصف قطر (Radius) تقریباً "6035 KM" ہے اور قشر ارض (Crust) یعنی وہ سطح جس پر ہم رہتے ہیں بہت باریک ہے تقریباً "2 km to 35 km" کے درمیان اب چونکہ "Crust" بہت پتلی ہے لہٰذا اس کے ڈگمگانے کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ پہاڑ ان مشکلات پر قابو پانے کیلئے خیموں کے کیل کی مثل ہیں یعنی یہ قشر ارض (Crust) کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اسے استحکام دیتے ہیں۔

چنانچہ قرآن اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتا ہے:

"الم نجعل الارض مهداo والجبال اوتاداo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 78 (النباء)، آیت نمبر 6-7)

"کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔؟o"

آیت سابق میں "اوتاد" کا لفظ ہے جس کے معنی ایسی کیل یا میخ کے ہیں جیسی میخیں خیمہ کو نصب کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہیں یعنی یہ ارضیاتی تہوں کیلئے بنیاد کا کام کرتے ہیں۔

"Earth" کے عنوان سے بنیادی معلومات پر ارضیات کی کتاب دنیا کی بہت سی

یونیورسٹیز میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں سے ایک "ڈاکٹر فرینک پریس" ہیں جو کہ امریکہ میں اکیڈمی آف سائنس کے 12 سال صدر رہے اور امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر کے سائنسی مشیر بھی تھے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

> "پہاڑ جو کلہاڑی کے پھل (Wedge Shape) کی طرح ہیں، ان کی جڑیں زمین میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور جو حصہ ہمیں نظر آتا ہے وہ اس کا بہت چھوٹا جز ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر پریس کے بقول پہاڑ قشر ارض (Earth Crust) کی پائیداری اور اس کے استحکام میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

قرآن پاک واضح الفاظ میں پہاڑوں کے مقصد کو بیان کرتا ہے کہ وہ زمین کو لڑکھڑانے سے بچاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم"
(القرآن الکریم، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 21 (الانبیاء)، آیت نمبر 31)
"اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تا کہ زمین جھکے نہ۔"

یہی حقیقت قرآن کریم کی سورۃ لقمان آیت نمبر 10 اور سورۃ النحل کی آیت نمبر 16 میں واضح کی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآنی حقیقتیں جدید ارضیاتی مطالعوں سے مکمل میل کھاتی ہیں۔

پہاڑ مضبوطی کیساتھ جمے ہوئے ہیں

زمین کی سطح بہت سے ٹھوس ٹکروں کی صورت میں بکھری ہوئی ہے جو کہ کم و بیش "100 km" کا حجم رکھتے ہیں۔ یہ تہیں "Aesthenesphere" نامی نیم پگھلے مادے پر تیرتی ہیں۔ پہاڑ ان ٹکروں کی حدود پر وجود میں آتے ہیں۔

قشر ارض سمندروں کے نیچے تقریباً "5 km" موٹی ہے اور براعظمی علاقوں میں تقریباً "35km" موٹی ہے اور "80km" موٹی تہہ پہاڑی سلسلوں میں ہے۔ یہ وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر پہاڑ مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید پہاڑوں کی مضبوط

بنیادوں سے متعلق فرماتا ہے:

"والجبال ارسهاo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 79 (النزعت)، آیت نمبر 32)

"اور پہاڑوں کا بوجھ اس پر رکھ دیا گیا۔"

اسی حقیقت کو قرآن مجید کی دوسری سورۃ الغاشیہ کی آیت نمبر 19 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

بہرحال یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اور جدید ارضیاتی دریافتوں کی آپس میں ناقابل یقین حد تک مماثلت ہے۔

میٹھے اور نمکین پانی کے درمیان حد بندی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مرج البحرین یلتقینo بینهما برزخ لایبغینo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 27، سورۃ نمبر 55 (الرحمٰن)، آیت نمبر 19-20)

"اسی اللہ نے دو دریا جاری کیے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔o"

عربی میں "برزخ" کے معنی "آڑ، حد بندی یا علیحدگی" کے ہیں۔ یہ حد بندی بہر حال جسمانی اور ظاہری طور پر نہیں ہے۔ عربی لفظ "مرض" کا مطلب ہے کہ وہ دونوں آپس میں ملے ہوئے اور ہم آمیز ہیں۔ قدیم مفسرینِ قرآن پانی کے متعلق دو متضاد معنوں کی وضاحت سے قاصر تھے یہ کہ وہ چلتے ہیں اور مدغم بھی ہوتے ہیں اور ان کے درمیان ایک آڑ بھی قائم ہے۔ لیکن آج عصری سائنسی تحقیق سے یہ بات سامنے آگئی کہ دو سمندر جہاں پر ملتے ہیں وہاں ان کے درمیان ایک حد بندی قائم رہتی ہے۔ یہ حد بندی دونوں سمندروں کو اپنا انفرادی درجۂ حرارت، کھاری پن اور کثافت (Density) قائم رکھنے میں معاونت فراہم کرتی ہے۔ ماہرینِ بحریات اب بہتر طور اس آیت کی تشریح کر سکتے ہیں۔ جہاں بھی دو سمندر ایک دوسرے سے ملتے ہیں وہاں ہمیشہ ایک غیر مرئی ترچھی آڑ درمیان میں موجود

رہتی ہے لیکن جب ایک سمندر کا پانی دوسرے سمندر میں داخل ہوتا ہے تو اپنی انفرادی خصوصیات کھو بیٹھتا ہے اور دوسرے پانی میں حل پذیر ہو جاتا ہے اور دوسری طرف کے پانی سے ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ ایک طرح سے یہ آڑ دونوں پانیوں کیلئے بطور ہم آہنگ کرنے والے عبوری خطے کا کام کرتی ہے۔

یہ قدرتی عمل درج ذیل قرآنی آیات سے بھی واضح ہے جس میں ارشاد ربانی ہے:

"وجعل بین البحرین حاجزا"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 20، سورۃ نمبر 27 (النمل)، آیت نمبر 61)

"اور اس نے دو دریاؤں کے درمیان آڑ (حل فاصل) بنائی۔"

یہی ترچھے اور میٹھے پانی والا مظہر مختلف جگہوں پر دیکھنے پر ملتا ہے جس میں جبرالٹر (جو جبل الطارق کے نام سے مشہور ہے) کے مقام پر بحیرۂ روم (Mediteranean Sea) اور بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) کے ملاپ کا مقام نمایاں ہے۔ ایک سفید پٹی جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن کے مقام پر بھی دیکھی جا سکتی ہے جہاں بحر اوقیانوس اور بحر ہند آپس میں ملتے ہیں لیکن جب قرآن پاک سادہ اور نمکین پانی کے تقسیم کے متعلق بولتا ہے تو وہ آڑ کے ساتھ ایک مانع رکاوٹ کی موجودگی کا بھی بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح
اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا O"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 19، سورۃ نمبر 25 (الفرقان)، آیت نمبر 53)

"اور معبود وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا، ایک کا پانی شیریں ہے اور دوسرے کا کھاری اور دونوں کے درمیان پردہ اور مضبوط آڑ بنا دی۔"

عصری سائنس نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں دریا سمندر میں گرتا ہے یعنی نمکین اور میٹھا پانی ملتا ہے وہ جگہ اس مقام سے یکسر مختلف ہے جہاں دو نمکین سمندروں کی لہریں آپس میں ملتی ہیں۔ سائنس یہ بھی دریافت کر چکی ہے کہ وہ مقامات

جہاں پر دریا سمندروں میں گرتے ہیں وہاں ایک خاص پکنوکلائن زون (Pycnocline Zone) پایا جاتا ہے۔ اس مقام پر پانی کی شوریت، تازہ اور نمکین پانی دونوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس بیرئیر کا اپنا درجہ حرارت، نمکین پن اور انفرادی (Density) ہے۔

یہ مظہر کئی مقامات پر دیکھا گیا ہے جن میں سے اہم ترین مصر میں وہ مقام ہے جہاں دریائے نیل بحیرۂ روم میں گرتا ہے۔

قرآن مجید میں مذکور ان سائنسی مظاہر کی توثیق ''ڈاکٹر ولیم ہیے'' نے بھی کی ہے۔ وہ ایک مشہور بحری سائنسدان اور کولوریڈو یونیورسٹی میں ارضیاتی سائنس کے پروفیسر ہیں۔

سمندر کی گہرائی میں ظلمت

پروفیسر ڈرگاراؤ (Durga Rao) علم ارض کے مشہور زمانہ ماہر ہیں اور شاہ عبد العزیز یونیورسٹی جدہ میں بھی پروفیسر تھے۔ ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ پر تبصرہ کرنے کیلئے کہا گیا۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے:

''او کظلمت فی بحر لجی یغشه موج من فوقه موج من فوقه سحاب بعضها فوق بعض اذا اخرج یده لم یکد یرها و من لم یجعل الله له نورا فما له من نور''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 40)

''(یا ان کے اعمال ایسے ہیں) جیسے گہرے دریا میں اندھیرے، جنہیں موج ڈھانپ لیتی ہے، اس موج کے اوپر دوسری موج، اس کے اوپر بادل، اندھیرے میں ایک پر دوسرا، جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اسے دیکھ سکے اور جس کیلئے اللہ نور نہ بنائے اس کیلئے کوئی نور نہیں۔''

اس آیت کا تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر راؤ نے کہا:

'' سائنسدان اب جدید آلات کی مدد سے اس بات کی تصدیق کرنے کے قابل ہوئے ہیں کہ سمندر کی گہرائیوں میں تاریکی ہے۔ انسان پانی کے اندر

بغیر کسی مدد کے 20 سے 30 میٹر سے زیادہ گہرائی تک غوطہ نہیں لگا سکتا اور سمندر کی زیادہ گہرائی والی جگہ میں 200 میٹر سے زائد گہرائی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ مذکورہ بالا آیت تمام سمندروں کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ تمام سمندروں کو اوپر تلے تہہ در تہہ بڑھتی ہوئی تاریکی کا حامل نہیں کہا جا سکتا۔ یہ آیت خاص طور پر گہرے سمندر یا زیادہ گہرائی والے اور بھرے ہوئے سمندر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے ''وسیع گہرے سمندر میں تاریکی۔'' گہرے سمندر کی یہ تاریکی دو وجوہات کی بنا پر ہے۔ وجہ اول: روشنی کی ایک لہر قوس وقزح میں نظر آنے والے سات رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ سات رنگ بنفشی (Violet)، بینگنی (Indigo)، نیلا (Blue)، سبز (Green)، پیلا (Yellow)، نارنجی (Orange) اور سرخ (Red) ہیں۔ جب روشنی کی شعاع پانی سے ٹکراتی ہے تو انعطاف (Refraction) کے عمل سے گزرتی ہے تو اوپر والا 10 سے 15 میٹر پانی سرخ رنگ کو جذب کر لیتا ہے اور اگر کوئی غوطہ خور 25 میٹر پانی کی گہرائی میں زخمی ہوتا ہے تو وہ اپنے خون کے سرخ رنگ کو نہیں دیکھ سکے گا کیونکہ سرخ رنگ اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے ہی نارنجی رنگ کی شعاعیں 30 میٹر سے 50 میٹر تک جذب ہو جاتی ہیں اور پیلی اور تیز بنفشی شعاعیں 200 میٹر کے اوپر ہی جذب ہو جاتی ہیں۔ ان رنگوں کے متواتر غائب ہو جانے سے سمندر تہہ در تہہ بتدریج تاریک سے تاریک تر ہوتا چلا جاتا ہے یعنی روشنی کی تہوں میں تاریکی واقع ہو جاتی ہے اور 1000 میٹر کی گہرائی سے نیچے مکمل تاریکی ہوتی ہے۔

(Oceans, Elder and Pernetta, Page: 27)

وجہ ثانی: سورج کی شعاعوں کو بادل جذب کر لیتے ہیں اور پھر ان شعاعوں کو بکھیرتے ہیں جو بادلوں کے نیچے تاریکی کی ایک تہہ کا باعث بنتا ہے۔ یہ تاریکی کی ابتدائی تہہ ہے۔

جب روشنی کی کرنیں سمندر کی سطح سے ٹکراتی ہیں تو لہروں کی سطح کو چمکدار بناتے ہوئے منعکس ہو جاتی ہیں لہٰذا یہ لہریں ہی ہیں جو روشنی کو منعکس کرتی ہیں اور تاریکی پیدا کرتی ہیں۔ منعکس نہ ہونے والی روشنی سمندر کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ لہٰذا سمندر کے دو حصے ہوتے ہیں، روشنی اور حرارت والی سطح اور تاریکی سے ملی ہوئی گہرائی۔ سمندر کی سطح لہروں کی وجہ سے سمندر کے گہرے حصے سے مزید جدا ہوئی ہوتی ہے۔

اندرونی لہریں سمندروں اور ابحار کے گہرے پانیوں کو ڈھانپتی ہیں کیونکہ گہرے پانی اپنے اوپر کے پانی کی نسبت زیادہ کثافت رکھتے ہیں۔ تاریکی اندر کی لہروں سے نیچے شروع ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ سمندر کی گہرائیوں میں مچھلیاں نہیں دیکھ سکتیں ان کے اپنے جسموں کی روشنی ہی ان کی روشنی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔

قرآن پاک اس کو مناسب انداز میں بیان کرتا ہے:

”تاریکی وسیع سمندر کی گہرائی میں اوپر تلے کی موجوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔“

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ان لہروں کے اوپر کئی قسم کی لہریں ہیں، یہ وہ لہریں جو سطح سمندر پر پائی جاتی ہیں۔ قرآنی آیات میں آگے فرمایا گیا ہے:

”تاریک بادلوں سے ڈھکی ہوئی، تاریکی کی گہرائیاں ایک دوسرے کے اوپر۔“

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ بادل ایک آڑ ہے۔ ایک کے اوپر ایک مختلف سطحوں پر رنگ جذب کر کے مزید تاریکی کا باعث بنتے ہیں۔“

پروفیسر ڈرگاراؤ حتمی نتیجہ نکالتے ہوئے کہتے ہیں:

”چودہ سو سال پہلے وہ انسان (رسول اللہ ﷺ) اتنی تفصیلات کے ساتھ قدرت کے اس مظہر کو ہرگز بیان نہیں کر سکتا تھا، اس لیے یہ معلومات ضرور کسی مافوق الفطرت ذریعے سے ہی آئی ہوں گی۔“

(وڈیو ٹیپ میں ریکارڈ شدہ بیان بعنوان ”یہ ہے سچائی" (This is the Truth)).

”وھو الذی خلق من المآء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا و
کان ربك قدیرا“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 19، سورۃ نمبر 25 (الفرقان)، آیت 54)

"اور اللہ وہی ہے جس نے پیدا کیا پانی سے انسان کو، پھر بنایا اس کا نسب اور سسرال اور تیرا رب قدرت والا ہے۔"

کیا چودہ سو سال پہلے کوئی انسان یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ ہر چیز پانی سے بنی ہے؟ اور پھر یہ کہ اس قسم کا اندازہ قائم کرنا صحرائے عرب کے رہنے والے کسی شخص کیلئے قابلِ فہم ہو سکتا ہے جہاں ہمیشہ پانی کی قلت رہتی ہے۔؟

پودوں کی جنس

دور سابق میں انسان پودوں میں نر و مادہ کی جنسی تفریق سے نا آشنا تھا۔ لیکن جدید علم نباتات بتاتا ہے کہ پودوں میں بھی نر اور مادہ اصناف موجود ہیں۔ حتیٰ کہ وہ پودے جو کہ یک جنسی (Unisexual) ہیں ان کے اجزاء میں بھی نر اور مادہ ہیں۔ یہ حقیقت جو سائنس نے آج پیش کی ہے اسی حقیقت کو قرآن مجید نے چودہ سو تیس سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے پیش کیا۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"وانزل من السمآء مآء فاخرجنا به ازواجا من نبات شتی O"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 16، سورۃ نمبر 20 (طٰہٰ)، آیت نمبر 53)

"اور اسی اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے نباتات کے مختلف جوڑے نکالے۔"

پھولوں کی جنس کا تصور

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ومن کل الثمرت جعل فیها و جین اثنین"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 13، سورۃ نمبر 13 (الرعد)، آیت نمبر 3)

"اور ہر قسم کے پھل (پیدا کیئے) اور اس میں دو دو قسم کے پھل بنائے۔"

تمام نمو دیافتہ پودوں کی انتہائی صورت پھل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ پھل کی نمود سے پہلے پھول بننے کا مرحلہ آتا ہے جس میں نر اور مادہ پائے جاتے ہیں یعنی Stamens اور Ovules۔ جب زردانہ (Pollen) پھول تک پہنچ جاتا ہے تو یہ پھل لانے کا موجب بنتا ہے۔ پھل پک جانے کے بعد اپنے بیج پھیلا دیتا ہے، لہٰذا تمام پھلوں میں نر و مادہ پائے جاتے ہیں اور یہ حقیقت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ بعض اقسام میں پھل غیر بارآور پھولوں (Parthenocarpic) سے نمود پاتے ہیں۔ مثلاً اناس، مالٹا، ناشپاتی، انگور وغیرہ، اس قسم کے پھلوں میں بھی صریح جنسی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔

ہر چیز کا جوڑا

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

"ومن کل شی خلقنا زوجین"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 27، سورۃ نمبر 51 (الذریت)، آیت نمبر 49)

"اور ہر چیز کی ہم نے دو دو جنسیں بنائیں۔"

یہ آیت "ہر چیز" پر زور دے رہی ہے۔ انسان کے ساتھ ساتھ جانور، پودے اور پھل بھی اس میں شامل ہے۔ اس کا اشارہ بجلی کی طرف بھی ہوسکتا ہے جس میں ایٹم منفی اور مثبت (Electron and Proton) پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ بہت سی اشیاء جوڑوں کی صورت میں ہوسکتی ہیں۔

"سبحن الذی خلق الا زواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لایعلمونo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 36 (یٰسین)، آیت نمبر 26)

"پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے تخلیق فرمائے اس (قبیل) سے جو زمین اگاتی ہے (نباتات) اور خود ان کی جانوں (انسانوں میں سے) اور ان میں سے جنہیں وہ (خود بھی) نہیں جانتے۔"

قرآن مجید خبر دے رہا ہے کہ ہر چیز جوڑے کی شکل میں پیدا کی گئی ہے۔ اس میں وہ اشیاء بھی شامل ہیں جن کا ابھی انسان کو علم نہیں اور ممکن ہے کہ مستقبل میں انسان ان اشیاء کو دریافت کر پائے۔

جانوروں اور پرندوں کے گروہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وما من دابة فی الارض ولا طئر یطیر بجنا حیه الا امم امثالکم''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 7، سورۃ نمبر 6 (الانعام)، آیت 38)

''اور زمین میں کوئی جانور نہیں اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر (ان کی بھی) تمہاری طرح امتیں (گروہ) ہیں۔''

موجودہ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ چرندو پرند گروہوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ وہ منظم طریقے سے اکٹھے کام کرتے اور رہتے ہیں۔

پرندوں کی پرواز

ارشاد خداوندی ہے:

''الم یروا الی الطیر مسخرت فی جو السمآء مایمسکھن الا الله ان فی ذلك لایت لقوم یومنون٥''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 79)

''کیا وہ نہیں دیکھتے پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں حکم کے پابند ہیں، انہیں اللہ کے سوا کون تھام سکتا ہے؟ بیشک اس میں ایمان لانے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔''

ایک اور آیت جو کہ پرندوں سے متعلق ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

''اولم یروا الی الطیر فوقھم صفت و یقبضن مایمسکھن

الا الرحمن انه بکل شی بصیر O"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 67 (الملک)، آیت نمبر 19)

"کیا وہ نہیں دیکھتے اپنے اوپر پرندوں کو پر پھیلاتے اور سکیڑتے، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں تھام سکتا، بیشک وہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے۔"

"یمسک" کے لغوی معنیٰ "کسی کو ہاتھ سے اٹھائے رکھنا، تھامنا، روکنا یا کسی کو پکڑے رکھنا" کے ہیں۔" جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ اپنی قوت سے پرندوں کو ہوا میں اٹھائے رکھتا ہے۔ یہ آیات اس قانون پر زور دیتی ہیں جس کا پرندوں کی اڑان سے گہرا تعلق ہے۔

جدید سائنس نے بعض پرندوں کی اقسام کا جائزہ یکسران کی اڑان میں کاملیت کا موجب ان میں کی گئی پروگرامنگ کو ٹھہرایا ہے۔

پروندوں کے جنیاتی کوڈ کی موجودگی ہی اس بات کی وضاحت کر سکتی ہے کہ ایک بالکل نوجوان پرندہ نہایت پیچیدہ سفر کرنے کے قابل ہوتا ہے اور یہ محض نقل مکانی کے پروگرام (migratory Programme) کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ ایک خاص تاریخ کو واپس اپنے چلنے کے مقام پر لوٹنے کے اہل ہوتے ہیں۔ "Prof. Hamburger" نے اپنی کتاب "Power and Fragility" میں "Mutton Bird" کی مثال دی ہے جو بحرالکاہل کے علاقوں کا مکین ہے۔ یہ 24000km کا سفر 8 کے ہندسے کی شکل میں طے کرتا ہوا چھ ماہ بعد ٹھیک اسی مقام پر واپس پہنچتا ہے جہاں سے اس نے اڑان بھری ہوتی ہے اور اس عرصہ میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی تاخیر ممکن ہے۔ اس پیچیدہ سفر کی تفصیلات لازماً اس پرندے کے اعصابی خلیوں میں موجود ہوتی ہے جو کہ اس کو اس سفر کا اہل بناتی ہیں۔ وہ یقیناً پروگرام شدہ ہیں، لہٰذا کیا ہمیں اس پروگرامر کی پہچان پر غور نہیں کرنا چاہیے۔؟

شہد کی مکھی اور اس کا جوہر

ارشاد خداوندی ہے:

”واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا
ومن الشجر و مما یعرشون ٥ ثم کلی من کل الثمرت
فاسلکی سبل ربك ذللا“
(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 68-69)

”اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا لے اور درختوں میں اور اس جگہ جہاں وہ چھتریاں بناتے ہیں۔ پھر کھا ہر قسم کے پھل، پھر اپنے رب کے نرم ہموار راستوں پر چل۔“

"Von-Frisch" نے 1973ء میں شہد کی مکھیوں کے انداز و اطوار اور خبر رسانی کے طریقوں پر تحقیق کر کے نوبل پرائز حاصل کیا۔ جب شہد کی مکھی کوئی نیا باغ یا پودا دریافت کرتی ہے تو وہ واپس جا کر اپنی ساتھی مکھیوں کو درست سمت اور پہنچنے کا نقشہ بتاتی ہے۔ اس عمل کو "Bee Dance" یعنی ”مکھی کا رقص“ کہا جاتا ہے۔

حشرات کی ان حرکات کو سمجھنے کیلئے سائنسی ذریعہ سے یعنی فوٹوگرافی اور دوسرے ذرائع سے مدد لی گئی ہے اور یہ دریافت کیا گیا ہے کہ وہ کیسے اطلاعات ایک دوسرے کو منتقل کرتی ہیں۔ قرآن مجید اوپر بیان کی گئی آیت میں بتاتا ہے کہ کیسے مکھیاں مہارت کی بنا پر باہم اطلاعات کا تبادلہ کرتی ہیں۔

اوپر بیان کی گئی آیت میں مادہ جنس کو مخاطبِ سخن بنایا گیا ہے، یعنی اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مکھی جو خوراک کی تلاش میں گھر چھوڑتی ہے وہ مادہ شہد کی مکھی ہے، یعنی کام کرنے والی مکھی مادہ جنس سے تعلق رکھتی ہے۔

شیکسپیئر کے ڈرامے "Henry The Fourth" میں بعض اداکار شہد کی مکھیوں کے متعلق بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مکھیاں سپاہی ہوتی ہیں اور ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ یہ وہ سوچ ہے جو لوگ شیکسپیئر کے زمانے میں رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ نر مکھیاں کام کرنے والی ہیں اور وہ واپس گھر جا کر بادشاہ مکھی کو جوابدہ ہوتی ہیں۔ یہ بہرحال سچ نہیں ہے۔ کام کرنے والی مکھیاں مادہ ہیں اور وہ بادشاہ مکھی کے بجائے ملکہ مکھی کو جوابدہ

ہوتی ہیں لیکن جدید تحقیق کو یہ بات دریافت کرتے ہوئے پچھلے تین سو (300) سال لگے۔

مکڑی کا جالا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان وھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون ٥"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 29 (العنکبوت)، آیت نمبر 41)

"جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود و مددگار بنا لیے ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے، اس نے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے، کاش وہ جانتے۔ ٥"

قرآن مجید مکڑی کے جالے کی کمزوری اور ناپائیداری کی مثال دینے کے علاوہ ایک اور بات پر بھی زور ڈالتا ہے اور وہ ہے مکڑی کے گھر کے تعلق کی ناپائیداری، جہاں مادہ مکڑی اکثر اوقات اپنے ساتھ نر مکڑی کو مار ڈالتی ہے۔

یہ مثال ان لوگوں کی کمزوریوں کا حوالہ دیتے ہوئے بھی پیش کی گئی ہے جو دنیا اور آخرت میں کامرانی حاصل کرنے کیلئے اللہ کی بجائے بتوں وغیرہ سے یہ امید وابستہ کرتے ہیں۔

چیونٹیوں کا طرزِ زندگی اور باہمی تعلق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وحشر لسلیمن جنودہ من الجن والانس الطیر فھم یوزعون ٥ حتی اذآ اتوا علی واد النمل قالت نملۃ یایھا النمل ادخلوا مسکنکم لا یحطمنکم سلیمن وجنودہ

وھم لا یشعرون٥"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 20، سورۃ نمبر 28 (النمل)، آیت نمبر 17-18)

"اور سلیمان کیلئے اس کا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے جمع کیا گیا، پس وہ روکے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ چیونٹیوں کے میدان میں آئے، ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم اپنی بلو میں داخل ہو جاؤ، (کہیں) سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔٥"

عین ممکن ہے کہ ماضی میں بعض لوگوں نے قرآن کا مذاق اڑایا ہو کہ یہ ایک کہانیوں کی کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چیونٹیاں ایک دوسرے سے بات کرتی ہیں۔ بہر حال عصر حاضر میں جدید تحقیقات نے چیونٹیوں کی طرزِ زندگی سے متعلق چند انکشافات کئے ہیں جو انسان کو آج سے پہلے معلوم نہ تھے۔ تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ حشرات جن کے طرزِ زندگی میں انسانی طرزِ حیات کی بہت زیادہ مشابہت موجود ہے وہ چیونٹیاں ہیں۔ چند مشابہتیں دیکھئے:

1: چیونٹیاں بھی انسانوں کی طرح اپنا مردہ دفن کرتی ہیں۔

2: چیونٹیوں میں مزدوروں کی تفریق کا منظم نظام ہے۔ ان میں منیجر، سپروائزر، فورمین اور مزدور وغیرہ ہوتے ہیں۔

3: جب بھی چیونٹیاں آپس میں کہیں ملتی ہیں تو بات چیت کرتی ہیں۔

4: چیونٹیاں باقاعدہ مارکیٹ رکھتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔

5: چیونٹیوں میں باہمی تیز ترین رابطے کا ایک جدید نظام موجود ہے۔

6: سردیوں میں وہ طویل مدت تک زیرِ زمین رہنے کیلئے اناج اکٹھا کرتی ہیں اور اگر اس میں سے دانہ پھوٹ جائے تو وہ جڑوں کو کاٹ دیتی ہیں۔ جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ اگر انہوں نے اسے اگنے کیلئے چھوڑ دیا تو یہ گل سڑ جائے گا۔

7: اگر جمع شدہ اناج بارش سے گیلا پڑ جائے تو وہ اس کو دھوپ میں سکھانے لے جاتی ہیں اور جب یہ سوکھ جاتا ہے تو وہ اسے اندر واپس لے جاتی ہیں جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ

نمی جڑوں کی افزودگی کا باعث بنے گی جو کہ فرداً اناج کے سڑنے کا باعث ہو گا۔

شہد انسانوں کیلئے شفاء

شہد کی مکھی مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں کا رس چوستی ہے اور اس رس کو اپنے جسم میں شہد بنا کر موم کے چھتے کے کانوں میں ذخیرہ کرتی ہے۔ محض دو صدیاں قبل انسان کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ شہد مکھی کے پیٹ سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہ حقیقت چودہ سو سال پہلے قران مجید نے درج ذیل آیت میں بیان فرما دی تھی:

’’یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس‘‘

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 69)

’’شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد) اس کے رنگ مختلف ہیں، اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے۔‘‘

دنیا کو کچھ عرصہ قبل ہی اس بات سے آگاہی حاصل ہوئی ہے کہ شہد میں شفائی خصوصیات ہیں اور یہ ایک معتدل دافع عفونت (Mild Antiseptic) بھی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روسی فوجی اپنے زخموں پر شہد لگایا کرتے تھے جس سے زخم میں نمی رہتی اور وہ تندرست ہونے کے بعد بہت کم نشان چھوڑتے۔ شہد کی کثافت کے باعث "Fungus" اور بیکٹیریا زخم میں پنپ نہیں سکتے۔ انگلینڈ کے شفا خانوں میں سینے کے امراض اور "Alzheimer's" جیسی نا قابل علاج بیماریوں میں مبتلا چوبیس مریضوں میں بڑی ڈرامائی بہتری نظر آئی جن کا علاج ایک عیسائی راہبہ "Sister Carole" نے "Propolis" نامی مادے سے کیا تھا جو کہ ایسا مادہ ہے جسے شہد کی مکھیاں چھتے کو بیکٹریا سے بچانے کی خاطر لیپ کرنے کیلئے پیدا کرتی ہیں۔

(ایک وڈیو ٹیپ میں ریکارڈ شدہ لیکچر بعنوان ’’یہ ہے سچائی‘‘)

کسی خاص درخت سے الرجی رکھنے والے شخص کو اسی درخت کا شہد دیا جا سکتا ہے تا کہ وہ شخص اس الرجی کے خلاف قوت مدافعت پیدا کر سکے۔ شہد میں "Fructose"

اور "Vitamin K" بھی کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔ شہد، شہد کی اصلیت اور اس کی خصوصیات کا علم جو قرآن مجید میں موجود ہے وہ اس کے نزول کے صدیوں بعد انسان نے دریافت کیا ہے۔

دورانِ خون اور دودھ

قرآن مجید، مسلم سائنسدان ''ابن نفیس'' کے دوران خون کا نظام بیان کرنے سے چھ سو سال قبل اور ''ولیم ہاروے'' کے مغربی دنیا کو یہ علم پہنچانے سے ایک ہزار سال پہلے نازل ہوا تھا۔ یہ بات تیرہ صدیاں پہلے معلوم ہوئی کہ آنتوں میں کون سا عمل اس بات کا باعث بنتا ہے کہ نظام انہضام میں ہونے والے انجذاب کے عمل سے اعضاء کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت جس میں دودھ کے اجزاء کے ماخذ کی وضاحت کی گئی ہے وہ اس خیال کے بالکل حسب حال ہے۔ مندرجہ بالا تصورات سے متعلق قرآنی آیت کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ آنتوں کے اندر کیمیائی عملیات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ وہاں سے ہضم شدہ غذا میں اخذ کیے گئے اجزاء ایک پیچیدہ نظام کے ذریعے خون کے بہاؤ میں شامل ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اپنی مخصوص کیمیائی ترکیب کی بنا پر بذریعہ جگر وہ خون میں شامل ہوتے ہیں۔ خون انہیں تمام جسمانی اعضاء تک پہنچاتا ہے۔ جن میں دودھ پیدا کرنے والے "Mammary Glands" بھی شامل ہیں۔ سادہ الفاظ میں آنتوں کے مواد میں سے کچھ اجزاء آنتوں ہی کی دیوار سے خون کی نالیوں میں داخل ہوتے ہیں اور دوران خون کے ذریعے یہ اجزاء مختلف اعضاء کو پہنچائے جاتے ہیں۔ اگر ہم درج ذیل آیات قرآنی کو سمجھنا چاہتے ہیں تو افعال الاعضاء کا یہ تصور مکمل طور پر سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من
> بین فرث ودم لبنا خالصا سآئغا للشربین O''
> (القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 66)

''اور بیشک تمہارے لیے چوپائے عبرت گاہ ہیں ہم تمہیں پلاتے ہیں دودھ

> خالص اس سے جو گوبر اور خون کے درمیان ان کے پیٹوں میں ہے، پینے والوں کیلئے خوشگوار۔ o''

> مزید ارشاد ربانی ہے:

> ''و ان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطو نھا ولکم فیھا منافع کثیرۃ و منھاتا کلون o''

> (القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومنون)، آیت نمبر 21)

> ''اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں مقام عبرت ہے، ہم تمہیں ان سے پلاتے ہیں (دودھ) جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں (اور) بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کا گوشت) تم کھاتے ہو۔ o''

گائے میں دودھ پیدا ہونے کے حوالے سے قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیلات حیرت انگیز حد تک جدید فعلیات سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ ہم نے اس حقیقت کو کچھ عرصہ قبل ہی دریافت کیا ہے۔

علم الجنین

یمن کے ایک ممتاز دانشور ''عبد الماجد زندانی'' کی رہنمائی میں مسلم دانشوروں کے ایک گروپ نے قرآن مجید اور متفق علیہ احادیث میں موجود علم الجنین اور دوسری سائنس سے تعلق رکھنے والی معلومات کو اکٹھا کر کے ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے مندرجہ ذیل قرآنی ہدایت پر عمل کیا:

> ''فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون''

> (القرآن الکریم، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 43)

> ''اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔''

قرآن مجید اور غیر متنازعہ احادیث میں علم الجنین سے متعلق اس طرح جمع شدہ ساری معلومات کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کے بعد پروفیسر کیتھ مور کے سامنے پیش کیا گیا

جو علم الجنین کے پروفیسر اور یونیورسٹی آف ٹورنٹو کینیڈا میں اناٹومی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین تھے اور آج وہ علم الجنین پر انتہائی معزز عالم ہیں۔ انہیں متعلقہ مواد پر اپنی رائے دینے کو کہا گیا تو نہایت احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر مور نے کہا:

’’قرآن مجید اور متفق علیہ احادیث میں بیان شدہ علم الجنین سے متعلق زیادہ تر معلومات اس میدان میں جدید انکشافات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں اور ان سے قطعاً اختلاف نہیں کرتیں۔ چند آیات ایسی ہیں جن کے سائنسی طور پر درست ہونے کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ ان بیانات کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں میں نہیں بتا سکتا، اس لئے کہ میں خود ان آیات میں بیان کردہ معلومات سے آگاہ نہیں ہوں اور علم الجنین پر موجود جدید دستاویزات اور تحقیقات میں بھی ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔ ایسی ہی ایک آیت یہ ہے:

’’اقرا باسم ربك الذی خلقo خلق الانسان من علقo‘‘
(القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 96 (علق)، آیت نمبر 1-2)

’’(اے محمد ﷺ!) پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے (کائنات کو) پیدا کیا۔o انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔‘‘

’’علق‘‘ عربی لفظ ہے جس کے معنی جمے ہوئے خون کے ہیں اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ کوئی ایسی چیز جو چپک جاتی ہو جونک کی طرح۔ ڈاکٹر مور کو علم نہیں تھا کہ آیا ابتدائی مراحل میں جنین ایک جونک کی مانند دکھائی دیتا ہے یا نہیں۔ اس بات کا پتہ چلانے کے لئے انہوں نے ایک نہایت طاقتور خوردبین سے جنین کی ابتدائی حالت کا مطالعہ کیا اور جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کا موازنہ جونک کی تصویر سے جب کیا تو وہ ان دونوں کی حیرت انگیز مماثلت پر بہت حیران ہوئے۔

ڈاکٹر کیتھ مور نے "The Developing Human" نامی ایک کتاب تحریر کی تھی۔ انہوں نے قرآن مجید سے اس موضوع پر مزید علم حاصل کر کے 1982ء میں اسی کتاب کا تیسرا ایڈیشن تحریر کیا۔ اس کتاب "The Developing

"Human" نے کسی ایک مصنف کی تحریر کردہ بہترین طبی کتاب کا ایوارڈ حاصل کیا۔ اس کتاب کا دنیا کی متعدد بڑی زبانون میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب طبی تعلیم کے سال اول میں "Embryology" کی ٹیکسٹ بک کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

"Baylor College of Medicine" ہوسٹن، امریکہ کے "Dept. of Gynae and Obstetrics" (امراض انسواں اور زچہ و بچہ) کے چیئر مین ڈاکٹر سمپسن کا کہنا ہے:

> "یہ احادیث اس سائنسی علم کی بنیاد پر ہرگز حاصل نہیں کی جا سکتی ہیں جو ساتویں صدی عیسوی میں موجود تھا۔ جینیات اور اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مزید برآں اسلام روایتی سائنس کے اندازِ فکر میں الہام کا اضافہ کر کے سائنس کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے بیانات موجود ہیں جو صدیوں بعد صحیح ثابت ہوئے ہیں اور یہ بات اس تصور کی تائید کرتی ہے کہ قرآن مجید میں موجود علم اللہ جل جلالہ کا عطا کردہ ہے۔"
>
> "فلینظر الانسان مم خلقO خلق من مآء دافقO یخرج من بین الصلب و الترآئبO"
>
> (القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 86 (الطارق)، آیت نمبر 5-6-7)
>
> "پس انسان دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ وہ پیدا کیا گیا اچھلتے ہوئے پانی سے، وہ نکلتا ہے پیٹھ اور سینے کے درمیان سے۔"

جینیاتی مراحل میں نر اور مادہ کے تولیدی اعضاء یعنی فوطے (Testicles) اور اووری (Ovary) اپنے بننے کا آغاز ریڑھ کی ہڈی اور گیارھویں اور بارھویں پسلی کے درمیان گردے کے پاس سے کرتے ہیں۔ یہ بعد ازاں نیچے اترتے ہیں۔ مادہ غدود یعنی "Ovary" پیڑو میں آ کر رک جاتی ہے۔ جبکہ نر غدود (خصیے) پیدائش سے پہلے "Inguinal Canal" کے راستے اپنی تھیلی "Scrotum" تک پہنچنے کیلئے اپنا نزول جاری رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جوانی میں تولیدی اعضاء کے نیچے اتر آنے کے بعد بھی اپنی

اعصابی اور خونی رسد "Abdominal Aorta" (پیٹ میں خون کی بڑی نالی) سے حاصل کرتے ہیں جو کہ ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیانی علاقے میں ہوتی ہے۔ "Lymphatic Drainage" کی نساکی اور وریدی خون کی واپسی بھی اسی علاقے کی جانب ہے۔

انسان کی تخلیق نطفہ سے کی گئی ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں کم از کم یہ گیارہ مرتبہ بیان کی گئی ہے۔ جس کا مطلب ہے رقیق سیال مادے کی تھوڑی مقدار یا سیال کا وہ قطرہ جو کپ خالی ہونے کے بعد باقی بچ جاتا ہے، اسی مقدار کے قطرے سے انسان کی پیدائش وقوع پذیر ہوتی ہے۔ یہی بات قرآن مجید کی سورۃ الحج آیت نمبر 5، سورۃ المومنین آیت نمبر 13، سورۃ النحل آیت نمبر 4، سورۃ الکہف آیت نمبر 37، سورۃ فاطر آیت نمبر 11، سورۃ یٰسین آیت نمبر 77، سورۃ المومنون آیت نمبر 67، سورۃ النجم آیت نمبر 46، سورۃ القیامۃ آیت نمبر 37، سورۃ الدھر آیت نمبر 2 اور سورۃ عبس آیت نمبر 19 میں بیان کی گئی ہے۔

عصری سائنسی تحقیق کے ذریعے حال ہی میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ اوسط تیس لاکھ مردانہ تولیدی خلیوں (Sperms) میں سے فقط ایک خلیہ "Ovum" کی بارآوری ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیس لاکھ میں سے صرف ایک دفعہ کے خارج کردہ مردانہ خلیوں کی مقدار کا صرف "0.0003" فیصد حمل ٹھہرانے کیلئے درکار ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"ثم جعل نسله من سللة من مآء مهين"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 32 (السجدہ)، آیت نمبر 8)

"پھر انسان کی نسل خلاصے (یعنی) حقیر پانی (نطفہ) سے پیدا کی۔"

عربی لفظ "سللہ" کے معنی نچوڑ یا کسی مائع کا سب سے بہترین حصہ کے ہیں۔ یہ بات ہمیں حال ہی میں معلوم ہوئی ہے کہ انسان کے جسم میں پیدا ہونے والے کئی لاکھ مردانہ خلیوں میں سے صرف ایک خلیہ ہی حمل ٹھہرانے کیلئے کافی ہوتا ہے جو مادہ بیضہ (عورت کے انڈے) میں داخل ہوتا ہے۔ کئی ملین میں سے اس ایک خلیے کو قرآن میں سللہ کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے "کسی سیال مادے میں سے لطیف اخراج۔" سیال مادے سے مراد مرد اور

عورت دونوں کے تولیدی مادے ہیں جن میں تولیدی جرثومے (Gametes) شامل ہوتے ہیں۔ بیضہ (عورت کا مادہ) اور سپرم (مرد کا نطفہ) دونوں بار آوری کے عمل کے دوران اپنے اپنے ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہوئے نکالے جاتے ہیں۔

کتاب اللہ (قرآن مجید) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 76 (الدھر)، آیت نمبر 2)

''بیشک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔''

عربی لفظ ''نطفۃ امشاج'' کے معنی ''مخلوط سیال مادے'' کے ہیں۔ چند مفسرین قرآن کے بقول مخلوط سیال مادوں سے مراد نر اور مادہ کے نمائندہ رقیق مادے ہیں۔ نر اور مادہ تولیدی خلیوں کے اختلاط کے بعد ابتدائی متحد خلیہ "Zygote" نطفہ بھی رہتا ہے۔ مخلوط، سیال مادوں سے "Spermatic Fluid" (مردانہ مادہ منویہ) بھی ہو سکتا ہے۔ جو مختلف غدودوں سے آنے والی کئی رطوبات سے مل کر بنتا ہے۔ پس نطفہ امشاج یعنی مخلوط مادوں کے معمولی مقدار سے مراد نر اور مادہ "Gametes" اور ارد گرد کے سیال مادے کا کچھ حصہ ہو سکتا ہے۔

تعینِ جنس

بچے کی جنس سپرم (مردانہ خلیے و جراثومے) کی ماہیت سے متعین ہوتی ہے نہ کہ بیضہ کی نوعیت سے۔ بچے کی جنس مادہ ہے یا نر اس بات پر منحصر ہے کہ آیا "Chromosoms" کا تیئسواں جوڑا حسب ترتیب "xx" ہے یا "yx"۔ جنس کا تعین بار آوری پر واقع ہوتا ہے اور بیضہ کو بار آور کرنے والے "Sperm" میں موجود "Sex Chromosom" کی قسم پر منحصر ہوتا ہے، اگر بیضہ کو بار آور کرنے والا سپرم ایکس کروموسوم رکھتا ہے تو بچہ مادہ ہوگا اور اگر یہ وائی کروموسومز کا حامل ہے تو بچہ نر ہوگا۔

جیسا کہ کتاب اللہ (قرآن حکیم) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وانه خلق الزوجين الذكر والانثى o من نطفة اذا

تمنی O"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 27، سورۃ نمبر 53 (النجم)، آیت نمبر 45-46)

"اور بیشک وہی جس نے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت نطفہ سے، جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔"

عربی لفظ "نطفہ" کے معنی سیال مادے کی قلیل مقدار کے ہیں۔ تمنی کے معنی خارج کیا گیا یا لگایا گیا کے ہیں۔ لہٰذا نطفہ سے بالخصوص سپرم (مرد کا نطفہ) مراد ہو گا کیونکہ وہ خارج ہونے والا ہوتا ہے۔

جیسا کہ کتاب اللہ (قرآن حکیم) کی دوسری آیات میں ہے:

"الم یك نطفة من منی یمنی O ثم كان علقة فخلق فسوىٰ O فجعل منه الزوجین الذكر والانثیٰ O

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 75 (القیامۃ)، آیت نمبر 37-38-39)

"کیا وہ منی کا ایک نطفہ (قطرہ) نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا گیا۔ پھر وہ جما ہوا خون بن گیا، پھر اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر اسے درست (اندام) کیا، پھر اس کی مرد اور عورت دو قسمیں بنائیں۔"

یہاں "Sperm" کی قلیل مقدار کو لفظ "نطفۃ من منی" سے ظاہر کیا گیا ہے یعنی جو مرد کی طرف سے نطفہ آتا ہے وہی جنس کے تعین کا ذمہ دار ہے۔ برصغیر میں ساسیں عام طور پر پوتوں کی خواہش رکھتی ہیں اور اگر لڑکا نہ ہو تو اپنی بہوؤں کو الزام دیتی ہیں۔ کاش وہ یہ جان جائیں کہ جنس کا تعین مردانہ سپرم کی ماہیت سے ہے نہ کہ زنانہ بیضہ کی ماہیت سے۔ اگر وہ کسی کو الزام دینا ہی چاہتی ہیں تو انہیں چاہیے کہ اپنے بیٹوں کو الزام دیں نہ کہ اپنی بہوؤں کو۔ قرآن اور سائنس اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی جنس کا ذمہ دار مرد ہے۔

تین تاریکیاں

کتاب اللہ میں ارشاد خداوندی ہے:

"یخلقکم فی بطون امھتکم خلقا من بعد خلق فی

ظلمت ثلث"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 23، سورۃ نمبر 39 (الزمر)، آیت نمبر 6)

"اللہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے تین اندھیروں میں۔"

پروفیسر مور کے مطابق قرآن مجید میں تاریکی کے جن تین پردوں کا ذکر کیا گیا ہے ا سے مراد مندرجہ ذیل پردے ہیں:

1: ماں کے پیٹ کے سامنے کی دیوار۔

2: رحم کی دیوار۔

3: "Amino Chorionic Membrane" ایک جھلی جس میں جنین ہوتا ہے۔

جنینی مراحل

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عالی شان ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین o ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین o ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فکسونا العظم لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبرك الله احسن الخلقین o

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23 (المومنون)، آیت نمبر 12 تا 14)

"اور البتہ ہم نے انسان کو چنی (گیلی) ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے مضبوط جگہ میں نطفہ ٹھہرایا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا، پھر ہم نے بنایا جمے ہوئے خون (لوتھڑے) کو بوٹی، پھر ہم نے بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر ہم نے اسے نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا کیا، پس اللہ بابرکت ہے بہترین پیدا کرنے والا۔"

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”انسان کو سیال مادے کی معمولی مقدار سے بنایا گیا ہے۔ جسے امن کی جگہ پر رکھ کر مضبوطی سے جمایا جاتا ہے۔“

اور اس کے لیے کے لئے عربی لفظ ”قرار مکین“ استعمال کیا گیا ہے۔

رحم مادر پچھلی جانب سے ریڑھ کے مہروں کے ستون سے اچھی طرح محفوظ کیا جاتا ہے۔ جسے کمر کے پٹھے مضبوطی سے سہارا دیتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ جنین المعیا ٹک فلوئیڈ سے پھر المعیا ٹک سیک سے مزید محفوظ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ جنین ایک محفوظ ترین جگہ میں رہتا ہے۔

سیال کی اس معمولی مقدار کو علقہ میں بدل دیا جاتا ہے یعنی کوئی ایسی چیز جو چپک جاتی ہو۔ اس سے جونک سے مشابہ چیز بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں تعریفیں سائنس کے لحاظ سے قابل قبول ہیں کیونکہ بالکل ابتدائی مراحل میں جنین (رحم مادر) کی دیوار سے چپک جاتا ہے اور صورت کے لحاظ سے جونک سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ یہ جونک جیسے طرز عمل کا حامل ہوتا ہے اور ماں سے اپنی خونی رسد بذریعہ ناف حاصل کرتا ہے۔

علقہ کا تیسرا معانی جما ہوا خون ہے۔ یہ مرحلہ حمل کے تیسرے اور چوتھے ہفتے پر محیط ہوتا ہے۔ اس مرحلے کے دوران خون بند نالیوں میں جم جاتا ہے۔ چنانچہ جنین جونک کی شکل اختیار کرنے کے علاوہ ایک جمے ہوئے خون کی وضع بھی اختیار کر لیتا ہے۔ آپ اس قرآنی علم کا جو بآسانی دستیاب ہے سائنس کی دریافتوں کے لئے کی جانے والی انسان محنت کے ساتھ موازنہ خود کر لیں۔

1977ء میں ہیم اور لیون ہک وہ پہلے سائنسدان تھے جنہوں نے انسان کے تولیدی خلیوں کا ایک خوردبین کے ذریعے مشاہدہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ "Sperm" (مرد کے نطفہ) کے اندر انسان کا ایک مختصر نمونہ پایا جاتا ہے جو ایک نوزائیدہ بچے کی شکل پانے کے لئے رحم میں نشوونما پاتا ہے۔ اس نظریے کو "Perforation Theory" کہا جاتا تھا۔ جب سائنسدانوں کو پتہ چلا کہ بیضہ (عورت کا نطفہ) سپرم (مرد کے نطفے) سے بڑا ہوتا ہے تو ڈی گراف اور کچھ اور سائنسدانوں نے سوچا کہ جنین بیضہ میں ایک چھوٹے نمونے کی

شکل میں موجود ہوتا ہے۔ پھر اٹھارویں صدی میں ماپر چوئس نامی سائنس دان نے "Theory of Biparental Inheritance" کی تشہیر کرنا شروع کر دی۔

علقہ مضغہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہی ایسی چیز ہے جو چبائی گئی (جس پر دانتوں کے نشان ہوں) ہو اور ایسی چیز بھی جو نرم چپکنے والی اور چھوٹی ہو اور جس کو "Gum" کی طرح منہ میں رکھا جا سکے۔ سائنس کی لحاظ سے مذکورہ بالا دونوں وضاحتیں ٹھیک ہیں۔ پروفیسر کیتھ مور نے "Plaster Seal" کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جنین کے ابتدائی مرحلے کی جسامت کی شکل دی اور اسے مضغہ بنانے کیلئے دانتوں سے چبایا۔ اس کا موازنہ جنین کے ابتدائی مرحلے کی تصاویر سے کیا گیا۔ دانتوں کے نشان "Somites" سے ملتے جلتے تھے جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی ابتدائی ساخت ہے۔ پھر یہ مضغہ ہڈیوں میں بدل جاتا ہے۔ ہڈیاں سالم گوشت یا پٹھوں سے لپٹی ہوئی ہوتی ہیں پھر اللہ جل جلالہ اس کو ایک اور تخلیق میں ڈھال دیتا ہے۔

امریکہ کے چوٹی کے سائنسدان پروفیسر مارشل جانس جو کہ اناٹومی کے شعبے کے سربراہ اور تھامس جیفرسن یونیورسٹی آف فلاڈلفیا امریکہ کے "Danial Institute" کے ڈائریکٹر ہیں، انہوں نے علم جنین سے متعلق قرآنی آیات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ''وہ آیات جو جنین کے مراحل سے متعلق ہیں محض اتفاق نہیں ہو سکتیں۔ ممکن ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے پاس کوئی طاقتور خوردبین ہو۔''

انہیں یہ یاد دلایا گیا کہ قرآن چودہ سو سال قبل نازل ہوا تھا اور خوردبین حضرت محمد ﷺ کے زمانے سے کئی صدیوں بعد ایجاد کی گئی تو پروفیسر جانسن نے قہقہہ لگایا اور اعتراف کیا کہ پہلی ایجاد کردہ خوردبین دس گنا سے زیادہ بڑی شبیہ نہیں دیکھ سکتی تھی اور اس سے واضح تصویر نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے کہا کہ وہ اس خیال سے بالکل اختلاف نہیں کرتے کہ جب محمد ﷺ نے آیات قرآن پڑھیں تو خدائی مداخلت بھی کارفرما تھی۔''

(ایک ویڈیو ٹیپ میں ریکارڈ شدہ لیکچر بعنوان "This is the Truth")
ڈاکٹر مور کا کہنا ہے:

"نشوونما کے مراحل کی جدید درجہ بندی جسے پوری دنیا میں اختیار کرلیا گیا ہے، وہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ اس میں مراحل کی شناخت عددی بنیادوں پر کی گئی ہے۔ یعنی مرحلہ اول، دوم وغیرہ۔ اس کے برعکس قرآن میں بیان کردہ اقسام کی بنیاد واضح اور آسانی سے قابل شناخت حالتوں اور شکلوں پر مبنی ہے جن سے ایک جنین گزرتا ہے۔ ان کی بنیاد پیدائش سے پہلے نشوونما کے مختلف مراحل سے ہے اور ایسی اعلیٰ سائنسی وضاحتیں مہیا کرتی ہیں۔ جو آسانی سے سمجھ میں آنے والی اور عملی ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات میں رحم مادر میں انسانی نشوونما کے جنینیاتی مراحل کو بیان کیا گیا ہے:

"الم يك نطفة من منى يمنىo ثم كان علقة فخلق فسوىo فجعل منه الزوجين الذكر و الانثىo

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 75 (القیامۃ)، آیت نمبر 37 تا 39)

"کیا وہ منی کا ایک نطفہ (قطرہ) نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا گیا۔؟ پھر وہ جما ہوا خون بنایا گیا، پھر اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر اسے درست (اندام) کیا، پھر اس کی مرد اور عورت دو قسمیں بنائیں۔"

"الذى خلقك فسوك فعدلكo فى اى صورة ماشآء ركبكo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 82 (الانفطار)، آیت نمبر 7-8)

"وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک کیا، پھر برابر کیا، جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔"

جنین کو اگر مضغہ کے مرحلے پر کاٹا جائے اور اندرونی اعضا کی سرجری کی جائے تو یہ دکھائی دے گا کہ زیادہ تر اعضاء پوری طرح تشکیل پذیر ہو چکے ہیں جبکہ باقی مکمل طور پر تشکیل پذیر نہیں ہوئے۔ پروفیسر جانسن کا کہنا ہے:

"اگر جنین کو مضغہ کے مرحلے پر مکمل تخلیق کہا جائے تو صرف اس حصے کو بیان کیا جا رہا

ہوتا ہے جو پہلے ہی مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر اسے نامکمل تخلیق قرار دیا جائے تو صرف اس حصے کو بیان کیا جارہا ہوتا ہے جو ابھی تکمیل کے مراحل سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ آیا کہ یہ ایک مکمل تخلیق ہے یا نامکمل تخلیق۔؟ جنین کی نشوونما کے اس مرحلے کی قرآن کی بیان کردہ وضاحت سے بہتر کوئی اور وضاحت ممکن نہیں ہو سکتی۔ جزوی متشکل اور جزوی غیر متشکل۔

''خلقنکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة و غیر مخلقة لنبین لکم''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 17، سورۃ نمبر 22 (الحج)، آیت نمبر 5)

''ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی سے، صورت بنی ہوئی اور بغیر صورت بنی (ادھوری)، تاکہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت) ظاہر کردیں۔''

سائنسی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ارتقا کے اس ابتدائی مرحلہ پر کچھ خلیات ایسے ہوتے ہیں جو ممیز ہو چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو غیر ممیز ہیں۔ کچھ اعضا بن چکے ہیں اور کچھ نہیں۔

سماعت اور بصارت

انسانی جنین میں سب سے پہلے سننے کی حس پیدا ہوتی ہے۔ جنین چوبیسویں ہفتے کے بعد آواز سن سکتا ہے۔ پھر دیکھنے کی حس پیدا ہوتی ہے۔ اٹھائیسویں ہفتے تک پردہ بصارت روشنی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''وجعل لکم السمع والابصار والافدة''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 32 (السجدہ)، آیت نمبر 9)

''اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔''

سورۃ الدہر میں ہے:

''انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ٥ نبتلیه فجعلنه سمیعاً بصیراً ٥''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 76 (الدھر)، آیت نمبر 2)

”بیشک ہم نے انسان کو بطور پیدا کیا نطفہ سے (کہ) ہم اسے آزمائیں تو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا۔“

ایک اور جگہ فرمایا:

”وھو الذی انشا لکم السمع و الابصار و الافدۃ قلیلا ماتشکرونo“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 23، آیت نمبر 78)

”اور معبود برحق وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ o“

ان آیات میں سماعت کا ذکر بصارت کی حس سے پہلے کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید کا بیان علم الجنین کے انکشافات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہے۔

نقشِ انگشت

ارشاد خداوندی ہے:

”ایحسب الانسان الن نجمع عظامہo بلی قدرین علی ان نسوی بنانہo“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 75 (القیامۃ)، آیت نمبر 3-4)

”کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم ہرگز اسے جمع نہیں کریں گے اس کی ہڈیوں کو، کیوں نہیں، ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔“

غیر مسلموں کا اعتراض ہے کہ کوئی شخص جب مر کر مٹی میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی ہیں تو قیامت کے روز وہ کیسے پہلی حالت میں واپس آجائے گا؟ اور اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ قیامت کے دن وہ شخص کس بنا پر پہچانا جائے گا۔؟

خالق و رازق اور معبود برحق اللہ جل جلالہ جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

”وہ اللہ نہ صرف یہ کہ وہ تماری ہڈیاں (مرنے کے بعد) جوڑ سکتا ہے بلکہ تماری انگلیوں کے پوروں تک کو بھی کامل طور پر دوبارہ بنا سکتا ہے۔ انسان کی

انفرادی شناخت کے متعلق قرآن پاک خاص طور پر انگلیوں کے پوروں کا ذکر کس لئے کرتا ہے۔؟

آیئے دیکھتے ہیں:

1880ء میں سر فرانس گولٹ کی تحقیق کے بعد نقشِ انگشت (Finger Prints) لوگوں کی پہچان کا سائنسی طریقہ بن گیا۔ دنیا کے کوئی سے دو اشخاص کبھی بھی مکمل طور پر ایک جیسے نقشِ انگشت کے حامل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ہم شکل جڑواں بھائی بھی۔ اسی بنا پر پوری دنیا میں پولیس والے مجرموں کی شناخت کیلئے نقش انگشت استعمال کرتے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے ہر انسان کے نقش انگشت کی انفرادیت کا علم کس کو ہو سکتا تھا؟ یقیناً یہ علم خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔

احساسِ تکلیف دلانے والے خلیے

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ چھونے کی حس اور درد کی حس کا تعلق صرف دماغ سے ہے لیکن جدید دریافتوں سے معلوم ہوا ہے کہ درد کو محسوس کرنے والے خلیے جلد کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ جن کے بغیر کوئی شخص درد محسوس کرنے کے قابل نہیں ہوگا۔ جب کوئی ڈاکٹر جلنے والے مریض کے زخموں کا معائنہ کرتا ہے تو وہ سوئی چھو کر "Degree of Burn" کا تعین کرتا ہے۔ اگر مریض کو درد محسوس ہو تو ڈاکٹر کو مسرت ہوتی ہے، کیونکہ یہ اس بات کا مظہر ہے کہ جلنے کے زخم سطحی ہیں اور درد کا احساس کرنے والے خلیے صحیح ہیں۔ اس کے برعکس اگر مریض بالکل درد محسوس نہیں کرتا تو طے ہو جاتا ہے کہ جلنے کا زخم گہرا ہے اور درد محسوس کرنے والے خلیے تباہ ہو چکے ہیں۔ درد محسوس کرنے والے خلیوں کی موجودگی کے بارے میں قرآن مجید مندرجہ ذیل دلیل دیتا ہے:

”ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیھم ناراo کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزا حکیماo“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 56)

> ''بیشک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ہم عنقریب انہیں آگ میں ڈال دیں گے، جس وقت ان کی کھالیں پک (گل) جائیں گی ہم اس کے علاوہ (دوسری) بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

شیانگ مائے یونیورسٹی تھائی لینڈ کے "Department of Anatomy" کے چیئر مین پروفیسر میگاٹیٹ ٹیجاسن نے درد محسوس کرنے والے خلیوں کے بارے میں تحقیق پر بہت سا وقت صرف کیا ہے۔ شروع میں انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ قرآن مجید نے یہ سائنسی حقیقت چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے بیان فرمائی ہے، بعد ازاں انہوں نے اس خاص قرآنی آیت کے ترجمے کی تصدیق کی۔ پروفیسر میگاٹیٹ ٹیجاسن کو قرآنی آیت کی سائنسی صحت نے اس قدر متاثر کیا کہ ریاض میں قرآن وسنت کے سائنسی آثار کے موضوع پر منعقد کی جانے والی آٹھویں سعودی میڈیکل کانفرنس کے موقع پر انہوں نے مجمع کے سامنے بڑے فخر سے اعلان کیا:

''لا اله الا الله محمد رسول الله''

''اللہ کے سوا معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

"There is no God but Allah and Muhammad (S.A.W) is His Messenger."

خلاصہ

قرآن پاک میں بیان کردہ سائنسی حقائق کو محض اتفاقی مطابقت قرار دینا Common Sense اور خالص سائنسی طرز فکر کے خلاف ہوگا۔ دراصل آیات قرآنیہ کی سائنسی صحت قرآن مجید کے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے:

''سنریهم ایتنا فی الافاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربك انه علی کل شی شهیدO''
(القرآن الکریم، پارہ نمبر 25، سورۃ نمبر 41 (حم السجدہ)، آیت نمبر 53)

''ہم جلد اپنی آیات انہیں اطراف عالم میں اور (خود) ان کی ذات میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) حق ہے۔ کیا آپ کے رب (کی قدرت پر ایمان لانے) کیلئے (یہ) کافی نہیں کہ وہ ہر شے کا شاہد ہے۔''

قرآن مجید اس آیت میں تمام انسانوں کو کائنات کی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے:

''ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنہار لایت لاولی الالباب o''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 190)

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔''

قرآن مجید کے سائنسی شواہد واضح طور پر اس کے الہامی ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔ چودہ سو پینتیس برس پہلے کوئی بھی انسان ایسی کتاب تحریر نہیں کر سکتا تھا جو اس قدر عمیق سائنسی حقائق کی حامل ہو۔

قرآن مجید سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ نشانیوں (Signs) کی کتاب ہے جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا گیا۔ یہ نشانیاں انسان کو زمین پر اپنی موجودگی کا مقصد سمجھنے کیلئے دعوتِ فکر دیتی ہیں اور فطرت سے ہم آہنگ زندگی گزارنے کیلئے بھی۔ قرآن درحقیقت کائنات کے خالق اور رازق اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایک پیغام ہے۔ یہ اپنے اندر خدائی وحدانیت کا وہی پیغام رکھتا ہے جس کی تبلیغ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک بھی انبیاء کرام علیہ السلام نے کی۔

قرآن مجید اور جدید سائنس کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس میدان میں مزید تحقیق ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ العزیز یہ تحقیق انسانیت کو خدائے بزرگ و برتر کے کلام سے قریب تر آنے میں مدد دے گی۔

پروفیسر میگاٹیٹ ٹیجاسن نے قرآن مجید میں مذکور صرف ایک سائنسی حقیقت کی طاقت پر اسلام قبول کرلیا۔ قرآن مجید کی الہامی بنیاد کا قائل ہونے کے لئے کچھ لوگوں کو دس نشانیاں درکار ہوسکتی ہیں جبکہ کچھ کو سو نشانیاں۔ کچھ لوگ ایک ہزار نشانیاں دکھانے پر بھی حق کو تسلیم نہیں کریں گے۔ قرآن مجید ایسی بند ذہنیت کی مندرجہ ذیل الفاظ میں مذمت کرتا ہے:

> ''صم بکم عمی فھم لایرجعون○''
> (القرآن الکریم، پارہ نمبر ۱، سورۃ نمبر 1 (البقرۃ)، آیت نمبر 18)
> ''وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں پس وہ (اپنے کفر سے) رجوع نہیں کریں گے۔''

قرآن مجید فرد اور معاشرے کے لئے مکمل ضابطۂ حیات کا حامل ہے۔ الحمدللہ! قرآنی طرزِ حیات ان نظام ہائے زندگی سے کہیں برتر ہے جو دورِ حاضر کے انسانوں نے محض اپنی جہالت سے بنا لئے ہیں۔ خود خالق کے علاوہ آخر کون بہتر رہنمائی مہیا کرسکتا ہے۔؟

اعجازِ قرآن اور غیر مسلم فضلاء

1: چیمبرس انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

''قرآن نے ظلم، جھوٹ، غرور، انتقام، غیبت، طمع فضولی خرچی، حرامکاری، خیانت اور بدگمانی کی بہت سخت برائی بیان کی ہے اور یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔''

2: ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی کہتے ہیں:

''قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پر زور ایمانی جوش پیدا کردیتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔''

3: سر ولیم میور کہتے ہیں:

''قرآن نے فطرت اور کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کیا ہے اور انسانوں کو خدا کی اطاعت اور شکر گزاری پر جھکا دیا۔''

4: پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم اے کہتے ہیں:

''میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا ہوں اور اس کے مفہوم و معانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں تو میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو جاتی ہے لیکن ژنداوستا (جو کہ پروفیسر صاحب کی مذہبی کتاب ہے) کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ علم الازمان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم دیگر غراض کے لیے پڑھا جائے تو طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔''

5: مسٹر عمانوئل ڈی انش کہتے ہیں:

''قرآن کی روشنی اس وقت یورپ میں نمودار ہوئی جب تاریکی محیط ہو رہی تھی اور اسی سے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندگی مل گئی۔''

6: ڈاکٹر جانسن کہتے ہیں:

''قرآن مجید کے مطالب ایسے مناسب اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے پر افسوس ہمارا تصور ہے کہ ہم کو دیکھ کر دنیا اس سے نفرت کرتی ہے۔''

7: پروفیسر رینلڈ اے نکلسن کہتے ہیں:

''قرآن کے اثر سے عربی زبان تمام اسلامی دنیا کی متبرک زبان بن گئی اور قرآن نے دختر کشی (بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے) کا خاتمہ کر دیا۔''

8: مسٹر ایچ ایس لیڈر کہتے ہیں:

''تعلیم قرآن سے فلسفہ و حکمت کا ظہور ہوا اور ایسی ترقی کی کہ اپنے عہد کی بڑی سے بڑی یورپین سلطنت کی تعلیم حکمت سے بڑھ گیا۔''

9: مسٹر ای ڈی ماریل کہتے ہیں:

''اسلام کی قوت و طاقت قرآن میں ہے۔ قرآن اساسی قانون ہے اور حقوق کی دستاویز ہے۔''

10: جان جاک ریسک، جرمنی فلاسفر کہتے ہیں:

''جب پیغمبر ﷺ کی زبان سے منکر قرآن سنتے تو بیتاب ہو کر سجدے میں

گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔‘‘

11: تھیوڈور نولدیکی کہتے ہیں:

’’قرآن لوگوں کی ترغیب و تربیت کے ذریعہ معبودان باطل سے پھیر کر ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن میں موجودہ دور اور آئندہ کے علوم وفنون کا ذکر موجود ہے۔

12: مسٹر سٹینلی لین پول کہتے ہیں:

’’قرآن میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہئے اور جو ایک بزرگ انسان (محمد) میں موجود تھا۔

13: مسٹر جے ٹی بٹانی کہتے ہیں:

’’قرآن نے بے حد و بیشمار انسانوں کے اعتقاد اور چال چلن پر نمایاں اثر ڈالا اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کر دیا۔‘‘

14: ایچ جی ویلز کہتے ہیں:

’’قرآن نے مسلمانوں کو ایسی مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل اور زبانوں کے فرق کی پابند نہیں ہے۔‘‘

15: پادری والرشن ڈی ڈی کہتے ہیں:

’’قرآن کا مذہب امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔‘‘

16: مسٹر بوسورتھ اسمتھ کہتے ہیں:

’’محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ قرآن ان کا مستقل اور دائمی معجزہ ہے اور میں مانتا ہوں کہ واقعی یہ ایک معجزہ ہے۔

17: گاڈفری ہنگیس کہتے ہیں:

’’قرآن غریب آدمی کا دوست و غمخوار ہے اور چھوٹے بڑے سب آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔

18: مسٹر رچرڈسن کہتے ہیں:

''غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندوشاستر (ہندوؤں کا لٹریچر) قرآن سے بدل دیا جائے۔ (ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مثلاً ویدوں کی جگہ قرآن مجید کی تعلیم دی جائے تو غلامی ختم کی جاسکتی ہے)''

19: ڈین سٹینلی کہتے ہیں:

''قرآن کا قانون بے شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔''

20: میجر لیونارڈ کہتے ہیں:

''قرآن کی تعلیم بہترین ہے اور انسانی دماغوں پر نقش ہو جاتی ہے۔''

21: اخبار نیر ایسٹ میں لکھا ہے:

''اگر ہم قرآن کی عظمت وفضیلت اور حسن وخوبی سے انکار کریں تو ہم عقل ودانش سے بیگانہ ہوں جائیں گے۔''

22: سر اڈورڈ ڈینی سن راس سی آئی اے کہتے ہیں:

''قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پڑھا جائے۔''

23: ڈاکٹر چارٹن کہتے ہیں:

''قرآن کا طرز تحریر دل آویز ہے، رواں ہے، مختصر اور جامع ہے۔ قرآن خدا کا ذکر شاندار طریقہ سے کرتا ہے۔''

24: مسٹر ارنلڈ وہائٹ کہتے ہیں:

''قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی وخیرات وفیاضی بھی۔ قرآن نے وہ اصول فطرت پیش کیے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔''

25: ڈاکٹر موریس فرانسیسی کہتے ہیں:

''قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت وبلاغت ہے۔ مقاصد کی

خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔"

26: مسٹر لڈلف کرمل کہتے ہیں:

"قرآن میں عقائد واخلاق کا مکمل ضابطہ وقانون موجود ہے، وسیع جمہوریت، رشد وہدایت، انصاف وعدالت، فوجی تنظیم، تربیت، مالیات اور غرباء کی حمایت وترقی کے اعلیٰ آئین موجود ہیں اور ان سب باتوں کی بنیاد ذات باری تعالیٰ کے اعتقاد پر رکھی گئی ہے۔"

27: جارج سیل کہتے ہیں:

"قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔"

28: ریورنڈ جی ایم راڈویل کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم نے بت پرستی مٹائی، جنات اور مادیات کا شرک مٹایا، اللہ کی اور عبادت قائم کی بچوں کے قتل کی رسم نیست ونابود کر دی۔"

29: آر یورنڈ میکسوئل کنگ کہتے ہیں:

"قرآن الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اسلام کے اصول وقوانین اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ کے کاروبار کی نسبت ہدایات موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کے مذہبی تعلیم وقانون علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔"

30: موسیو داجین کلافل فرانسیسی کہتے ہیں:

"قرآن مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعی احکام بھی ہیں جو انسان کی زندگی کے لیے ہر حالت میں مفید ہیں۔"

31: ڈیون پورٹ کہتے ہیں:

''قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی اور تعزیری سب ہی معاملات اس میں ہیں، باوجود اس کے کہ یہ ایک مذہبی کتاب ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ موضوع بنایا۔''

32: پروفیسر کارلائل کہتے ہیں:

''میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے پیدا ہو سکتی ہے۔''

33: کونٹ ہنری وی کاسٹری کہتے ہیں:

''قرآن کو دیکھ کر عقل حیرت میں ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔''

34: ڈاکٹر گبن کہتے ہیں:

''قرآن وحدانیت کا بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی۔''

35: الکس لوازوں فرانسیسی فلاسفر کہتے ہیں:

''قرآن روشن اور پر حکمت کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوا جو سچا نبی تھا اور خدا نے اس کو بھیجا تھا۔ جدید علمی انکشافات میں یا ان مسائل میں جن کو ہم نے علم کے زور سے حل کیا ہے یا ہنوز زیر تحقیق و نظر ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تحقیقات قرآنی کے مخالف ہو۔ ہم نصرانیوں (عیسائیوں) نے نصرانیت کو علم و سائنس کے ہم آہنگ و ہمنشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام و قرآن میں یہ سب کچھ پہلے ہی سے موجود ہے اور پوری طرح سے موجود ہے۔''

36: موسیو سیڈ فرانسیسی کہتے ہیں:

''اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں

دیکھا جس کے اثر سے عربوں کی معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔"

37: موسیو کاسٹن کار کہتے ہیں:

"روئے زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہے تو دنیا کا امن و امان کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔"

38: ایکم دی بولف جرمن کہتے ہیں:

"قرآن نے صفائی، طہارت اور پاکبازی کی ایسی تعلیم دی کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بیماروں کے کیڑے سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔"

39: مسٹر روڈول کہتے ہیں:

"جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، لیکن فوراً ہی ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین واغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پُر زور اثر دکھاتی رہے گی۔"

40: گوئٹے کہتے ہیں:

"جس قدر ہم اس کتاب (قرآن مجید) کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ اسی قدر اس کی تعلیمات ہمیں کھینچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے، پھر متعجب کرتی، فرحت آمیز تحیر دیتی اور آخر کار اپنا احترام کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔"

41: پاپولر انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

"قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اسکی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بیمثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے احکام اس

قدر مطابق عقل وحکمت وفطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

42: اڈمنڈ برک کہتے ہیں:

"اسلامی قانون (قرآن مجید) ایک تاجدار سے لیکر ادنیٰ ترین افرادِ رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو ایک معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔"

43: بابا نانک کہتے ہیں:

"تورات، زبور، انجیل اور وید وغیرہ سب کو پڑھ کر دیکھ لیا، قرآن ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی۔ اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی تلاوت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے وہ قرآن شریف ہی ہے۔"

44: بابا بھوپندر ناتھ باسو کہتے ہیں:

"تیرہ سو برس کے بعد (یہ بات بابا بھوپندر نے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے لکھی تھی) بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔"

45: بابو بپن چندر پال کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔"

46: مسز سروجنی نائیڈو کہتے ہیں:

"قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ دنیا اس کی پیروی سے خوش حال ہو سکتی ہے۔"

47: مہاتما گاندھی کہتے ہیں:

"مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں۔"

اساسی تعلیمات

ایمانیات

قرآن مجید اگرچہ عقل سے کام لینے کی بار بار تلقین کرتا ہے اور اپنے دعوؤں پر عقلی استدلال بھی کرتا ہے، کیونکہ انسانوں کے پاس تلاشِ حقیقت کے لئے فانوسِ عقل کے سوا اور کوئی روشنی نہیں ہے۔ الہامی صلاحیت جو عقل کی کمی کو پورا کرتی ہے، اسے وہ عقل کے ذریعے ہی پہچان سکتا ہے، مگر وہ اپنے ماننے والوں کو جس حالت تک پہنچانا چاہتا ہے وہ محض ایک فلسفیانہ شعور نہیں ہے، جس میں ظن وتخمین اور تامل وتذبذب اور بار بار کا ادل بدل کارفرما رہتا ہے۔ وہ اندھی جذباتیت اور اوہام پرستی سے بھی انسان کو بچانا چاہتا ہے۔ اس کا مطلوب ''حالت ایمان'' ہے۔ محض تعقل، غیر عملی تفلسف، اوہام پرستی اور یکسر جذباتیت انسانی زندگی کو ہرگز نہیں سنوار سکتی۔

انسانی زندگی ہر حال میں حالت ایمان کی محتاج ہے۔ ایمان وہ اعلیٰ کیفیت ہے جو عقلیت، یقین محکم، اعلیٰ تر جذبات اور بھرپور ذوق عمل کے ایک نقطے پر مجتمع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایمان وہ قوت ہے جو انسان کی شخصیت کے تمام شعبوں کو ایک مقصد کے لئے متحرک کر دیتی ہے۔ ایمان سے بہرہ مند آدمی راستی، عدل، محبت اور احسان کی قدروں سے سرشار ہو کر اپنے مسلکی حقائق و مقاصد کے لئے شہادت علی الناس کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ پھر اپنے فرائض بے لوث ایثار کے ساتھ ادا کرتا ہے اور خواہشات اور مفاد کی قربانی دیتا ہے، مخالفتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ہنسی خوشی سے دکھ جھیلتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری متاع زندگی کو قربان کر دیا جائے۔

قرآن مجید جن حقیقتوں کی طرف بلاتا ہے اور ان پر مبنی جس نظام زندگی کی دعوت دیتا ہے ان کے لئے اس قسم کے زندہ وفعال ایمان کا مطالبہ کرتا ہے:

1: توحید پر ایمان۔
2: رسالت پر ایمان۔
3: الہامی کتب پر ایمان۔
4: فرشتوں پر ایمان۔
5: تقدیر پر ایمان۔
6: آخرت پر ایمان۔

عقیدۂ توحید

اسلام کی تعلیم کا اولین محور ہے کہ اس کائنات کا نظم، اس کے ضابطے، اس کا سلسلہ علت و معلول، اس کے اجزا کا توافق، اس کا حسن و جمال اور اس کے اندر ہونے والے ہر واقعہ کا کسی نہ کسی نتیجے پر منتہی ہونا ایسی کھلی شہادتیں ہیں کہ یہ کھربوں سالہائے نور کی وسعتیں رکھنے والی مادی دنیا ایک خالق کے خلق کرنے سے پیدا ہوئی ہے اور ایک منتظم کے حسن تدبیر سے چل رہی ہے۔

پھر قرآن مجید بتاتا ہے کہ تم بھی خدا کی اس سلطنت کائنات کے اندر خدا کی پیدا کردہ مخلوق ہو، اس لیے تم خدا کے رزق پر پلنے والی راعیت میں اس کی عطا کردہ قوتوں سے زندگی کے تقاضے پورے کرنے پر قادر ہوئے ہو، لہٰذا تمہارے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ تم اس کی عبادت واطاعت میں زندگی گزارو۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ ایسی منظم و حسین کائنات کئی مختلف خداؤں کی موجودگی میں ایک لحظہ کے لئے نہیں چل سکتی، ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو اس کے ہر گوشے میں تصادم رونما ہو جاتا۔ پس تمہارا خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت بھی کرو تو اسی ایک خدا کی اور مدد بھی مانگو تو اسی ایک خدا سے۔ وہی ایک خدا تمہارا خالق ہے، رازق ہے، مالک ہے، حاکم ہے، جزا اور سزا دینے والا ہے۔ پس اسی ایک کو اپنا رب اور اپنا اِلٰہ مانو۔ اس کے ساتھ کسی دوسری قوت کی اِلٰہیت کا پیوند نہ لگاؤ۔ یہ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور اپنے حقوق میں کسی دوسرے کی شرکت کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ بطور امر واقعہ کے

ایسی کوئی شراکت موجود ہے۔

خدا کی توحید کا یہ تصور ہی وہ واحد نقطہ ہے جس پر دنیا کی تمام قومیں، تمام نسلیں، اپنی بولیوں اور رنگوں کے اختلافات کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ یہی وحدت انسانیت کا واحد راستہ ہے۔ یہ خدائے واحد جو انسانوں سے محبت کرتا ہے اور محبت کرنے کی وجہ ہی سے ان کے سامنے ہدایت کی راہیں اسلامی تعلیم کے ذریعے واضح کرتا ہے، ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی مصیبتوں میں سہارا بنتا ہے، اس پر ایمان لانا ایسی قوت کا سرچشمہ ہے کہ جس کے بل پر انسان زندگی کی کشاکش کے پرصعوبت مراحل کو جرأت و ہمت سے طے کرتا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور عبادات میں وحدہٗ لاشریک سمجھا جائے۔ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد، ماں ہے نہ باپ اور نہ تو وہ کسی کی ذات کا حصہ ہے نہ کوئی اس کی ذات کا جزء۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوتا ہے:

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ○ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ○''

(القرآن المجید، پارہ 30، سورۃ نمبر 112 (الاخلاص)

''تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے۔ ○ اللہ بے نیاز ہے۔ ○ نہ اسکی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ○ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔ ○''

اس کے برعکس کسی کو اللہ کا بیٹا، بیٹی، بیوی وغیرہ ماننا یا مخلوق میں سے کسی کو اللہ کی ذات کا حصہ اور جزء اعتقاد کرنا وغیرہ ''شرک فی الذات'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کو صفات میں واحد تسلیم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات میں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں یکتا، بے مثل و مثال اور لاشریک مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''رَزَّاقٌ'' (ہمیشہ رزق دینے والا) اور ''سَمِیْعٌ'' (ہمیشہ سننے والا) ہے۔ یہ حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں کسی دوسرے میں ان کا پایا جانا محال ہے۔

مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں یہ فرق ہے کہ ہم مخلوق اللہ تعالیٰ کی عطا سے سنتے

ہیں نہ کہ حقیقی طور پر، لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی صفات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ ازلی وابدی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دنوں، مہینوں، سالوں اور صدیوں سے نہیں بلکہ ازل سے سننے والا ہے اور ہمیشہ سنتا رہے گا، لیکن ہم نہ تو ہمیشہ سے سنتے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ سنتے رہیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں بے مثل، مثال اور یکتا ہے۔ کوئی بھی اس کی صفات میں شریک نہیں۔ اس کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا ''شرک فی الصفات'' کہلاتا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی صفات کا مالک ہے۔ وہ تمام صفات رذیلہ یعنی بری صفات سے پاک ہے۔ مثلاً: جھوٹ بولنا بری صفت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

وحدت عبادت سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک سمجھا جائے، ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص تسلیم کیا جائے اور کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سجدہ، رکوع، صدقہ، قربانی، خیرات، طواف، اعتکاف اور دعا صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادات ہیں۔ اگر کوئی غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، صدقہ دیتا ہے، قربانی کرتا ہے، طواف کرتا ہے، اعتکاف کرتا ہے تو یہ عبادات میں اللہ کے غیر کو اللہ کا شریک بناتا ہے۔ اسے ''شرک فی العبادت'' کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ رسالت

انسان الہامی ہدایت کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح سورج کی روشنی، ہوا، پانی اور روٹی کا محتاج ہے۔ اس کے رب والہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام بھی اسی طرح کر دیا ہے جس طرح اس کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام فرمایا۔ اسی انتظام کا عنوان نظام رسالت ہے۔

خدائے واحد نے اولین انسان کو اپنی ہدایت سے نوازا اور پھر جوں جوں نسل انسانی پھیلتی گئی، ہر دور میں ہر قوم کے لئے وقت کے بہترین کردار کے انسانوں کو منتخب فرما کر انہیں

فریضہ رسالت تفویض کیا۔

خدا کے مبعوث کردہ انبیاء ورسل علیہم السلام نہ صرف اس کی ہدایت اور صحیفے انسانوں کو پہنچاتے رہے بلکہ ان کے مطابق نمونے کی زندگیاں بسر کر کے بھی دکھاتے رہے کہ خدا کو بندوں سے کیسی زندگی مطلوب ہے اور اسے کیا چیز پسند ہے۔

انبیاء کے ذریعے جو "ہدایت نامے" انسان تک پہنچے ہیں ان میں صحف ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کے علاوہ چار بڑی کتابیں معروف ہیں۔ ان کتب کے نام یہ ہیں:

1: تورات۔
2: زبور۔
3: انجیل۔
4: قرآن مجید۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور قرآن مجید آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔

اول الذکر تینوں کتب کی حفاظت ان کے علمبردار نہ کر سکے، بلکہ الٹا ان میں تحریف کی گئی۔ آخر کار قرآن مجید کے ذریعے ان کی تعلیمات کو صحیح ترین اور مکمل ترین شکل میں انسانیت کے سامنے رکھ دیا گیا، جسے سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور صرف لائے ہی نہیں بلکہ اپنی ذات سے لے کر ایک مکمل نظام حیات کے دائرے تک میں اس کے ایک ایک شوشے کو جلوہ گر کر کے دکھا دیا کہ ہدایت یافتہ انسان اور ہدایت یافتہ معاشرے کی ساخت کیا ہونی چاہیے۔

نبیوں اور رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور چنے ہوئے بندے ہیں۔ وہ تمام مخلوق سے معزز و مکرم اور ساری مخلوقوں سے اعلیٰ واشرف ہیں۔

ان سب انبیاء ورسل علیہم الصلوۃ والسلام نے اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام رسائی کا حق ادا کیا ہے۔ اس پیغام رسانی میں کوئی کمی کی نہ کوئی زیادتی۔ ہو بہو اسی

کی تبلیغ کی اور وہی کچھ سکھایا اور بتایا جو اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء و رسل کو ارسال فرمایا۔ انہوں نے جو دعوت اپنی اپنی قوم کو دی وہ حق تھی، پہلے انبیاء و رسل سارے کے سارے سچے تھے۔ ان کی تبلیغ اور دعوت حق تھی۔ کوئی بھی انسان چاہے جتنا بھی عبادت گزار ہو کسی بھی نبی و رسول سے بڑھ نہیں سکتا بلکہ ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ ان سب کا ادب و احترام کرنا فرض اور عینِ دینِ حق ہے۔ ان کے ذکرِ خیر کے وقت "علیہ الصلوۃ والسلام" کہنا ضروری ہے۔ سارے انبیاء و رسل "معصوم عن الخطاء" ہیں، یعنی ان سے کوئی بھی غلط کام صادر نہیں ہوتا۔ یہ صرف نیک کام کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ یہ سب دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ ان انبیاء و رسل کی کل تعداد کے متعلق حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، البتہ حدیث میں ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) ہے۔ جن میں سے تین سو تیرہ (اور ایک روایت کے مطابق تین سو پندرہ) رسول ہیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 5، باب مسند ابی ذر، عربی صفحہ نمبر 265)

انبیاء و رسل میں بھی مراتب ہیں کہ نبی سے افضل رسول، رسول سے افضل اولوالعزم رسول، اولوالعزم رسول سے افضل کلیم، کلیم سے افضل خلیل اور خلیل سے افضل حبیب (علیہم الصلوۃ والسلام) ہیں۔

سرورِ کون و مکاں، احمدِ مجتبیٰ، ہادیٔ کل جہاں، دانائے سبل، خاتمُ الرسل، آمنہ کے لال، پیکرِ حسن و جمال، منبع شرفُ و کمال، شفیعُ المذنبین، رحمۃٌ للعالمین، سیدُ الاولین والاخرین، خیرُ الوریٰ، شمسُ الضحیٰ، بدرُ الدجیٰ، والیِ بطحاء، صاحبُ المعراج والاسرا، خاتمُ الرسل والانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان یہ ہے کہ اس بات کو دل و جان سے مانا اور تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو نبی و رسول بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تمام انبیاء و رسل کے سردار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی بعثت سعید سے لے کر قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا ہی دورِ نبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ کوئی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی تبلیغ کرنے سے دریغ نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ

وصحبہ وسلم سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی شان تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی شان میں ذرا سی بھی گستاخی ایمان سے خارج کردیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے خطا کبھی بھی سرزد نہیں ہوئی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم "معصوم عن الخطاء" ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سید البشر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھنا یا کہنا جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کو عطا فرمادیئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطاء سے بطور معجزہ غیب بھی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 40)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام کائنات سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے محبت کی جائے اور اس محبت اور پیار کو دل کی دھڑکن بنایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"

(الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حبّ الرسول من الایمان، جلد نمبر ۱، عربی صفحہ نمبر 7)

"اس وقت تک تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت کے بلوغ کے موقع پر اور بین الاقوامی دور کے سرے پر ہوئی ہے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ تحریف کے تمام خطرات سے محفوظ کر دی گئی ہے۔ پس یہ کتاب آخری کتاب ہے اور اس کے لانے والے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار مخلوق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مختلف کاموں پر ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام انبیاء و رسل تک وحی پہنچانے پر مامور تھے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بارش برسانے، بادل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے (وغیرہ) پر مامور ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام روح کو قبض کرنے پر ماموہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صور پھونکنے پر مامور ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ فرشتے جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ وہ ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، وہ انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے منکر نکیر کے نام سے جانے جاتے ہیں اور یہ قبر میں سوال و جواب کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ تمام فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حکم کی بجا آوری کے لیے تیار رہتے ہیں۔

کتابوں اور صحیفوں پر ایمان

کتابوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی کتب یا صحائف انبیاء و رسل پر نازل فرمائے وہ حق ہیں، ان کے احکام صحیح تھے۔ ان میں کوئی بھی جھوٹی بات نہ تھی۔ اب جو کتب و صحائف موجود ہیں قرآن مجید کے سوا ان میں تغیر و تبدیلی کی جا چکی ہے، لیکن اس تغیر و تبدیلی کے باوجود آج بھی جزوی طور پر ان میں جو کلامِ الٰہی موجود ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مشہور کتب یہ ہیں:

1: توراۃ۔

2: انجیل۔

3: زبور۔

4: قرآنِ مجید۔

توراۃ: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

انجیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

زبور: حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

قرآنِ مجید: خاتم الانبیاء والرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

قرآن کریم پر ایمان یہ ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن مجید تمام کتب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کے تمام احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم پر نازل فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے حرف بحرف اسی طرح امتِ مسلمہ تک پہنچایا۔ اس میں کوئی تبدیلی وتغیر نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہوسکتا ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم خاتم المرسلین ہیں، اسی طرح قرآن بھی "خَاتَمُ الْکُتُبِ" ہے۔ قرآنِ مجید ایک کامل دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن مجید کے نزول سے دینِ مکمل ہو چکا۔ اسی لیے اب کسی نبی ورسول یا کتاب کی ضرورت باقی نہیں۔ قرآن مجید پر ایمان اور عمل ہی جنت کی ضمانت ہے۔

عقیدۂ قضاء وقدر

تقدیر کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ تقدیر پر ایمان ہونے سے یہ مراد ہے کہ مخلوق کے ہر فرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے ازلی وابدی علم سے لکھا ہے اسے حق وسچ مانا جائے۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی وابدی سے لکھا ہے وہ حق ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھے ہیں وہی ہم سے صادر ہوتے ہیں۔

اعتراض: اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مجبورِ محض ہیں کہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہم اسی کو کر سکتے

ہیں اس کے خلاف نہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہے تو پھر ہمیں سزا و جزا کیوں۔؟

جواب: یہ مت سمجھیے کہ انسان مجبورِ محض ہے، بلکہ اللہ تعالی نے تو انسان کو بھی اختیار عطا فرمایا ہے۔ بات کو سمجھنے کے لیے یہ جملہ یاد رکھئے کہ......

> "جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے، ہم وہ نہیں کرتے بلکہ جو ہم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی و ابدی علم سے پہلے ہی وہ لکھ دیا ہے۔"

عقیدہ قضا و قدر ایسا اہم اور نازک مسئلہ ہے کہ اس پر بحث کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

عقیدۂ آخرت

آخرت پر ایمان لانا یہ ہے کہ انسان اس بات کا اعتقاد رکھے کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت کے بعد قبر کی پرخار وادی سے گزرنا ہے۔ قبر کے بعد حشر کے روز دوبارہ زندہ کیا جانا ہے اور اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں ایمان کے بعد نیک کام کرنے والوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کی جزا (جنت) دی جائے گی اور ایمان لانے کے بعد برے کام کرنے والوں کو سزا دیکر بالاخر جنت عطا کی جائے گی، لیکن بے ایمانوں، کافروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ نہ تو انہیں نکالا جائے گا، نہ انہیں موت آئے گی اور نہ ہی جہنم سے آزادی ملے گی۔ سارے مسلمان بالاخر جنت میں جمع ہو جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور سارے کافر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

کسی عقیدہ کی صحت کی ایک عقلی جانچ یہ بھی ہے کہ اس سے زندگی بہتر شکل اختیار کرتی ہے یا اس میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔؟ اس معیار کو سامنے رکھ کر سوچیں تو انسانی زندگی کا محض اس کرۂ ارضی کے جسمانی دور تک محدود ہونا ایسے نتائج تک پہنچاتا ہے جو فساد اور بگاڑ کے سوا کوئی نتیجہ نہیں دے سکتے۔ اگر زندگی بس یہیں تک ہے اور محض جسمانی ہے تو پھر انسان کے لئے اس سے بڑا کوئی نصب العین نہیں ہوسکتا کہ وہ اس مختصر دور میں اپنی ساری قوتیں زیادہ سے زیادہ فوائد اور لذات حاصل کرنے میں کھپا دے۔ کہیں وہ شرافت کا بہروپ بھرے،

کہیں غنڈہ گردی سے کام لے اور کہیں ظلم و جبر کی قوتیں استعمال کرے۔ عقلاً اس کا موقف صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ جسم و دماغ، دولت و کاروبار، تقریر و تحریر، قیادت و تنظیم، ادب و شعر اور سائنس کی جو بھی قوتیں رکھتا ہو ان کو زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ وہ میکاولی کا پرنس بن کر سحر آفرین نفسیاتی حربوں سے کام لے کر انسانوں کا شکار کرے۔ افراد سے آگے نکل کر یہ تصور تقاضا کرتا ہے کہ ہر طبقہ دوسرے طبقے کے خلاف اور ہر قوم دوسری قوم کے خلاف اور ہر عالمی بلاک دوسرے عالمی بلاک کے خلاف جبر و قوت اور ساز باز کی مختلف ترکیبیں آزما کر اپنے مفاد کی بنیاد دوسروں کے دکھ پر رکھے۔

اسی تصور نے سرمایہ داری سوشلزم کی مصیبتیں پیدا کیں اور اسی نے فلسفہ ارتقاء کے "اصول تنازع" اور "بقائے اصلح" کو اٹل صداقتیں بنا دیا۔ جنہیں اختیار کر کے افراد، اقوام اور طبقوں نے لاکھوں انسانوں پر ایسے ایسے عذاب ڈھائے ہیں کہ درندے شرما جائیں۔

جس تصور کے نتیجے میں انسانیت صدیوں سے مصائب کے چکر میں مبتلا ہو اور جس نے امن اور انصاف کھو دی ہو، تاریخ خود عقل انسانی کے سامنے شہادت دیتی ہے کہ وہ قطعی طور پر باطل ہے اور جو نظریات اس سے ہم آہنگ ہوں وہ بھی قابل استرداد ہیں۔

یہی وہ تصور تھا جس نے نمرود اور شداد پیدا کیے، جس نے طاقتور قوموں کو شکاری بنایا، جس نے سیاسی، اقتصادی اور فکری و ثقافتی غلامی کے قلادے مزدور ملتوں کی گردنوں میں ڈلوائے، جس نے سرمایہ داری اور مزدور سے ناجائز نفع اندوزی کرنا سکھایا اور جس نے اشتراکیت کو اس منزل تک پہنچایا کہ وہ محنت کش انسانوں کو جانوروں کے گلے میں بدل دے۔ قرآن مجید نے اس تصور کو توڑ کر رکھ دیا اور اس کے بخلاف آخرت کا شعور دلایا۔

قرآن مجید کا تصور آخرت یہ ہے کہ خدا کی طرف سے "اجل مسمیٰ" پوری ہونے پر انسانی دنیا ایک دن ختم کر دی جائے گی اور تمام کے تمام مردہ انسان زندگی کے اس دور میں داخل ہوں گے جس کا آغاز حشر یا بعث بعد الموت سے ہوتا ہے۔ پھر خدا کی عدالت لگے گی اور اس عدالت کے سامنے ہر آدمی کی زندگی کا پورا ریکارڈ پیش ہوگا۔ اس کے مظالم، اس کے ماحول کے تمام عناصر گواہی دیں گے اور پھر فیصلہ صادر ہوگا کہ اس شخص نے زندگی نیکی کی راہ

پر گزاری یا بدی اور ظلم کے راستے پر۔ پہلی صورت میں اسے رحمت خداوندی سے نوازا جائے گا اور دوسری صورت میں طویل عذاب ہے۔

یہ عقیدۂ آخرت جس کے تمام پہلوؤں کو قرآن مجید نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس زندگی کو ایک امتحانی زندگی قرار دیتا ہے۔ یہاں ہم ایک امتحان گاہ میں اتارے گئے ہیں اور ہماری جانچ ہو رہی ہے کہ خدا کی عطاء کردہ حیات، علم، قوت و اختیار اور اسکی نعمتوں سے ہم کس طرح کے مقاصد کے لئے کیا کام لیتے ہیں۔؟ یہ تصور امتحان ایمان و تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کا محرک بھی بنتا ہے اور بدی کی قوتوں کے خلاف کشمکش کرنے اور راستی اور نیکی کے خدائی نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد کا درس بھی دیتا ہے۔ اس عقیدے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے محبت کرو اور اس کی خدمت انجام دو۔ نہ یہ کہ ان پر ظلم کرو اور ان سے ناجائز فائدے اٹھاؤ۔ یہ عقیدہ آدمی کے سینے میں ایک پولیس چوکی، ادارۂ احتساب اور ایک نظام عدالت قائم کر دیتا ہے جو اسے تنہائیوں میں بھی نیکی پر قائم رہنے کے رضاکارانہ جذبے سے آراستہ کرتا ہے۔

اسلامی تصور آخرت اگر ہمارے سامنے نہ ہو تو ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

وہ شخص جس نے ساری عمر ظلم و معصیت میں گزار کر ہزارہا انسانوں کو مصائب کا شکار بنایا ہے اس کو آخر کون پوچھنے والا ہے؟ کسی استعمار یا آمریت کے علمبردار جو قوموں کی قوموں کو خونریزی اور جبر و تشدد کے تلخ تجربوں سے گزارتے ہیں آخر کونسا دنیوی اقتدار، قانون اور عدالتی نظام ان کے ایک ایک فعل اور اس کے اثرات کا احاطہ کر کے انہیں کما حقہ پوری سزا دے سکتا ہے۔؟

اسی طرح وہ شخص یا گروہ جو نوع انسانی کو سچائی اور نیکی سے بہرہ مند کرنے اور ان کی بہترین خدمات انجام دینے کے لئے عمروں قربانیاں دیتا ہے، کونسی حکومت اور اس کے ذرائع و وسائل اسے پوری پوری جزا دے سکتے ہیں۔؟

قرآنی تصور حیات کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لایعنیت بن جاتی ہے اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا انسان بننا

ناممکن ہے۔

بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو سائنسی اور عقلی مزاج رکھتا ہو، کس طرح موت کے بعد زندگی پر یقین کو قبولیت کا درجہ دے سکتا ہے۔؟ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آخرت پر کسی شخص کا یقین، اس کے اندھے عقیدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

تاہم آخرت پر مسلمانوں کا یقین عقلی دلائل کی بنیاد پر ہے۔ قرآن مجید کی ایک ہزار سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں سائنسی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ گزشتہ چند صدیوں کے دوران قرآن مجید میں بیان کردہ بہت سے حقائق دریافت ہو چکے ہیں، لیکن سائنس ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ تمام حقائق کی تصدیق کر سکے۔

اب ذرا فرض کیجئے کہ اگر قرآن پاک میں بیان کیے گئے اسی فیصد حقائق سو فیصد درست ثابت ہو گئے ہیں، باقی کے بیس فیصد حقائق کے بارے میں سائنس نے کوئی واضح نتیجہ اخذ نہیں کیا ہے کیونکہ سائنس ابھی تک اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی کہ قرآن میں بیان کردہ باقی حقائق کو صحیح یا غلط ثابت کر سکے۔ اس محدود علم کے ساتھ، جو ہمارے پاس ہے، ہم پورے وثوق سے یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس بیس فیصد حصے کا بھی صرف ایک فیصد حصہ یا کوئی ایک آیت ہی غلط ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید کا اسی فیصد حصہ (عقلی بنیادوں پر) سو فیصد درست ثابت ہو چکا ہے اور باقی کا بیس فیصد حصہ غلط ثابت نہیں کیا جا سکا تو منطق یہی کہتی ہے کہ وہ بیس فیصد حصہ بھی درست ہے۔

آخرت کا وجود جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اسی بیس فیصد مبہم حصے میں شامل ہے جو منطق کی رو سے صحیح ہے۔

ڈکیتی اچھا عمل ہے یا برا؟ اس سوال کے جواب میں کوئی بھی نارمل اور متوازن شخص یہی کہے گا کہ یہ برا عمل ہے۔ لیکن اس سے بھی اہم سوال یہ کہ کوئی ایسا شخص جو آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو، وہ کسی انتہائی طاقتور اور اثر و رسوخ والے مجرم کو کیسے قائل کرے گا کہ ڈاکے ڈالنا ایک برائی، ایک گناہ ہے۔؟

فرض کیجئے کہ میں دنیا کا سب سے طاقتور اور اثر و رسوخ والا مجرم ہوں۔ ساتھ ہی

ساتھ میں نہایت ذہین اور منطقی شخص بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکے ڈالنا بہت اچھا ہے کیونکہ اس سے مجھے اپنی پرتعیش زندگی گزارنے میں مدد ملتی ہے۔ لہٰذا میرے لیے تو ڈاکہ زنی بہت اچھا عمل ہے۔

اگر کوئی میرے سامنے اس بات کے حق میں ایک منطقی دلیل بھی پیش کر دے (جو میرے لیے بھی یکساں طور پر قابل قبول ہو) کہ ڈاکہ ڈالنا برا ہے۔ تو میں فوراً یہ کام چھوڑ دوں گا۔ اس کے جواب میں لوگ عموماً درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

بعض لوگ یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ لٹنے والے شخص کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔ یقیناً میں اس بات سے اتفاق کروں گا کہ لٹنے والے فرد کے حق میں ڈاکہ زنی کا عمل بہت برا ہے لیکن میرے لیے تو بہرحال یہ اچھا ہے۔ اگر میں ہزار ڈالر کی ڈکیتی ماروں تو میں کسی مہینے فائیو سٹار ہوٹل میں مزے سے کھانا کھا سکتا ہوں۔

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی دن کوئی دوسرا ڈاکو آپ کو بھی لوٹ سکتا ہے، لیکن میں تو خود بہت اثر ورسوخ والا مجرم ہوں اور میرے سینکڑوں باڈی گارڈ ہیں تو پھر بھلا کوئی دوسرا مجھے کیسے لوٹ سکتا ہے؟ یعنی میں تو دوسروں کو لوٹ سکتا ہوں مگر مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ ڈاکہ زنی ایک عام آدمی کے لئے تو پر خطر پیشہ ہو سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور بااثر شخص کے لئے نہیں۔

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی نہ کسی دن آپ کو پولیس گرفتار کر لے گی۔ ارے بھئی! پولیس تو مجھے گرفتار ہی نہیں کر سکتی! پولیس کے چھوٹے بڑے افسران سے لے کر حکومتی وزراء تک میرے پے رول پر ہیں۔ میرے نمک خوار ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اگر کوئی عام آدمی ڈاکہ ڈالے تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا اور ڈاکہ زنی اس کیلئے بری ثابت ہوگی، لیکن میں تو غیر معمولی طور پر بااثر اور طاقتور مجرم ہوں۔

مجھے کوئی ایک منطقی دلیل دیجئے کہ یہ عمل برا ہے تو میں ڈاکہ زنی چھوڑ دوں گا۔

ایک اور دلیل یہ بھی آ سکتی ہے کہ یہ بغیر محنت کے یا کم محنت سے کمائی گئی آمدنی ہے جس کے حصول کیلئے بہت مشقت نہیں کی گئی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ڈاکہ زنی کی کمائی میں کچھ خاص محنت کیے بغیر اچھی خاصی رقم ہاتھ لگتی ہے اور یہی تو میرے ڈاکے ڈالنے کی بڑی وجہ

بھی ہے۔ اگر کسی شخص کے سامنے زیادہ پیسہ کمانے کا آسان اور با سہولت راستہ ہو اور وہ راہ بھی ہو کہ جس سے پیسہ کمانے میں اسے بہت زیادہ محنت کرنا پڑے، تو منطقی ذہن رکھنے والا کوئی بھی شخص آسان راستے ہی کا انتخاب کرے گا۔

بعض لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکہ زنی انسانیت کے خلاف ہے اور یہ کہ ایک شخص کو دوسرے انسانوں کا خیال کرنا چاہیے۔ اس کا رد کرتے ہوئے میں یہ سوال کروں گا کہ ''انسانیت'' کہلانے والا یہ قانون کس نے لکھا ہے اور میں اس کی پاسداری کس خوشی میں کروں گا۔؟

یہ قانون کسی جذباتی اور حساس قسم کے انسان کیلئے تو اچھا ہو سکتا ہے لیکن میں منطقی انسان ہوں اور مجھے دوسرے انسانوں کی پروا کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

کچھ لوگ ڈاکہ زنی کو خود غرضانہ عمل بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ڈاکہ زنی ایک خود غرضانہ عمل ہے لیکن میں خود غرض کیوں نہ بنو۔؟ اسی سے تو مجھے زندگی کے مزے اڑانے میں مدد ملتی ہے۔

لہٰذا، ڈاکہ زنی کو برا عمل ثابت کرنے کی غرض سے دیئے گئے تمام عقلی دلائل بے سود رہتے ہیں۔ ان دلائل سے ایک عام اور کمزور انسان کو تو قائل کیا جا سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور با اثر شخص کو نہیں۔ ان میں سے کسی ایک دلیل کا دفاع بھی عقل اور منطق کی طاقت پر نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں بہت جرائم پیشہ افراد پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح دھوکہ دہی اور زنا جیسے جرائم، مجھ سے کسی شخص کیلئے اچھے ہونے کا جواز پا سکتے ہیں اور کوئی منطقی دلیل مجھے اس کے برا ہونے پر قائل نہیں کر سکتی۔

چلیے! اب ہم جگہیں بدل لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ دنیا کے طاقتور ترین اور با اثر مجرم ہیں، جس کے پے رول پر پولیس کے سپاہی سے لے کر وزراء تک سب موجود ہیں۔ آپ کے پاس اپنی حفاظت کیلئے ٹھگوں کی ایک پوری فوج ظفر موج ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں جو آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ عصمت دری، ڈاکہ زنی اور دھوکہ دہی وغیرہ برے اعمال ہیں۔

اگر میں وہی تمام دلائل (جو پہلے دیئے جا چکے ہیں) ڈاکہ زنی کو برا ثابت کرنے کے لیے پیش کروں تو مجرم بھی اسی انداز سے جواب دے گا جیسے میں نے پہلے کیا تھا۔

میں مانتا ہوں کہ مجرم ذہین ہے اور منطقی سوچ رکھتا ہے اور اس کے تمام دلائل صرف اسی وقت صحیح ہوں گے جب وہ دنیا کا سب سے طاقتور اور بااثر مجرم ہو۔

ہر ایک انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے انصاف ملے۔ حتیٰ کہ وہ دوسروں کے لئے انصاف کا خواہش مند نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنے لیے انصاف چاہتا ہے۔ بعض لوگ طاقت اور اثر ورسوخ کے نشے میں اس قدر بدمست ہوتے ہیں کہ دوسروں پر صعوبتیں اور تکالیف مسلط کرتے رہتے ہیں، لیکن یہی لوگ اس وقت شدید اعتراض کرتے ہیں کہ جب خود ان کے ساتھ کوئی ناانصافی کی جائے۔ ان کے دوسرے لوگوں کی تکالیف اور صعوبتوں کی طرف سے بے حس ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاقت اور اثر ورسوخ کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں یہ طاقت اور اثر ورسوخ ہی ہے جو نہ صرف انہیں دوسروں سے ناانصافی کرنے کے قابل بناتا ہے بلکہ دوسروں کو ان کے ساتھ ویسا ہی کرنے سے باز بھی رکھتا ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اس مجرم کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود پر قائل کروں گا۔ (اس بارے میں دلائل علیحدہ ہیں) اللہ تعالیٰ آپ سے بھی کہیں زیادہ طاقتور ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ منصف ترین بھی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

”ان الله لا يظلم مثقال ذرة و ان تك حسنة يضعفها و
يوت من لدنه اجرا عظيماo

(القرآن الجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 40)

”اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دوگنا کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔o“

منطقی اور سائنسی شخص ہونے کے ناطے جب اس کے سامنے قرآن مجید سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ انہیں تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لیتا ہے۔ وہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے تو پھر وہ مجھے سزا کیوں نہیں دیتا۔؟

ہر وہ شخص، جس کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہو، یقیناً یہ چاہے گا کہ ناانصافی کے مرتکب کو اس کے مال و دولت اور معاشرتی مرتبے کا لحاظ کیے بغیر سزا ملنی چاہیے۔ ہر نارمل انسان یہ چاہے گا کہ ڈاکو اور بدکار کو سبق سکھایا جائے۔ اگرچہ بہت سارے مجرموں کو سزا مل جاتی ہے لیکن پھر بھی ان کی ایک بڑی تعداد قانون سے بچنے میں کامیاب رہتی ہے۔ یہ لوگ بڑی پر لطف اور پر تعیش زندگی گزارتے ہیں اور بسا اوقات بڑے اطمینان سے رہتے ہیں۔ اگر کسی طاقتور اور با اثر شخص کے ساتھ اس سے بھی زیادہ با اثر اور طاقتور شخص ناانصافی کرے تو وہ بھی یہی چاہے گا کہ اس زیادہ طاقتور اور زیادہ با اثر شخص کو (جس نے ناانصافی کا ارتکاب کیا ہے) سزا دی جائے۔

دنیا کی یہ زندگی، آخرت کے لئے امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلو کم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور ہ"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 29، سورۃ نمبر 67 (الملک)، آیت نمبر 2)

"اللہ وہ ہے جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔ ہ"

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجور کم یوم القیمة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ہ"

(القرآن الجید، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 185)

"آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو، کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب ہے۔"

حتمی انصاف قیامت کے روز کیا جائے گا۔ مرنے کے بعد ہر شخص کو یوم حساب (روز قیامت) ایک بار پھر دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی سزا کا کچھ حصہ اس دنیا ہی میں بھگت لے، لیکن سزا اور جزا کا آخری اور حتمی معاملہ تو آخرت ہی میں کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی لٹیرے یا بدکار کو اس دنیا میں سزا نہ دے لیکن اسے روز محشر میں اپنے ایک ایک عمل کا اور ایک ایک گناہ کا حساب چکانا ہوگا اور وہ آخرت میں موت کے بعد کی زندگی میں اپنے ایک ایک جرم کی سزا پائے گا۔

جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے لگ بھگ ساٹھ لاکھ یہودیوں کو زندہ جلوایا تھا۔ بالفرض اگر پولیس اسے گرفتار بھی کر لیتی تو قانون کی پاسداری کرتے ہوئے (انسانی قانون کے مطابق) عدالت اسے زیادہ سے زیادہ کیا سزا دے سکتی تھی؟ بہت سے بہت یہی ہوتا کہ اسے بھی کسی گیس چیمبر میں بند کر کے ہلاک کر دیا جاتا، لیکن یہ تو صرف ایک بے گناہ یہودی کو قتل کرنے کی سزا ہوتی، باقی کے 5999999 یہودیوں کے قتل کی سزا اسے کس طرح دی جا سکتی تھی۔؟ اسے صرف ایک بار ہی سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ ہٹلر کو جہنم کی آگ میں ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ مرتبہ جلا دے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

> "ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیھم نارا کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزا حکیماo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 56)

> "جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کر دیا انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تا کہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، بیشک اللہ قدرت والا حکمت والا ہے۔o"

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو ہٹلر کو جہنم کی آگ میں محض ساٹھ لاکھ مرتبہ نہیں بلکہ لاتعداد بار

جلا سکتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ کسی شخص کو تصورِ آخرت یا موت کے بعد زندگی کے یقین پر قائل کیے بغیر اسے انسانی اقدار یا نیک و بد اعمال کے تصور پر قائل کرنا بھی ممکن نہیں۔ خصوصاً جب ان طاقتور اور با اختیار لوگوں کا معاملہ درپیش ہو جو ناانصافی میں پڑے ہوں۔

دین

اسلام کی اساسی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ چونکہ دین نام ہے پوری زندگی بسر کرنے کے انداز و اطوار کا اور اس کے مفہوم میں مسلک حیات اور نظامِ حیات کے تصورات شامل ہیں۔ اس لئے انسان بیک وقت کسی ایک ہی دین کا پیرو ہو سکتا ہے۔ وہ دین حق پر چلے گا یا دین باطل پر، وہ خدا پرستی کی راہ اختیار کرے گا یا خدا فراموشی کی اور وہ ایماندار ہوگا یا کفر کیش۔

ہر نظریہ اور فلسفہ ایک خاص قسم کے دین کی بنیاد ہوتا ہے اور ہر قوم اور ہر فرد کی زندگی جس نقشے پر بسر ہو رہی ہے وہی اس کا دین ہے۔

ہماری کتاب ہدایت (قرآن مجید) میں خدا نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تمہارے لئے قرآنی تصورِ آخرت کو چھوڑ دینے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ زندگی عقل کی نگاہ میں لایعنیت بن جاتی ہے اور زندگی کو لایعنی ماننے کے بعد انسان کا اچھا بننا ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں نے تمہارا خالق، مالک، حاکم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے اسلام کو تمہارا دین مقرر کر دیا ہے اور اس کے خلاف جس بھی نظامِ زندگی کو اختیار کیا جائے گا وہ خدا کی بارگاہ (اور عدالتِ آخرت) میں جائز (Valid) تسلیم نہیں کیا جائے گا۔"

پس قرآن کا مطالبہ خدا پرستوں سے یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر دین حق کے لئے یکسو ہو جائیں اور اس پر خود جم جائیں اور اسے معاشرے میں بھی غالب کرنے کی جدوجہد کریں۔

تصورِ عبادت

اسلام کا تصور عبادت دوسرے محدود مذاہب سے مختلف ہے۔ اسلامی تصور عبادت صرف اتنا نہیں ہے کہ خاص انفرادی دائرے میں پوجا پاٹ کے چند مقررہ طریقوں کو پورا کر دیا جائے گا بلکہ یہاں کا تصور عبادت پوری زندگی کو محیط ہے۔

اسلام کے نزدیک زندگی کا ہر فعل خواہ وہ فرد سے تعلق رکھتا ہو یا خاندان سے، معاشرے سے یا ریاست سے، مسجد کے اندر کی ذمہ داریوں سے یا کھیت سے، کارخانے و بازار سے تعلق رکھتا ہو یا دفتر کے مشاغل سے، بال بچوں کے معاملات سے یا تھانے، کچہری اور اسمبلی کی سرگرمیوں سے، اگر اسے خدا کے احکام و حدود کے تحت انجام دیا جائے تو وہ عبادت کے دائرے میں ہے۔ بصورت دیگر معصیت کے دائرے میں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے حدود میں رہ کر بال بچوں کے نفقہ کا انتظام کرنا، ازدواجی تعلقات استوار کرنا، امارت و قیادت کے منصب پر فائز ہونا، میدان جنگ میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا، عدالت کی کرسی سے حق کے مطابق فیصلے دینا اور صدق و دیانت کے ساتھ تجارت کرنا بھی عبادت کی وسیع تعریف میں داخل ہے۔

عبادت ہی کے تصور کے مطابق قرآن مجید نیکی کا جامع تصور دلاتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسوم کا بیرونی خول اصل نیکی نہیں بلکہ اصل نیکی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور پھر اس ایمان کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ جائے نماز سے لے کر میدان جہاد تک۔!

نصب العین

اسلام انسانی زندگی کو ایک بے مقصد کھیل تماشے کی حیثیت نہیں دیتا، بلکہ بامقصد کائنات میں رہنے والی مخلوق کو بھی وہ ایک اعلیٰ نصب العین سے بہرہ مند کرتا ہے۔ وہ نصب العین امت وسط، شہداء علی الناس اور حزب اللہ ہونے کے منصب جلیلہ پر ساری دنیا کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے، وہ بھی کسی ذاتی غرض اور کسی گروہی مفاد سے بالاتر ہو کر۔!

ہمارے لئے قرآن مجید کا عطا کردہ مقصد حیات یہ ہے کہ ہم جس مقام پر بھی ہوں،

جس حیثیت کے مالک بھی ہوں، جیسی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں اور جس پیشے میں بھی مصروف ہوں ہماری تمام سرگرمیوں کا مقصود ساری دنیا تک صلاح کا وہ پیغام بذریعہ قول و عمل پہنچانا ہے جس پر قرآن مجید مشتمل ہے۔

تمام قومی منافرتیں، تمام نسلی عصبتیں، تمام لسانی اور لونی دیواریں ہٹا دی گئی ہیں اور تمام دوسرے مفاد و مقاصد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید پر ایمان لانے والے کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ ہر شخص، ہر گروہ، ہر قوم اور ساری انسانیت کو قرآنی نظام عدل و احسان کے قریب لائے۔

اس قسم کے بلند، پاکیزہ اور اخلاقی نصب العین سے جو لوگ محروم رہ گئے ہیں ان کے سامنے دولت پرستی، نفس پرستی، جاہ پرستی اور جنس پرستی کے علاوہ دلچسپی کا کوئی اور عنوان ہی باقی نہیں رہا اور اس بیماری میں مبتلا اقوام اور تحریکوں کا حال یہ ہے کہ وہ جارحیت، بے علمی و عملی اور بداخلاقی کو تیزی سے فروغ دے رہی ہیں۔

☆☆☆

سیاسی تعلیمات

اسلام کا تصور کائنات

فلسفۂ سیاست کے نقطہ نظر سے اگر تصور کائنات کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں:

1: اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا اور خود انسان اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے جن سے انسان اس دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "کہو اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا ہے، سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا۔"
>
> (سورۃ نمبر ۲۱، آیت نمبر: ۱۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''اسی اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے۔''

(سورۃ نمبر ۲۰، آیت نمبر: ۸)

2: اس کائنات میں حاکمیت ایک اللہ کے سوا کسی کی ہے، نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی اور کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے، سوائے اللہ کے۔''

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۵۷)

3: حاکمیت کی جملہ صفات اور اختیارات صرف اللہ ہی میں مرکوز ہیں۔ اس کائنات میں کوئی ان صفات اور اختیارات کا حامل سرے سے ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''وہی اپنے بندوں پر غلبہ رکھنے والا اور وہی دانا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔''

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر: ۱۸)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وہ اللہ بادشاہ ہے ہر عیب و نقص سے پاک ہے، غلطی سے مبرا ہے۔ وہ امن دینے والا، نگہبان، غالب، بزور حکم نافذ کرنے والا اور کبریائی کا مالک ہے۔''

(سورۃ نمبر ۵۹، آیت نمبر ۲۲)

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

''کہو خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے! ساری بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

(سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۲۶)

حاکمیتِ الٰہیہ

کائنات کے اسی تصور کی بنیاد پر قرآن مجید کہتا ہے کہ انسانوں کا حقیقی فرمانروا اور حاکم بھی وہی ہے جو کائنات کا حاکم و فرمانروا ہے، انسانی معاملات میں بھی حاکمیت کا حق اسی کو پہنچتا ہے اور اس کے سوا کوئی انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں

ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ کائنات کا رب ہی درحقیقت انسان کا رب ہے اور اس کی ربوبیت تسلیم کی جانی چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o''

''کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی۔''

(سورۃ الناس، آیت نمبر 1 تا 3)

1: اسلام کہتا ہے کہ حکم اور فیصلہ کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اسی کی بندگی انسانوں کو کرنی چاہیے اور یہی صحیح طریق کار ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

(سورۃ نمبر ۱۲، آیت نمبر: ۴۰)

2: سورۃ آل عمران میں فرمایا:

''وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے۔؟ کہو اختیار سارا اللہ ہی کا ہے۔''

(سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۵۴)

3: دوسری جگہ ہے:

''خبردار! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔''

(سورۃ نمبر ۷، آیت نمبر: ۵۴)

4: اسلام کہتا ہے کہ حکم دینے کا حق اللہ کو اس لئے ہے کہ وہ کائنات کا بادشاہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کے لئے ہے۔؟''

(سورۃ النور)

5: اسلام کہتا ہے کہ اللہ کا حکم اس لئے برحق ہے کہ وہی حقیقت کا علم رکھتا ہے اور وہی صحیح

رہنمائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

(سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۱۶)

اسلام کا مقصد اتنا ہی نہیں کہ افراد کی اخلاقی اصلاح کر دی جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تدریجی مگر بنیادی انقلاب بنی نوع انسان کی پوری اجتماعی زندگی میں برپا کیا جائے۔ اسلام نے قومی و نسلی زاویہ نظر کو بدل کر اس کی جگہ خالص انسانی احساس و شعور پیدا کیا۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ صرف اسلام ہی بنیاد و اساس ہے قومیت کی، خواہ اسے تہذیبی مفہوم میں لیا جائے، خواہ سیاسی مفہوم میں۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اگر کسی شخص نے اسلام کے سوا کسی اور ضابطہ حیات و دین کو اختیار کیا تو یہ بات ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

ان وجوہ سے قرآن مجید فیصلہ کرتا ہے کہ اطاعت خالصۃً اللہ کی اور پیروی اسی کے قانون کی ہونی چاہئے۔ اس کو چھوڑ کر دوسروں کی یا اپنی خواہشات نفس کی پیروی ممنوع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پس تم دین کو اللہ کیلئے خالص کر کے اس کی بندگی کرو۔ خبردار! دین خالص اللہ ہی کیلئے ہے۔''

(سورۃ نمبر ۳۹)

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاملات کو منضبط کرنے کے لئے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے
تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔''

(سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۲۹)

نیز اسلام کہتا ہے کہ اللہ کے خلاف جو حکم بھی ہے نہ صرف غلط اور ناجائز ہے بلکہ کفر اور ظلم و فسق ہے۔ اس طرح کا ہر فیصلہ جاہلیت کا فیصلہ ہے جس کا انکار لازمہ ایمان

ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر ۴۴)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۵)

پھر ارشاد فرمایا:

”اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔“

(سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۶۴)

☆☆☆

مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کا وہ قانون جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، انسان تک اس کے پہنچنے کا ذریعہ صرف اس کا رسول ہے۔

رسول ہی خدا کی طرف سے اس کے احکام اور اس کی ہدایات انسانوں کو پہنچاتا ہے اور اپنے قول اور عمل سے ان احکام و ہدایات کی تشریح کرتا ہے۔ پس رسول انسانی زندگی میں خدا کی قانونی حاکمیت کا نمائندہ ہے اور اس بنا پر اس کی اطاعت لازمی ہے۔

1: اللہ تعالیٰ ہی کا یہ حکم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو بے چون و چرا تسلیم کیا جائے حتیٰ کہ ان پر دل میں ناگواری پیدا نہ ہو۔ ورنہ ایمان کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔“

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۸۰)

2: پھر فرمایا:

”جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو اور

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۵۹، آیت نمبر ۷)

3: پھر فرمایا:

"پس نہیں! تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ (اے نبی!) وہ تجھے اپنے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ تسلیم کر لیں۔"

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۶۵)

اللہ اور رسول کا حکم قرآن کریم کی رو سے وہ بالاتر قانون ہے جس کے مقابلہ میں اہل ایمان صرف اطاعت ہی کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ جن معاملات میں خدا اور رسول اپنا فیصلہ دے چکے ہیں ان میں کوئی مسلمان خود آزادانہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور اس فیصلے سے انحراف ایمان کی ضد ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اس معاملے میں ان کے لئے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

(سورۃ نمبر ۳۳، آیت نمبر: ۳۶)

خلافت

انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن کریم کے مطابق یہ ہے کہ ریاست اللہ اور رسول کی قانونی بالادستی مانے، اس کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت "خلافت" کی حیثیت قبول کر لے۔ اس حیثیت میں اس کے اختیارات تشریحی ہوں، عدالتی ہوں یا انتظامی لازماً ان حدود میں محدود ہوں گے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے نبی! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے جو

تصدیق کرتی ہے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی اور نگہبان ہے ان پر۔ پس جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے تم اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی میں اس حق سے منہ نہ موڑو جو تمہارے پاس آیات ہے۔"

(سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر: ۵۵)

اس خلافت کا جو تصور قرآن مجید میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں اس کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں۔ خدا نے خود ان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لئے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں، بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً"

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 30)

لیکن یہ خلافت صحیح اور جائز خلافت صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ مالک حقیقی کے حکم کے تابع ہو۔ اس سے روگردانی کر کے جو خود مختارانہ نظام حکومت بنایا جائے وہ خلافت کے بجائے بغاوت بن جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، انہیں چاہیئے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔"

(سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۵۵)

اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جماعت اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی

ریاست قائم کی ہو۔ سورۃ نمبر ۲۴ کی آیت نمبر ۵۵ کے الفاظ اس معاملہ میں صریح ہیں۔ ان کی رو سے اہل ایمان کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ کسی شخص یا طبقہ کو عام مومنین کے اختیاراتِ خلافت سلب کر کے انہیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں ہے، نہ کوئی شخص یا طبقہ اپنے حق میں خدا کی خصوصی خلافت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت، طبقاتی حکومت اور تھیاکریسی سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رخ پر موڑتی ہے، لیکن اس میں اور مغربی تصور جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوئی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوریت خلافت میں خود عوام حاکم کی ملکیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانون خداوندی کی حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔

اس نظام خلافت کو چلانے کے لئے جو ریاست قائم ہو گی عوام اس کی صرف اطاعت فی المعروف (نیکی کے کام میں اطاعت کرنے) کے پابند ہوں گے۔ معصیت میں نہ کوئی اطاعت ہے اور نہ تعاون۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کرو۔"

(سورۃ نمبر ۷۶، آیت نمبر ۲۴)

حدیث مبارکہ میں ہے:

"لا اطاعة فی المعصیة"

"گناہ کے معاملے میں اطاعت نہیں کی جائے گی۔"

اس ریاست کا پورا کام، اس کی تاسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت کے انتخاب اور انتظامی معاملات تک، اہل ایمان کے باہمی مشوروں سے چلنا چاہئے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ مشاورت بلاواسطہ ہو یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ان مومنوں کا کام آپس کے مشوروں سے چلتا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۴۲، آیت نمبر ۳۸)

اولی الامر کی صفات

اس ریاست کا نظام چلانے کے لئے اولی الامر کے انتخاب میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ یہ ہیں:

1: وہ ان اصولوں کو جانتا ہو جن کے مطابق خلافت کا نظام چلانے کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ ایک نظام کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولی مخالفین پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں اولی الامر ہوں۔"

(سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر: ۵۹)

2: یہ کہ وہ ظالم، فاسق و فاجر، خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والا نہ ہو، بلکہ ایماندار، خدا ترس، نیکو کار ہو۔ کوئی ظالم یا فاسق اگر امارت کے منصب پر قابض ہو جائے تو اس کی امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تو اطاعت نہ کر کسی ایسے شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کی ہے اور جس کا کام حد سے گزرا ہوا ہے۔"

(سورۃ نمبر ۱۸، آیت نمبر: ۲۸)

3: وہ نادان اور جاہل نہ ہو، بلکہ ذی علم، دانا، ذی فہم اور کاروبار کو چلانے کے لئے جسمانی اہلیت رکھتا ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اپنے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لئے ذریعہ قیام بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔"

4: وہ ایسا امانت دار ہو کہ ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر اعتماد کے ساتھ رکھا جا سکے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا"

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸)

ریاست اسلامی کے بنیادی اصول

اس ریاست کا دستور جن بنیادی اصولوں پر قائم ہے وہ یہ ہیں:

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔"

(سورت نمبر ۴، آیت نمبر ۵۹)

یہ آیت چھ دستوری نکات واضح کرتی ہے:

1: اللہ اور رسول کی اطاعت کا ہر اطاعت پر مقدم ہونا۔

2: اولی الامر کی اطاعت کا اللہ اور رسول کی تعلیمات کے تحت ہونا۔

3: اولی الامر اہل ایمان سے ہوں۔

4: لوگوں کو حکام اور حکومت سے نزاع کا حق ہے۔

5: نزاع کی صورت میں آخری سند اللہ اور اس کے رسول کا قانون ہے۔

6: خلافت ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو اولی الامر اور عوام کے دباؤ سے آزاد رہ کر اس بالاتر قانون کے مطابق جملہ نزاعات کا فیصلہ کرے۔

منتظمہ و مقننہ اور ان کے اختیارات

منتظمہ کے اختیارات لازماً حدود اللہ سے محدود اور خدا اور رسول کے قانون سے محصور ہوں گے، جس سے تجاوز کر کے وہ نہ کوئی ایسی پالیسی اختیار کر سکتی ہے، نہ کوئی ایسا حکم دے سکتی ہے جو معصیت کی تعریف میں آتا ہو، کیونکہ اس آئینی دائرے سے باہر جا کر اسے اطاعت کے مطالبہ کا حق ہی نہیں پہنچتا (اس کے متعلق قرآن و احادیث کے واضح احکام ہم اوپر بیان کر چکے ہیں)

علاوہ بریں یہ منتظمہ لازماً شوریٰ یعنی انتخاب کے ذریعہ سے وجود میں آنی چاہیے اور اسے شوریٰ یعنی مشاورت دونوں کے متعلق قرآن مجید قطعی صورتیں مقرر نہیں کرتا بلکہ ایک

وسیع اصول قائم کر کے اس پر عمل درآمد کی صورتوں کو مختلف زمانوں میں معاشرے کے حالات اور ضروریات کے مطابق طے کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

مقننہ لازماً ایک شوریٰ ہیئت ہونی چاہئے لیکن اس کے اختیارات قانون سازی بہر حال ان حدود سے محدود ہوں گے۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں خدا اور رسول نے واضح احکام دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کیے ہیں، یہ مقننہ ان کی تعبیر و تشریح کر سکتی ہے مگر ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ امور جن کے لئے بالاتر قانون ساز نے کوئی قطعی احکام نہیں دیئے ہیں، ان میں اسلام کی اسپرٹ اور اس کے اصولِ عامہ کے مطابق مقننہ ہر ضرورت کے لئے قانون سازی کر سکتی ہے، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی حکم نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شارع نے ان کو اہل ایمان کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

عدلیہ اور اس کے اختیارات

عدلیہ ہر طرح کی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہونی چاہئے، تاکہ وہ عوام اور حکام سب کے مقابلہ میں قانون کے مطابق بے لاگ فیصلہ دے سکے۔ اسے لازماً ان حدود کا پابند رہنا ہوگا اور اس کا فرض ہوگا کہ اپنی اور دوسروں کی خواہشات سے متاثر ہوئے بغیر ٹھیک ٹھیک حق اور انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔''
>
> (سورۃ نمبر ۵، آیت نمبر: ۴۸)

مقصد ریاست

ریاست کو دو بڑے مقاصد کے لئے کام کرنا چاہئے۔

1: انسانی زندگی میں عدل قائم ہو اور ظلم و جور ختم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھی نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا

جس میں سخت قوت اور لوگوں کے لئے منافع ہے۔"

(سورۃ نمبر ۵۷، آیت نمبر ۲۵)

2: ریاست کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ حکومت کی طاقت اور وسائل سے بھلائی اور نیکی کو ترقی دی جائے اور برائی کو دبایا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔"

(سورۃ نمبر ۲۲، آیت نمبر: ۴۱)

حدیث مبارکہ میں ہے:

"ان اللہ یزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن"

"اللہ تعالیٰ (اپنے اطاعت گزاروں کی) حکومت کی قوت کے ذریعے وہ کام لیتا ہے جو وہ (محض) قرآن (کے تلقینی ذریعے) سے نہیں لیا کرتا۔"

اسلامی ریاست کی خصوصیات

قرآن مجید کے ان نکات میں جس ریاست کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

1: ایک آزاد قوم کی طرف یہ شعوری عہد اس ریاست کو وجود میں لاتا ہے کہ وہ پوری خود مختاری کے مالک ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے خود رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی اور اس کے ماتحت حاکمیت کی بجائے خلافت کی حیثیت قبول کر کے ان ہدایات واحکام کے مطابق کام کرے گی جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا کیے ہیں۔

2: وہ (قوم) حاکمیت کو اللہ کے لئے خاص کرنے کی حد تک تھیا کریسی سے الگ ہو جاتی ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے کسی خاص طبقے کو خدا کی خصوصی خلافت ٹھہرانے اور حل و عقد کے سارے اختیارات اس طبقے کے حوالے کردینے کے بجائے وہ حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل ایمان کو (جنہوں نے رب العالمین کے آگے

سر تسلیم خم کرنے کا شعوری عہد کیا ہے) خدا کی خلافت کا حامل قرار دیتی ہے اور حل وعقد کے آخری اختیارات مجموعی طور پر ان کے حوالے کرتی ہے۔

3: وہ جمہوریت کے اس اصول میں "Democracy" سے متفق ہے کہ حکومت کا بننا، بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہئے، لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ ریاست کا قانون، اس کے اصول حیات کو داخلی و خارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع سب اس کی خواہشات کی تابع ہوں اور جدھر وہ مائل ہوں یہ ساری چیزیں بھی اس طرف مڑ جائیں، بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اخلاقی احکام و ہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں، نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو، الا یہ کہ قوم خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرۂ ایمان سے نکل جائے۔

4: وہ ایک نظریاتی ریاست ہے جس کو چلانا فطرتاً انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس کے بنیادی نظریئے اور اصول کو تسلیم کرتے ہوں، لیکن تسلیم نہ کرنے والے جتنے لوگ بھی اس کے حدود میں تابع قانون ہو کر رہنا قبول کر لیں انہیں وہ تمام مدنی حقوق اسی طرح دیتی ہے جس طرح تسلیم کرنے والوں کو دیتی ہے۔

5: اسلامی ریاست ایک ایسی ریاست ہے جو رنگ، نسل، زبان یا جغرافیہ کی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ زمین کے ہر گوشے میں نسل انسانی کے جو افراد بھی چاہئیں ان اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں اور کسی امتیاز و تعصب کے بغیر بالکل مساوی حقوق کے ساتھ اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لئے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی۔ اس طرح کسی قوم سے کشمکش کے

بجائے ان کے درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہوگا اور وہ کسی وقت بھی متفق ہو کر اپنا ایک عالمگیر وفاق قائم کر سکیں گی۔

6: سیاست کو مفاد اور اغراض کے بجائے اطلاق کے تابع کرنا اور اسے خدا ترسی و پرہیز گاری کے ساتھ چلانا اس ریاست کی اصل روح ہے۔ اس میں فضیلت کی بنیاد اخلاقی فضیلت ہے۔ اس کار خیر کے فرماؤں اور اہل حل وعقد کے انتخاب میں بھی ذہنی وجسمانی صلاحیت کے ساتھ اخلاق کی پاکیزگی سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اس کے داخلی نظام کا بھی شعبہ دیانت، امانت اور عدل وانصاف پر چلنا چاہئے اور اس کے خارجی نظام کا بھی ہر شعبہ دیانت وامانت اور عدل وانصاف پر چلنا چاہئے۔ اس کی خارجی سیاست بھی پوری راست بازی، قول وقرار کی پابندی، امن پسندی، بین الاقوامی عدل اور حسن سلوک پر قائم ہونی چاہئے۔

7: یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لئے نہیں ہے کہ اس کا کام صرف نظم وضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو، بلکہ یہ ایک مقصدی ریاست ہے جسے ایجابی طور پر اجتماعی عدل اور بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے استیصال کے لئے کام کرنا چاہئے۔

حقوق، مرتبے اور مواقع میں مساوات، قانون کی فرماروائی، نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون، خدا کے سامنے ذمہ داری کا احساس، حق سے بڑھ کر فرض کا شعور، افراد، معاشرے اور ریاست سب کا ایک مقصد پر متفق ہونا اور معاشرے میں کسی شخص کو ناگزیر لوازم حیات سے محروم نہ رہنے دینا یہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی قدریں ہیں۔

اسلام نے فرد اور ریاست کے درمیان اس نظام میں ایسا توازن قائم کیا ہے کہ نہ ریاست مختار مطلق اور ہمہ گیر اقتدار کی مالک بن کر فرد کو اپنا بے بس مملوک بنا سکتی ہے اور نہ فرد بے قید آزادی پا کر خودسر اور اجتماعی مفاد کا دشمن بن سکتا ہے۔ اس میں ایک طرف افراد کو بنیادی حقوق دے کر اور حکومت کو بالاتر قانون اور شوریٰ کا پابند بنا کر انفرادی شخصیت کے لئے نشوونما کے پورے مواقع فراہم کیئے گئے ہیں اور اقتدار کی بے جا مداخلت سے اس کو محفوظ کر دیا گیا، مگر دوسری طرف فرد کو بھی ضابطہ اخلاق میں کسا گیا ہے اور اس پر یہ فرض

عائد کیا گیا ہے کہ قانون خداوندی کے مطابق کام کرنے والی حکومت کی دل سے اطاعت کرے۔ بھلائی میں اس کے ساتھ مکمل تعاون کرے، اس کے نظام میں خلل ڈالنے سے باز رہے اور اس کی حفاظت کے لئے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

بنیادی حقوق

اس نظام میں رہنے والے مسلم و غیر مسلم باشندوں کے بنیادی حقوق یہ ہیں جنہیں تعدی سے محفوظ رکھنا ریاست کا فرض ہے:

1: جان کا تحفظ۔

2: حقوقِ ملکیت کا تحفظ۔

3: عزت کا تحفظ۔

4: نجی زندگی کا تحفظ۔

5: ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔

6: امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

7: آزادیٔ اجتماع۔

8: ضمیر و اعتماد کی آزادی کا حق۔

9: مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق۔

10: بس اپنا جواب دہ ہونا۔

11: بغیر ثبوت کے کاروائی نہ کی جائے۔

12: حاجت مند اور معذور افراد کو ضروریات کی فراہمی۔

13: مساوات کا پرچار۔

جان کا تحفظ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔''
(سورۃ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۳۳)

حقوق ملکیت کا تحفظ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔"

(سورۃ نمبر۲، آیت نمبر:۱۸۸)

عزت کا تحفظ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے اور نہ تم ایک دوسرے کو عیب لگاؤ، نہ ایک دوسرے کو برے لقب دو، نہ تم میں سے کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بدی کرے۔"

(سورۃ نمبر۴۹، آیت نمبر:۱۱اور۱۲)

نجی زندگی کا تحفظ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔"

(سورۃ نمبر۲۴، آیت نمبر:۲۷)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور لوگوں کے بھید نہ ٹٹولو۔"

(سورۃ نمبر۴۹، آیت نمبر:۱۲)

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ کسی پر زبان کھولنا پسند نہیں کرتا الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔"

(سورۃ نمبر۴، آیت نمبر:۱۴۸)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں تنقید کا حق بھی شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم وہ بہترین امت ہو جسے نکالا گیا ہے لوگوں کے لئے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

(سورۃ نمبر۳، آیت نمبر:۱۱۰)

آزادی اجتماع: اسلام میں آزادی اجتماع کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ نیکی اور بھلائی کے لئے استعمال ہو اور معاشرے میں تفرقے اور بنیادی اختلاف برپا کرنے کا

ذریعہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہونا چاہئے تم میں سے ایک گروہ جو دعوت دے بھلائی کی طرف، حکم دے نیکی کا اور روکے بدی سے، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو متفرق ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا، جبکہ ان کے پاس واضح ہدایت آ چکی تھی۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

(سورۃ نمبر ۳، آیت نمبر ۱۰۴ اور ۱۰۵)

ضمیر و اعتماد کی آزادی کا حق: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''دین میں جبر نہیں ہے۔''

(سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر: ۲۵۶)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔؟''

(سورۃ نمبر ۱، آیت نمبر: ۹۹)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فتنہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔''

(سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۹)

مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو۔''

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۱۸)

اس معاملہ میں قرآن مجید یہ صراحت کرتا ہے کہ مذہبی اختلافات میں بحث تو کی جا سکتی ہے مگر وہ احسن طریقہ سے ہونا چاہئے۔

خود اپنا جواب دہ ہونا: اسلام کہتا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ دوسروں کے اعمال کی ذمہ داری میں اسے نہ پکڑا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہر متنفس جو کماتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

(سورۃ نمبر ۶، آیت نمبر ۸۴)

بغیر ثبوت کے کاروائی نہ کی جائے: اسلام کہتا ہے کہ کسی شخص کے خلاف کوئی کاروائی ثبوت کے بغیر اور انصاف کے معروف تقاضے پورے کئے بغیر نہ کی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو بے جانے بوجھے نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔"

(سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر: ۶)

حاجت مند اور معذور افراد کو ضروریات کی فراہمی:

اسلام کہتا ہے کہ حاجت مند اور محروم افراد کو ان کی ناگزیر ضروریات زندگی فراہم کی جائیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ان کے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والے اور محروم کا۔"

(سورۃ نمبر ۵۱، آیت نمبر: ۱۹)

مساوات کا پرچار: اسلام کہتا ہے کہ ریاست اپنی رعایا میں تفریق اور امتیاز نہ رکھے، بلکہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فرعون نے زمین میں سر اٹھایا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا۔ جن میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور بنا کر رکھتا تھا۔ یقیناً وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔"

☆☆☆

معاشی تعلیمات

مذہب اور معاش

سب سے پہلے قرآن مجید فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریہ کو ختم

کرتا ہے کہ اخلاق اور مذہب کو معاشی زندگی سے بھلا کیا سروکار؟ قرآن مجید پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o"

(سورۃ الجمعہ، آیت نمبر: 10-9)

"مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد (نماز جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو "فضل اللہ" کہا گیا ہے اور اس سے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ سب اللہ کی عنایت سے ہے اور معاشی زندگی میں بھی انسان کو اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بننا چاہئے جس طرح باقی تمام زندگی میں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"رجال لاتلھیھم تجارۃ و لابیع عن ذکر اللہ"

"(حقیقی متقی) وہ لوگ (ہیں) جنہیں خرید و فروخت اور تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔"

(سورۃ النور، آیت نمبر: ۳۷)

قرآن مجید کی معاشی تعلیمات کا ایک اہم مقصد انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کا قیام ہے۔ مثبت طور پر جو چیزیں ظلم و تعدی کا ذریعہ بنتی ہیں ان کا سد باب کیا گیا ہے۔

اس کام میں جو مرکزی قدر سامنے آتی ہے وہ معاشی عدل کا قیام ہے۔

اسلام کے مثبت معاشی مقاصد میں قیام عدل، معاشی فارغ البالی کا حصول، غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔

اسلام معاشی تنگی کو دور کرنے کا طریقہ یہ بتاتا ہے کہ حصول رزق کی کوشش کی جائے اور پیداوار بڑھانے کے لئے ذرائع کو استعمال میں لایا جائے۔ اسلام محض غربت، افلاس یا معیار زندگی کے گرنے کے خطرے سے انسان کشی اور زندگی کو تلف کرنے کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کہتا ہے کہ معاشی مسئلہ کا حل انسانوں کو کم کرنا نہیں بلکہ معیشت کو فروغ دینا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

> ''ولاتقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطاکبیرا''
>
> (سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۳۱)
>
> ''اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں اور ان کو، سب کو رزق دیں گے۔ بیشک ان کو مار ڈالنا بہت بڑی خطا ہے۔''

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ غربت اور افلاس اور معیار زندگی کے گرنے کے خطرے کے سبب قتل اولاد سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید آبادی کے حقیقی مسئلے کا حل اضافۂ پیداوار کی شکل میں کرتا ہے، انسان کو کم کرنے کی شکل میں نہیں۔

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔ وہ اس نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلامی آئیڈیالوجی صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوشش کرے گی اور تمام ذرائع کا بھی انسداد کرے گی جو حرام ہیں اور جن کو شریعت ناجائز و ناروا قرار دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا''

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۶۸)

''اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔''

پھر ان چیزوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے جو حرام ہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر سود ہے۔ خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو۔ قرآن مجید نے سود کو خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔ اس طرح اسلام آمدنی کے اُن تمام ذرائع کو بند کر دیتا ہے جو غیر منصفانہ ہیں اور جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد اور عدم استحکام رونما ہوتا ہے۔

اسلام نے حلال کے ساتھ ''طیب'' کی بھی قید لگائی ہے۔ مطلب یہ کہ کسب معاش میں محض یہ احتیاط کافی نہیں ہے کہ چیز اللہ کی حرام کی ہوئی اشیاء کی فہرست میں سے نہ ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ چیز جائز ذریعہ سے حاصل کی جائے، ورنہ اگر جائز ذریعہ سے حاصل نہ کی جائے گی تو وہ بھی حرام ہی قرار پائے گی۔

طلب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے اور اسراف و تبذیر سے روکتا ہے، جس کی وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری مقاصد کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطن''

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۲۶ اور ۲۷)

''اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ، کیونکہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔''

اسلام اور گردش دولت

اسلام نے دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہو جانے کو بھی پسند نہیں کیا اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ منصفانہ ہو اور وہ

پورے معاشرہ میں گردش کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ"

(سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۷)

"ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تم میں سے امیروں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔"

اسلام میں دولت کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:

1: زکوۃ۔

2: صدقات واجبہ۔

3: انفاق۔

4: وراثت۔

5: حق سوی الزکوۃ۔

6: العفو۔

۱۔ زکوۃ:

زکوۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس کے ذریعہ دولت مستقل امراء سے غرباء کی طرف منتقل ہوتی ہے اور اس طرح اس کی گردش پورے معاشرہ میں عمل میں آتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقراء و مساکین کا "حق" ہے۔

۲۔ صدقات واجبہ:

بہت سے صدقات مقرر کیے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ جیسے صدقہ فطر وغیرہ۔ یہ صدقات بھی مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق:

اسلام مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اسلام مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرکے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا

ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تقسیم دولت کو منصفانہ کرنے کا یہ ایک موثر ذریعہ ہے۔

٤۔ وراثت:

اسلام میں میت کے وارثوں کے لیے میت کے چھوڑے ہوئے مال سے حصے مقرر کیے ہیں۔ اسلام نے وراثت میں عورت اور مرد دونوں کو شریک کیا ہے حتیٰ کہ اسلام میں خنثٰی بھی وراثت کا حصہ پاتا ہے۔ وراثت کا معنیٰ ہے کہ ایک شخص کی وفات پر اس کی دولت کی منصفانہ تقسیم اس کے پورے خاندان میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ۔

٥۔ حق سویٰ الزکوٰۃ:

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے استحکام حکومت اور قیام انصاف کیلئے صرف کرے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ''ان فی المال حقا سویٰ الزکوٰۃ''
>
> (جامع الترمذی)
>
> ''بیشک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔''

٦۔ العفو:

اسلام نے انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا ہے کہ اگر اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ ہو تو وہ اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کر دے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

> ''ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو''
>
> (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ٢١٩)
>
> ''وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے العفو (جو ضرورت سے زیادہ ہو)۔''

فروغ پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم

اسی طرح قرآنی تعلیم پورے معاشرے میں دولت کی تقسیم کی کوشش کرتی ہے۔ اس

کی پالیسی کے دو بنیادی اصول ’فروغ پیداوار‘‘ اور ’’دولت کی منصفانہ تقسیم‘‘ ہیں۔

کتاب الٰہی تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان کو عظیم تر ملکیت کے تصور کے تحت ’’امین متصرف‘‘ کی حیثیت سے انفرادی ملکیت کا حق دیتی ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں، لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں ملکیت کی حیثیت ایک امانت کی سی ہے جسے خالق کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا ہے جو ایک انقلابی تصور ہے۔ یہ انقلابی تصور سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے تصور ملکیت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی، فلاحی اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ ایک سماجی فلاح کی اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست معاشی انصاف قائم کرتی ہے۔

اسلام کے مطابق جس کا کوئی وارث نہیں، اس کی ریاست وارث ہے۔ ناداروں اور اپاہجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کی ذمہ داری لے۔

☆☆☆

اخلاقی تعلیمات

اسلامی اخلاقیات

انسان کو باقی حیوانی دنیا سے ممیز کرنے والی چیز اخلاق ہی ہے۔ اس کے سنوارنے

سے انسان کا سنوار ہے اور اس کے بگاڑنے سے انسان کا بگاڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ تہذیب میں معاشرے جس چیز پر متفق نظر آتے ہیں وہ ''حسن اخلاق'' ہے۔

سچائی، پاس عہد، رحم، فیاضی، صبر، تحمل، بردباری، اُولوالعزمی، شجاعت، ضبط نفس، خودداری، میل ملاپ، شائستگی، فرض شناسی، اتفاق اور دوسری اچھی صفات کو سب معاشروں نے سراہا ہے اور اس کے برعکس تمام معاشروں نے جھوٹ، بدعہدی، ظلم، بخل، بے صبری، بزدلی، ذلت، ترش روئی، خیانت، چغلی، غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو برا سمجھا ہے۔ یہ اقدار انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں اور اسلام نے ان معروفات اور منکرات کو اپنے نظام میں سمولیا ہے۔ البتہ جس پہلو سے قرآن مجید کا نظام اخلاق منفرد ہے وہ یہ ہے کہ اس نے فلسفہ اخلاق کے تمام بنیادی امور کے بارے میں ایک منظم اور مربوط نظریہ پیش کیا ہے اور وہ اپنا ایک خاص اخلاق اور قوت محرکہ رکھتا ہے۔ نظریہ اور خاص قوت محرکہ مل کر اس کے فلسفۂ اخلاق کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی پہلی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجا ہے اور ایک دن انسان کو پوری زندگی کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا ہوگا۔ اسلام نے اخلاقی امور کا کمال یہ قرار دیا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ادا کئے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں اور انسانوں کو خدا کے بتائے ہوئے معیار خیر و شر کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اسی میں ان کی فلاح ہے۔

انسان خود اپنے برے بھلے کے متعلق محض اپنی عقل کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز کو اچھی اور مفید سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ مضر ہوتی ہے اور بعض چیزوں کو وہ مضر سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے حد درجہ مفید ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ اسی مضمون کی ترجمانی کرتے ہیں:

''وعسیٰ ان تکرھوا شیاء وھو خیرلکم وعسیٰ ان
تحبوا اشیاء وھو کرہ لکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون''

''عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھی بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں

جانتے۔"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۱۶)

آخر میں وجہ بھی بتادی کہ اللہ ہی حقائق اشیاء سے کما حقہ باخبر ہے اور تمہارے علم کا دائرہ محدود ہے۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لئے خود اخلاقی ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق کا تعلق باہمی معاملات ومسائل سے ہے۔ دنیا کی ساری خوشی، خوشحالی اور امن وامان اسی اخلاق کی بدولت ہے۔ اسی دولت کی کمی کو حکومت اپنی قوت اور طاقت کے قانون سے پورا کرتی ہے۔ اگر انسانی جماعتیں اپنے اخلاق وفرائض کو پوری طرح خود انجام دیں تو حکومت کے جبری قوانین کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو۔ اس لئے بہترین مذہب وہ ہے جس کا اخلاقی دباؤ اپنے ماننے والوں پر اتنا ہو کہ وہ ان کے قدم بقدم کو سیدھے راستے سے بھٹکنے نہ دے۔

اس اعتبار سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب اور نظاموں سے کہیں زیادہ جامع ہے۔ اخلاق کے دائرے میں تو زندگی کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پہلو بھی آجاتے ہیں لیکن ہم اپنے مطالعے کی آسانی کے لئے اخلاق کو اس کے معروف تصور تک محدود رکھیں گے اور اس ضمن میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات کو اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

اسلام میں چونکہ اخلاق بھی دوسرے مذہبی امور کی طرح ایک عبادت ہے، اس لئے اس کی غرض وغایت بھی ہر قسم کی دنیاوی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی حیثیت کچھ ہے اور نہ ہی ان اخلاقی امور کا کوئی اخروی فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ومن یرد ثواب الدنیا نوتہ منہا"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۴۵)

"اور جو شخص دنیا میں (اپنے اعمال) کا بدلہ چاہے اس کو ہم یہیں بدلہ دیں گے۔"

خلق حسن کو اپنانے کا حکم

1: کوئی بھلائی کا کام اگر بدنیتی اور ریاکاری سے کیا جائے وہ باطل ہوگا اور اس کا کوئی

اجر نہ ملے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''یایھاالذین امنوا لاتبطلوا صدقتکم بالمن و الاذی''

''مومنو! اپنے صدقات کو احسان رکھنے اور ایذا دینے سے برباد نہ کرو۔''

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۶۴)

2: اخلاق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں اچھائی برتنے کا نام ہے۔ انسانوں کے باہمی میل جول سے جو فرائض اور ذمہ داریاں ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں ان کا بحسن ادا کرنا اخلاق کہلاتا ہے۔ اس لئے اخلاق کے وجود کے لئے انسانوں کا باہمی میل جول ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو جائز قرار نہیں دیا۔ قرآن کریم کہتا ہے:

''ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم''

(سورۃ الحدید، آیت نمبر: ۲۷)

''اور رہبانیت جسے انہوں نے از خود گھڑا ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔''

3: اسلام میں جماعت کے افراد پر جماعت کے دوسرے افراد کی نگرانی فرض ہے۔ اس اخلاقی اور شرعی فرض کا نام ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے۔ قرآن کریم کی وضاحت کے پیش نظر امت مسلمہ کی فضیلت اس بات پر ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر''

''تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

(سورۃ آل عمران)

لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی برائی کو دیکھے اسے مٹانے کی کوشش کرے اور ہر حالت میں حق بات کہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر"

"اور مومن ایک دوسرے کو حق کی اور صبر کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔"

(سورۃ العصر، آیت نمبر: ۳)

4: عدل و انصاف کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے، کسی فرد یا قوم کی دشمنی کی وجہ سے راہ اعتدال سے ہٹنا یا سچی شہادت سے گریز کرنا ناجائز ہے، خواہ اس کی خاطر رشتہ داروں، دوستوں اور انتہا یہ کہ اپنی ذات کے خلاف ہی گواہ کیوں نہ بننا پڑے۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا معاملہ پیش آئے تو بے لاگ فیصلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل"

(سورۃ النساء، آیت نمبر: ۵۸)

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔"

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

"ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا"

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۸)

"اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔"

پھر فرمایا:

"کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین"

"انصاف پر قائم رہو! اللہ واسطے کے گواہ بنو! خواہ تمہاری گواہی تمہارے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

5: اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن مجید نے عدل کے ساتھ احسان کو بھی مسلمانوں کی ایک اخلاقی خصوصیت بتایا ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی کمی کو پورا کر دینا تاکہ معاشرے اور زندگی میں حسن قائم رہے۔ اسلامی مملکت میں عدل کا تعلق بڑی

حد تک ریاست کے ہاتھ میں ہوگا، لیکن احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان اللہ یامر کم بالعدل و الاحسان''

(القرآن الکریم)

''بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

6: اسلام کہتا ہے کہ باہمی میل ملاپ میں اور بات چیت میں تواضع اور شیریں زبانی سے کام لو اور غرور و بد مزاجی سے پرہیز کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قولو اللناس حسنا''

''سب لوگوں سے اچھی بات کہو۔''

7: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور مومنین کے لئے اپنے بازو جھکا لو۔''

(سورۃ الحج، آیت نمبر: ۸۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''و اخفض جناحك لمن التبعك من المومنین''

''ان مومنوں کے ساتھ خاطر تواضع سے پیش آؤ جو آپ کے تابع ہیں۔''

(سورۃ الشعراء، آیت نمبر: ۲۱۵)

8: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''و الکاظمین الغیظ''

''اور وہ (مومن) غصہ پی جانے والے ہوتے ہیں۔''

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۳۴)

9: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و العافین عن الناس''

''اور وہ (مومن) لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔''

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۳۴)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وان تعفوا اقرب للتقوا"

"اگر تم معاف کردو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولیعفوا والیصفحوا"

"انہیں چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔"

(سورۃ النور، آیت نمبر: ۲۲)

10: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عزم الامور"

"اور جو صبر کرے اور درگزر سے کام لے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔"

(سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر: ۴۳)

11: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلك قواما"

"اور (حقیقی مومن) وہ لوگ (ہیں کہ) جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اس کے درمیان اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔"

اخلاق مذمومہ سے بچنے کی تاکید

قرآن مجید کے نزدیک وہ تمام صفات مذموم ہیں جو معاشرے کی اخلاقی فضاء کو مکدر کریں، مسلمانوں کے اتحاد وضبط کو نقصان پہنچائیں اور جن سے اس بات کا خطرہ ہو کہ پوری سوسائٹی ناقابلِ اعتبار قرار پائے گی۔ مثلاً: جھوٹ، انتشار وافتراق، افترا پردازی، بدگمانی، چغلی، غیبت، نفاق اور تحقیر وغیرہ کہ یہ وہ محرکات ہیں جن سے کسی

سوسائٹی کی فضا مکدر ہو سکتی ہے۔ ان سب سے بچنے کے لئے ہدایات دی گئیں ہیں۔

اسلام میں مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور آبرو سب محترم ہیں۔ ناحق کسی کی جان لینا، بے عزت کرنا یا ذلیل وخوار کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ خیانت، بددیانتی، ظلم، فخر وغرور، خودستائی، حسد، بغض، ناپ تول میں کمی بیشی، انتقام اور قتل ناحق وغیرہ قرآن مجید کے نزدیک یہ سب مذموم صفات ہیں۔

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لاتخونو االله والرسول وتخونو اامنتكم"

"اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔"

(سورۃ الانفال، آیت نمبر: ۲۷)

2: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولاتصعر خدك للناس"

"اور لوگوں سے گال پھیلائے نہ رکھو (غصہ میں نہ رہو)۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۳۷)

3: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولاتمش فى الارض مرحا"

"اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر: ۳۷)

4: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فلاتزكوا انفسكم"

"پس اپنی پاکبازی نہ جتاؤ۔"

(سورۃ النجم، آیت نمبر: ۳۲)

5: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"و من شر حاسد اذا حسد"

"اور حاسد کے حسد سے پناہ مانگتا ہوں جب وہ حسد کرے۔"

(سورۃ الفلق، آیت نمبر:5)

6: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المومنت لعنوا فی الدنیا و الاخرۃ"

"جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی اور بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت دونوں میں لعنت ہے۔"

(سورۃ النور، آیت نمبر:۲۳)

7: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واللہ لایحب الظالمین"

"اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔"

8: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فاوفوا الکیل و المیزان و لاتبخسوا الناس اشیاء ھم"

"ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔"

9: قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ جائز سفارش کرو اور کسی کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ یعنی بطور رشوت یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ○"

(سورہ البقرۃ)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو۔"

10: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ''

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: 11)

'' اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اُڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔ اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ ''

11: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' واجتنبوا قول الزور ''

'' اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ ''

دوسری جگہ فرمایا:

'' کونوا مع الصادقین ''

'' سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ''

12: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ''

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: 11)

'' اور برے نام نہ ڈالو۔ ایمان لانے کے بعد کسی کا برا نام ڈالنا بہت بڑا فسق ہے۔ ''

13: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ''

''قیاس آرائیوں سے بچو۔ بعض قیاس آرائیاں یقیناً گناہ ہوتی ہیں۔''

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

14: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ''

''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے ناپسند کرتے ہو (تو پھر غیبت بھی نہ کیا کرو)۔''

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

15: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا تَجَسَّسُوْا''

''ٹوہ میں نہ لگے رہو۔''

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر 12)

16: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ ''

''ایک دوسرے کے عیب نہ لگاؤ۔''

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر:11)

17: اسلام کہتا ہے کہ مسلمان معاشی نقطہ نظر سے ایسی روش اختیار کریں جس میں قناعت ہو، خرچ میں اعتدال ہو اور اسراف سے دور رہیں۔ اگر اللہ نے کسی کو زیادہ دیا ہے تو لالچ نہ کریں اور نہ اس سے حسد کریں۔ اگر اللہ نے انہیں زیادہ دیا ہے تو اسراف نہ کریں اور نہ بخل سے کام لیں۔

18: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ام یحسدون الناس علی ما اتاهم اللہ من فضله''

''یا وہ جلے مرتے ہیں اس نعمت پر جو خدا نے لوگوں کو عطا کی۔''
(سورۃ النساء، آیت نمبر:۵۴)

19: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ولا تتمنوا ما فضل اللہ به بعضکم علی بعض''
''اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔''
(سورۃ النساء، آیت نمبر:۳۲)

20: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك''
''اور نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو (کنجوسی و بخل نہ کرو)۔''
(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۲۹)

21: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ولا تبسطھا کل البسط''
''اور نہ اپنے ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دو (فضول خرچی نہ کرو)۔''
(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۲۹)

☆☆☆

معاشرتی تعلیمات

مومن و کافر...... نسل انسانی کے دو گروہ

اسلام نے معاشرت کے جو اصول وضع کئے ہیں وہ ہمہ گیر بنیادوں پر استوار کئے گئے ہیں۔

اسلام نے معاشرتی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت عقیدہ اور مقاصد کی ہم آہنگی کو دی ہے۔ دو مختلف انسانوں کے درمیان تعلقات اسی وقت استوار ہو سکتے ہیں جب ان

کے درمیان عقیدہ اور عمل کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے انسانی سوسائٹی کو صرف دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

1: مومن۔

2: کافر۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن"

(سورۃ التغابن، آیت نمبر۲)

"وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا۔ تو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن۔"

اسلام نے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انما المومنون اخوۃ"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر:۱۰)

"بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔"

دوسری جگہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر کافر سے دوستی پیدا نہ کرے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان عقیدہ اور مقاصد میں سے کسی کی بھی یگانگت نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے

"لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۲۸)

"مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد و ہمساز ہرگز نہ بنائیں۔"

درس مساوات

قرآن کریم کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور سارے حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر فرق و امتیاز جائز نہیں۔ ایمان اور عمل صالح یعنی تقویٰ ہی وہ بنیاد ہے جس کی رو سے ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلے میں فضیلت اور برتری حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے اس

حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم"

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر:۱۳)

اور اس نکتہ کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:

"لافضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ"

"کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، مگر صرف تقویٰ کے لحاظ سے۔"

قرآن کریم نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد تمام انسانوں کی مساوات اور انسانی شرافت پر رکھی ہے اور پوری انسانیت کے فطری شرف کا یوں اعلان عام کیا ہے:

"ولقد کرمنا بنی ادم"

"بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔"

اور فرمایا:

"فضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا"

"اور ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۷۰)

اس شرف و فضیلت میں قرآن مجید کی رو سے مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ قرآن مجید اس بات کا انکار کرتا ہے کہ عورت اولین گناہ کا سبب بنی، صنف نازک انسانی نقطہ نظر سے مرد کے مقابلے میں فروتر ہے یا وہ کوئی ناگزیر برائی ہے جیسا کہ بعض فلاسفرا سے اسی

طرح پیش کرتے ہیں۔ اسلام تمام مخلوق کو "عیال اللہ" سمجھتا ہے۔ جس سے اللہ کو یکساں محبت ہے۔

عائلی زندگی

اسلام نے انسانی زندگی کی تنظیم کرتے وقت خاندان کو خشتِ اول قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ معاشرت کی بنیاد مرد اور عورت کے تعلقات کے توازن پر رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے مرد کے لئے جو دائرہ کار موزوں تھا وہ اس کے لئے اور عورت کے لئے جو دائرہ کار فطری طور پر مناسب تھا وہ اس کے لئے مقرر کر دیا۔ اس سلسلے میں گھر کی دیکھ بال، بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری کو سرانجام دینا عورت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی خاطر خواہ تکمیل اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ عورت گھر کے دائرہ کو اپنی مملکت سمجھے۔ یہ دائرہ محدود نہیں بلکہ نہایت وسیع ہے اور انسانی معاشرہ کی بنیاد ہے کیونکہ خاندان انسانی معاشرہ کی اکائی ہے۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلق سے ایک خاندان بنتا ہے، جو کہ اسلامی معاشرت میں ایک اہم اور مستقل یونٹ قرار پاتا ہے اور اس کی تشکیل رشتہ ازدواج سے ہوتی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے رشتہ ازدواج معاشرتی زندگی کی اولین بنیاد ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں نکاح کو سہل بنایا جائے۔ اسلام میں چند مخصوص قریبی رشتہ دار عورتوں اور مشرکات کو چھوڑ کر باقی تمام عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اگر ازدواجی زندگی میں کشیدگی ہو تو مرد کے لئے طلاق اور عورت کے لئے خلع کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ اس طرح مرد وعوت کے آزادانہ اور بے لگام میل جول کی جڑ کاٹ دی گئی۔

خاندانی زندگی کے بارے میں قرآن کریم نے جو خصوصی ہدایات دی ہیں یا مرد اور عورت کے لئے جو حدود کار اور فرائض اور حقوق مقرر کئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:

1: مرد کو خاندان کے معاش، تمدنی اور سیاسی زندگی کا نگران مقرر کیا گیا ہے اور عورت کو خاندان کی گھریلو زندگی، بچوں کی تربیت، نشوونما، ان کی تعلیم اور دوسری ضروریات کا نگہبان مقرر کیا گیا ہے۔

2: عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ کریں، اندرونہ خانہ کے فرائض سرانجام دیں، حتی

الامکان عام حالات میں مرد کے ساتھ گھر سے باہر کی تگ و دو میں شریک نہ ہوں اور آرائش و زیبائش کا برملا اظہار نہ کریں۔ اگر انہیں کسی کام کے لئے باہر جانا بھی پڑے تو پردہ کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن الجاھلیة الاولیٰ''

''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔''

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۳۳)

3: مرد اور عورت کا باہمی تعلق نہایت مقدس ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخلص اور وفادار رہیں، بلکہ یک جان دو قالب ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''ھن لباس لکم وانتم لباس لھن''

''وہ (عورتیں) تمہارا (مردوں کا) لباس ہیں اور تم (مرد) ان (عورتوں) کا لباس ہو۔''

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۱۸۷)

سورۃ الروم میں ارشاد ہے:

''ومن ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ''

''اور اس کے نشانات میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازدواج پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف مائل ہو کر آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔''

(سورۃ الروم، آیت نمبر: ۲۱)

4: عورتیں اپنے شوہروں کے لئے وجہ تسکین ہوتی ہیں۔ مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کا مقصد محض شہوت اور تسکین نفس قرار نہیں دیا گیا بلکہ اسے تمدنی فریضہ قرار دیا گیا

ہے، جس سے نسل انسانی کا ارتقاء ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عورت کا فرض بچے پیدا کرنا ہی نہ ہو بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کی مناسب پرورش بھی ہو۔

5: اسلام نے وسیع تر انسانی مفاد اور ضرورت کے تحت ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اسلام نے اس صورت میں حکم دیا ہے کہ اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو مرد کو چاہئے کہ ان کے درمیان ممکنہ حد تک انصاف وعدل کا رویہ اختیار کرے۔ ایک ہی طرف نہ جھک جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"فلاتمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة"

"اور ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔"

6: اسلام کا حکم ہے کہ اگر مرد اور عورت کے درمیان جدائی ناگزیر بھی ہو تو بھی شرافت اور ہمدردی کے ماحول میں ہو۔ اگر اس سے قبل عورت کو ہدایہ اور تحائف دیئے گئے ہوں تو وہ واپس نہ لئے جائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ولایحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیاء"

"اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو تم نے ان کو دیا اس میں سے کچھ لو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا"

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر:۴۹)

"ان کو کچھ متاع اور کوئی فائدہ دے کر اچھی طرح سے رخصت کرو۔"

حقوقِ اولاد

میاں بیوی کے دائرہ کار کی علیحدگی اور باہمی تعلقات کے انضباط کے بعد ان کا اور ان کی اولاد کا تعلق سامنے آتا ہے۔ والدین کے بارے میں قرآن مجید نے واضح تعلیمات دی ہیں اور کہا ہے کہ انہیں "اف" تک نہ کہو! یعنی انہیں اپنے کسی قول یا عمل سے ذرا بھی دکھ نہ پہنچاؤ اور جب تک وہ صریح اسلامی تعلیمات کے خلاف حکم نہ دیں ان کی حکم عدولی نہ کی

جائے۔ دوسری طرف والدین کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھیں، بھوک، افلاس اور جاہلیت کے عار کی بنا پر بچوں کو قتل نہ کریں اور نہ ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ معاشرہ کے معزز فرد نہ بن سکیں۔

اسلام کے مطابق والدین کو اولاد کے لیے یہ دعا مانگی چاہیے:

''واجعله رب رضیا''

''اے رب! اس (بچے) کو خوش اطوار بنادے۔''

والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''و کان یامر اهله بالصلوٰة و الزکوٰة''

''اور وہ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔''

(سورۃ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۵۵)

سورۃ الفرقان کے آخر میں مومنین کی یہ دعا درج ہے:

''وہ عرض کرتے ہیں: ''اے پروردگار! ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے
ہماری آنکھیں ٹھنڈی رکھ اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔''

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر: ۷۴)

مفسرین کے نزدیک ان آیات میں متقین سے مراد ''افرادِ خاندان'' ہیں۔

اسلامی صلہ رحمی

1: خاندان کی تنظیم کے بعد اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ صلہ رحمی میں تمام رشتہ دار شریک ہیں۔ اس دائرے میں ایک خاندان سے آگے بڑھ کر کئی خاندان شریک ہو جاتے ہیں جن میں باہمی خونی تعلق ہوتا ہے یا رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک خاندان کے افراد کے باہمی تعلق کے لیے لفظ ''احسان'' کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنی خوشیوں میں ذوالقربیٰ کو

یاد رکھا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وبالو الدین احسانا وبذی القربیٰ"

"اور والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:۳۶)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ"

"اور باوجود عزیز رکھنے کے مال اپنے رشتہ داروں کو دے۔"

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر:۱۷۷)

2: ایک خاندان اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے بعد اس خاندان اور اس کے ہمسایہ خاندان کے تعلقات کا مرحلہ آتا ہے۔ اس میں ہمسایہ، اہل محلہ اور جان پہچان والے دوسرے لوگوں کا باہمی تعلق سامنے آتا ہے۔ قرآن کریم نے ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں بھی ہے جن سے معمولی میل جول ہو، اس دائرے میں اہل محلہ بھی آتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل"

"اور احسان کرو ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں کے ساتھ۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر:۳۶)

اہل محلہ کے لئے مسجد کو پورے محلے کا محور بنایا گیا جہاں وہ پنج وقتہ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔

3: اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے ملاقات کی ابتدا "سلام" سے کی جائے۔ اس طرح یہ تعلیم دی گئی ہے کہ آپ سے بات کرنے والا جس انداز سے بات کرتا ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ بھی اسی انداز سے بات کریں یا اس سے بھی اچھے

انداز سے بات کریں۔ سلام کے لئے یوں تعلیم دی گئی:

''واذا حییتم بتحیه فحیوا باحسن منھا اوردوھا''

''جب کوئی احترام کے ساتھ سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اس کی طرح۔''

(سورۃ نمبر۴، آیت نمبر:۸۴)

4: اسلام نے معاشرے کے نادار، اپاہج، یتیم اور بیوہ افراد کی نگہبانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ الماعون میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ شخص خوف آخرت نہیں رکھتا:

''یدع الیتیمo ولایحض علی طعام المسکینo''

''جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور ناداروں کا کھانا کھلانے کے لئے ترغیب نہیں دیتا۔''

اور دوسری جگہ ہے:

''وفی اموالھم حق للسائل والمحروم''

''ان (مسلمانوں) کے اموال میں سائل اور نادار کا بھی حق ہے۔''

(سورۃ نمبر۵۱، آیت نمبر:۱۹)

اس مقصد کے لئے شریعت نے زکوٰۃ اور صدقات کو مشروع قرار دیا ہے اور حکم ہوا کہ یہ فقراء و مساکین کا حق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''انما الصدقات للفقراء والمساکین''

''بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں۔''

(سورۃ نمبر۹، آیت نمبر:۶)

اسلامی معاشرت کی بنیاد

اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد عالم گیر برادری، رنگ و نسل کے بجائے عقائد و اخلاق، عائلی نظام کی مضبوطی، جنسی تعلقات کے انضباط، مرد و عورت کے دائرہ کار کی علیحدگی اور عام انسانی دوستی کے قوائد اور اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ ایک مسلمان جس طرح اپنے

خاندان اور اپنے محلے کا ہمدرد ہوتا ہے اسی طرح وہ انسانیت کا ہمدرد ہوتا ہے۔ قرآنی نقطہ نظر سے وہ معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے جس میں پڑوسی ایک دوسرے کا دشمن ہو اور ایک ہی منزل کے دو مختلف حصوں میں رہنے والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں اور یہ دونوں مسلمان ہوں۔

یہ ہے ایک مجمل خاکہ قرآنی نظام معاشرت کا، اس کی جھلکیاں آج کسی حد تک مسلمانوں کے معاشرے میں موجود ہیں۔ صدیاں گزر گئیں جب کہ مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی نظام تحلیل ہو چکا ہے، بلکہ کئی مسلم معاشرے صدیوں غیر مسلم حکومتوں کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود آج بھی مسلم معاشرے میں قرآنی نظام کے آثار موجود ہیں اور انہیں نہیں مٹایا جا سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اسلامی نظام معاشرت کے لئے کچھ خاص اور مستحکم حفاظتی تدابیر اختیار کیں جن کی بدولت نامساعد حالات کے باوجود آج اسلامی معاشرہ ہے۔ وہ تدابیر مختصراً حسب ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

اسلام نے قرآن وسنت کی شکل میں اسلامی نظریہ کے تصور کو زندہ رکھا۔ مسلمانوں کے عقائد درست ہیں اور سنت رسول نے ہمیشہ انہیں حسن سلوک اور حسن شہرت پر ابھارے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

> ''من سن سنة فله اجرها واجر من عمل بها''
>
> ''جس نے بھی کسی اچھی روایت کی بنیاد رکھی، اسے اس کا اجر ملے گا اور اس پر قیامت تک جو بھی عمل کرے گا اس کا اجر بھی۔''

اچھی روایت قائم کرنا بھی اسلامی معاشرت کے بقا کا ضامن ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ ایسی روایات کو سینے سے لگائے رکھا جن کا تعلق حسن سلوک، فیاضی، مہمان نوازی، بڑوں اور اساتذہ کا ادب اور دوسرے آداب سے تھا۔

تعلیم کی وسعت اور اشاعت بھی اسلامی نظام معاشرت کے تحفظ کا اہم ذریعہ رہی۔ قرآن مجید نے علم، تدبیر اور حکمت کو حد درجہ اہمیت دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کو انسانی فریضہ قرار دیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ علم دوست رہے۔

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں، اسے پھیلائیں اور برائی سے روکیں۔ یہ کام ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے معاشرے میں ہمیشہ منکر پر نکیر کی اور اسے پنپنے نہیں دیا۔ اس کے برخلاف اسلام نے ہمیشہ معروف کی حوصلہ افزائی کی اور یہ شعور اس حد تک آج بھی موجود ہے کہ جو لوگ بذات خود منکر میں مبتلا ہیں ان کی اکثریت بھی معروف کو پسند کرتی ہے اور اس کا احترام کرتی ہے۔

شریعت نے قرآنی نظام معاشرت کی اولین بنیاد ”خاندان“ کو اس حد تک مضبوط کیا ہے کہ مسلمانوں میں خاندانی نظام اور خاندان کی گرفت آج تک مضبوط ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے سیاسی، معاشی، قانونی اور تعلیمی نظام کے اضمحلال کے باوجود اسلامی معاشرہ کسی قدر زندہ ہے۔

☆☆☆

خصوصیاتِ اسلام

گزشتہ اوراق کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ”اسلام“ دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز و مخصوص ہے۔ صرف اسلام ہی ہر حیثیت سے کامل دین ہے، یہ سارے انسانوں کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے اور نجات کے لئے ضروری ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی جو دعوت پیش کی وہ مکمل اور ایسی جامع تھی جس کے بعد کسی اور تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور یہ ہدایت ہمیشہ کے لئے، ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے کافی وشافی ہے۔

دین اسلام کی اہم ترین خصوصیات درج ذیل ہیں:

1: عالمگیریت۔

2: کاملیت۔

3: محفوظیت۔

4: پسندیدہ دین۔

عالمگیر دین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے کسی خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا"

"اے محمد! ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۃ السبا، آیت نمبر ۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان خود بھی بحکم الٰہی یوں کیا تھا:

"یاایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا"

"لوگو! میں تم سب لوگوں کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔"

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۵۸)

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء آئے تھے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"کان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة"

"مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جس طرح عالمگیر ہے اسی طرح ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہ آئے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"ولکن رسول اللہ و خاتم النبین"

''بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔''

(سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۴۰)

حدیث مبارکہ میں ہے:

''ختم بی النبیان و ختم بی الرسل''

''مجھ پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

''انہ لا نبی بعدی''

''بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔''

(بخاری، مسلم، مشکوۃ)

کامل و اکمل دین

اس کے مقابلے میں دوسرے پیغمبروں کی رسالت کا معاملہ کسی شرح کا محتاج نہیں پھر جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین و شریعت لے کر آئے وہ ہر پہلو سے کامل ہے جبکہ پچھلے تمام دینوں میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ ملا تھا۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف اسلام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا کہ وہ ''دین کامل'' ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا''

''لوگو! آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین کی حیثیت سے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدگی کی سند عطا کر دی۔''

(سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۳)

پہلے جو دین بھی آیا وہ اس قوم، اس زمانے اور اس علاقے کی اصلاح و ہدایت کے لئے مخصوص تھا اور جس طرح اس کی مخاطبت کا دائرہ محدود تھا اسی طرح اس کی تعلیمات کا مجموعہ بھی مختصر اور محدود تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ اب ایسا نبی بھیجا جائے جو سب کے لئے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس فیصلے کا فطری تقاضا تھا کہ اس

نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الانسانی ہو اور اس کی تعلیمات ہر زمانے، ہر ملک اور ہر طرح کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت اسی فطری تقاضے کی تکمیل کا اعلان کر رہی ہے۔

محفوظ ترین دین

اسلام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی وہ جوں کی توں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی، جس پر خود قرآن، حدیث اور تاریخ گواہ ہیں اور یہ کتاب ایک ایسی زبان میں ہے جو زندہ اور انٹرنیشنل زبان ہے۔ کروڑوں آدمی اسے بولتے ہیں اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے جاننے، سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے والے بے شمار انسان موجود ہیں۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو ان صفات کی حامل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین

رسالت محمدی کی اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر کچھ لازمی تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا پہلا فطری اور لازمی تقاضا یہ ہے کہ دوسرے تمام مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں اور اب اللہ کے نزدیک منظور شدہ دین صرف اسلام ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الذین عند اللہ الاسلام"

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:۱۹)

اس لئے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور ہر قوم، ہر ملک اور زمانے کا انسان اسی کی پیروی کرے ورنہ:

"من یبتغ غیر السلام دینا فلن یقبل منہ "

"جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا تو اللہ کے یہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۸۵)

کیونکہ جب یہ دین ساری دنیا کا دین اور اس کا لانے والا پیغمبر پوری نوع انسانی کا پیغمبر قرار دیا گیا ہے تو اب کسی اور دین اور کسی اور پیغمبر کا زمانہ باقی نہیں رہ سکتا۔ رسول تو آتا ہی اس لئے ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ بھیجا گیا وہ اسے اللہ کا رسول تسلیم کریں اور اس کی غیر مشروط پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وما ارسلنامن رسول الا لیطاع باذن اللہ''

''ہم نے جو رسول بھیجا صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۶۴)

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہونا اور پھر آخری رسول ہونا اس کا کھلا تقاضا کرتا ہے کہ ہر انسان، ہر زمانے کا انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین مان کر لازماً اس کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا حلقہ اپنی گردن میں نہیں ڈالتا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت نہیں بلکہ اس فرماں روائے کائنات اللہ تعالیٰ عزوجل کے خلاف بغاوت ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کا ہادی اور آخری نبی بنا کر بھیجا ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی موجود ہے۔ اگر یہ بات قرآن مجید کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہے کہ سارے دین سچے ہیں اور کسی ایک رسول کی پیروی کافی ہے تو اس کا بالکل منطقی تقاضا یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت نہ دیتے، حالانکہ آپ نے جس طرح مشرکین عرب کو دعوتِ اسلام دی ہے اس طرح اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو بھی دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ

نَلْعَنَهُمْ "

"اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے ہم نے اتارا ہے جبکہ وہ اس کتاب (کی پیش گوئیوں) کے عین مطابق بھی ہے جو تمہارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں اور انہیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر لعنت کریں۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۴۷)

نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی بلکہ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں صاف لفظوں میں "کفر" کا مرتکب قرار دیا گیا، حتی کہ بعض مقامات پر تو ان کے اس انکار اسلام کو صرف کفر ہی نہیں بلکہ "بدترین کفر" اور انہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ "پکا کافر" کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝"

"جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ہم مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے اور اس طرح کفر و ایمان کے درمیان کی کوئی راہ اختیار کر لینا چاہتے ہیں، وہ پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

(سورۃ النساء، آیت نمبر 151-150)

پھر اہل کتاب کے انکار اسلام پر ایک جگہ یوں تبصرہ کیا گیا:

" وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ"

> ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی تھی اور اس طرح وہ اس کے ماسوا ہدایت الٰہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر جاتے ہیں۔''
> (البقرہ، آیت نمبر 91)

دعوت اسلام کے جواب میں وہ جو کچھ کہتے تھے وہ ٹھیک وہی فلسفہ تھا جو آج وحدت ادیان کے نظریئے کی بنیاد ہے، یعنی یہ کہ جب ہمارے پاس بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا دین ہے جو اپنی جگہ حق ہے اور اسلام اپنی جگہ حق ہے لیکن ان کے اس ''فلسفے'' کو اللہ تعالیٰ صاف طور سے ''کفر کا فلسفہ'' قرار دیتا ہے اور انہیں ''یہ بھی حق وہ بھی حق'' کہنے کے باوجود اصل حق کا منکر (کافر) ٹھہرایا۔

اس کے علاوہ جب قرآن مجید کے سوا اب کوئی دوسری کتاب بھی ایسی نہیں رہ گئی ہے جو پوری طرح محفوظ ہو اور جس کی اصل زبان دنیا کی مردہ زبانوں میں شامل نہ ہو چکی ہو تو دوسری کتابوں اور شریعتوں کی ٹھیک ٹھیک پیروی ممکن بھی کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ صورتحال تو گویا خود ان کتابوں اور شریعتوں کا اقراری بیان ہے کہ اب ہمارا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور ہمیں منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے اور اسلام ہی شرط نجات ہے۔ چنانچہ ''**ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ**'' فرمانے کے بعد وہ اپنے اس فیصلے کا بھی اعلان کر چکا ہے:

> ''وھو فی الاخرۃ لمن الخسرین''
> ''اور ایسا شخص (جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے وہ) آخرت میں قطعاً نامراد رہے گا۔''
> (سورہ آل عمران، آیت نمبر: ۸۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی فیصلہ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اس امت (مراد گروہ انسانی) میں سے جس کسی بھی شخص (یہودی، نصرانی، کافر) تک

میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا۔"

(صحیح مسلم)

اس فیصلہ خداوندی کے تحت جس طرح یہود ونصاریٰ آتے ہیں اسی طرح دوسری قومیں اور ملتیں بھی آتی ہیں، بلکہ ایک حیثیت سے تو دوسری قوموں اور ملتوں کا معاملہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے، کیونکہ دنیا کی ساری قوموں میں سے صرف یہود و نصاریٰ ہی وہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن مجید نے اہل کتاب کہا ہے۔ ان قوموں اور ملتوں کے لئے اس کا شرطِ نجات ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا جن کو قرآن مجید نے صاحب کتاب و شریعت کے نام سے یاد نہیں کیا۔

غرض جہاں تک اسلام کے اپنے فیصلے کا تعلق ہے وہ بالکل دوٹوک انداز میں اپنی پیروی کو سارے انسانوں کے لئے ضروری اور شرطِ نجات قرار دیتا ہے اور اس سے مستثنیٰ وہی فرد ہے جس تک اسلام کا پیغام ہی نہ پہنچا ہو۔ اب اس پیغام کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچانے کا فریضہ امت مسلمہ کا ہے۔

علاوہ ازیں دین اسلام میں مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں:

1: توحید۔
2: اخوت اسلامی۔
3: اسلامی مساوات۔
4: اعتدال اور توازن۔
5: ابدی اور دائمی مذہب۔
6: اصلاحی اور انقلابی دین۔

توحید

دین اسلام کی بنیاد اور محور عقیدۂ توحید ہے۔ توحید کے تین ذیلی عنوانات ہیں:

1: توحید ربانی۔

2: توحید انسانی۔

3: توحید ایمانی۔

توحید ربانی: عقیدۂ توحید سے مراد ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے، وہ اپنی ذاتی صفات اور صفاتی کمالات میں بے مثل ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، تمام کائنات کا وہ مالک ہے، وہ حیی و قیوم ہے، حاضر و ناظر ہے، عالم الغیب ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، تمام مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ ابد تک رہے گا، ہر عیب و نقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لہٰذا اصلی حاکم و مطاع وہی ہے، اس کے احکام و قوانین کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلام میں توحید ربانی کے ساتھ ساتھ انسانی توحید ایمانی اور توحید مکانی پر بھی زور دیا گیا ہے۔

توحید انسانی: توحید انسانی یہ ہے کہ تمام انسان اصل کے لحاظ سے ایک جان سے پیدا کیئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"خلقکم من نفس واحدۃ"

حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور ان کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا۔ انسان کو مٹی سے ہی خوراک مہیا کی گئی اور بالآخر ایک دن اسے مر کر اسی مٹی میں جانا ہے۔ اس طرح تمام انسانوں کی ابتدا اور انتہا یکساں اور ایک جیسی ہے۔ اسلام نے یہ عقیدہ پیش کر کے تمام علاقائی اور جغرافیائی حدود کا خاتمہ کر دیا ہے۔

توحید ایمانی: توحید ایمانی سے مراد یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کے عقائد ایک ہی اجزائے ایمانی سے مرکب ہیں، یکساں ہیں اور ارکان اسلام میں تمام اہل ایمان شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور خانہ کعبہ ایک ہے۔

نیز جملہ اسلامی احکام، حلال و حرام، نکاح و شادی کی تقریبات اور پیدائش و موت کی رسومات یکساں ہیں جس سے اہل اسلام میں اتحاد و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔

اخوتِ اسلامی

اسلام اونچ نیچ کے امتیازات صرف علمی طور پر ہی ختم نہیں کرتا بلکہ وہ ایجابی طور پر

اعلان کرتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلامی معاشرہ کی بنیاد اتحاد و یگانگت ایثار و اخوت پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"انما المومنون اخوۃ"

"تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔"

(سورۃ الحجرات، آیت نمبر: ۱۰)

معاشرہ میں جو چیزیں تعلقات کو بگاڑنے والی ہیں اور دلوں میں کدورت پیدا کرتی ہیں مثلاً غیبت، خیانت اور غلط بیانی کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، غلط بیانی نہیں کرتا، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت، مال اور خون حرام ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا:

"مسلمان باہمی مروت، شفقت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

عالمی بھائی چارہ اور قرآن مجید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقا کم ان الله علیم خبیر O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 49()، آیت نمبر 13)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے گروہ اور قبائل بنائے تا کہ تمہاری پہچان ہو سکے، تم میں سے اللہ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک اللہ تعالیٰ علم والا خبر والا ہے۔ O"

اخوت و بھائی چارہ متعدد اقسام کا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر......

خاندان اور قرابت داری کی بنیاد پر اخوت واتحاد، علاقے اور وطن کی بناء پر اخوت واتحاد، ذات، قوم یا قبیلے کی بنیاد پر اخوت واتحاد اور عقائد کی بنیاد پر اخوت، اتحاد اور بھائی چارہ۔

یوں سمجھئے کہ یا تو خاندانی اخوت ہوگی یا قومی اخوت یا قبائلی اخوت یا دینی اخوت لیکن اخوت واتحاد کے متذکرہ بالا تمام تصورات محدود ہیں جب کہ دین اسلام لامحدود عالمی اخوت، اتحاد اور بھائی چارے کا تصور پیش کرتا ہے۔

گفتگو کا آغاز جس آیت سے کیا گیا ہے، اس میں اسلامی اخوت، اتحاد اور بھائی چارے کے بارے میں موجود تصور بہت واضح طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔

گزشتہ آیت مبارکہ میں قرآن مجید بنی نوع انسان سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور تم کو قبیلوں اور قوموں میں اس لئے تقسیم کیا گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یعنی یہ تقسیم محض تعارف کے لئے ہے نہ کہ تعظیم وعزت کے لیے اور نہ ہی اس لئے ہے کہ اس کی بنیاد پر تم ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت اور برتری کا معیار جنس، ذات، علاقہ، رنگ ونسل اور مال ودولت نہیں ہے بلکہ اللہ کے ہاں فضیلت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ، پرہیزگاری، نیکوکاری اور حسن عمل ہے۔ جو شخص زیادہ متقی ہے، زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بارے میں پورا علم اور خبر رکھنے والا ہے۔

ایک اور آیت مبارکہ میں ہے:

''ومن ایته خلق السموت والارض واختلاف السنتکم
والو انکم ان فی ذلك لایت للعلمینo''

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 30()، آیت نمبر 22)

''تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا اور آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اس کی نشانیاں میں سے ہیں، بیشک اس میں تمام جہان والوں کے لیے

نشانیاں ہیں۔ o"

اس آیت میں قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ رنگ، نسل اور بولی کا اختلاف اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے۔ یہ کالے، گورے، لال، پیلے لوگ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، لہٰذا اس اختلاف کی بنیاد پر نفرت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ روئے زمین پر بولی جانے والی ہر زبان خوبصورت ہے۔ اگر آپ نے کوئی زبان پہلے نہیں سنی یا آپ یہ زبان نہیں جانتے تو عین ممکن ہے کہ آپ کو وہ زبان مضحکہ خیز معلوم ہو اور وہ آپ کو متعجب کر دے لیکن جو لوگ اس زبان کو بولنے والے ہیں ان کے لئے شاید یہ دنیا کی سب سے خوبصورت زبان ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زبان اور رنگ و نسل کے یہ اختلاف محض تعارف اور پہچان کے لئے پیدا کیے گئے ہیں۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی شان ہے:

> "ولقد کرمنا بنی ادم وحملتھم فی البر و البحر ورزقنھم من الطیبت وفضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاO"
> (القرآن الکریم، سورۃ نمبر (17)، آیت نمبر 70)

> "اور تحقیق ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور انکے لیے بحر و بر میں سواریاں بنائیں اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اپنی کثیر مخلوق پر واضح فضیلت سے نوازا۔ o"

اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف عربوں کو عزت دی ہے نہ صرف امریکیوں کو اور نہ ہی کسی خاص قوم کو عزت دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو عزت دی ہے۔ رنگ، نسل، قوم، عقیدے اور جنس کے امتیاز کے بغیر ہر انسان کو عزت دی ہے۔

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نسلِ انسانی کا آغاز ایک ہی جوڑے سے ہوا ہے یعنی آدم و حوا علیہا السلام سے لیکن بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کی غلطی اور گناہ کی وجہ سے پوری بنی نوع انسان گناہگار ہو گئی ہے۔ وہ ہبوطِ آدم علیہ السلام کی ذمہ داری ایک عورت یعنی حضرت حوا علیہا السلام پر ڈالتے ہیں حالانکہ اسلام اس بات سے

اتفاق نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عورت سے ناراض ہو کر اس کو اولاد پیدا کرنے کی تکلیف میں مبتلا کیا، اس سے بھی اسلام قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ اس طرح تو ماں بننے کا عمل ایک سزا اور عذاب ٹھہرتا ہے۔

سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا و نساء واتقوا الله الذی تسائلون به والارحام ان الله کان علیکم رقیباO"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

"اے لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کی بیوی پیدا فرمائی اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پیدا فرمائے اور اس اللہ سے ڈرو، وہ جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔ O"

اسلام کا مؤقف تو یہ ہے کہ ماں بننے کا عمل عورت کے مقام اور مرتبے میں اضافہ کرنے والا عمل ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

"ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وهنا علی وهن وفصله فی عامین ان اشکرلی ولوالدیك الی المصیرO"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 31 (لقمان)، آیت نمبر 14)

"اور ہم نے انسان کو والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کو دودھ چھوڑانا ہے۔ (اے بندے!) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ O"

اسی طرح سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ووصينا الانسان بوالديه احسنا حملته امه كرها ووضعته كرها وحمله وفصله ثلثون شهرا"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 46 (احقاف)، آیت نمبر 15)

"اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے، اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حمل عورت کو اور زیادہ محترم اور مکرم کرتا ہے۔ یہ کوئی سزا نہیں ہے۔ اسلام عورت اور مرد کو برابر اور مساوی قرار دیتا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الآداب میں ایک حدیث ہے، جس کا مفہوم ہے کہ ایک شخص جناب پیغمبر علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھنے لگا:

"یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے۔؟"

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"تیری ماں کا۔"

اس شخص نے پوچھا:

"اس کے بعد۔؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"تیری ماں کا۔"

اس نے پھر پوچھا:

"اس کے بعد۔؟

آپ علیہ السلام نے پھر فرمایا:

"تیری ماں کا۔"

اس شخص نے چوتھی مرتبہ پوچھا:

"اس کے بعد کس کا حق ہے۔؟

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا باپ کا''۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاد پر تین چوتھائی یعنی پچھتر فی صد حق ماں کا بنتا ہے اور ایک چوتھائی یعنی پچیس فی صد باپ کا۔ ماں کو گولڈ میڈل بھی ملتا ہے، سلور میڈل بھی اور برونز میڈل بھی جبکہ باپ کو صرف حوصلہ افزائی کا انعام ملتا ہے۔ یہ ہیں اسلامی تعلیمات کا والدہ کے ساتھ حسن سلوک۔

اسلام مرد اور عورت کو برابر قرار دیتا ہے لیکن برابری کا مطلب یکسانیت نہیں ہے۔ اسلام میں خواتین کے حقوق اور مقام کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ غیر مسلموں اور خود مسلمانوں میں پائی جانے والی یہ تمام غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں، اگر اسلام کو قرآن اور صحیح احادیث کی مدد سے سمجھا جائے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ اسلام میں مجموعی طور پر مرد اور عورت برابر ہیں لیکن اس برابری کا مطلب یکسانیت نہیں ہے۔ اس حوالے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

فرض کیجیے! ایک ہی جماعت میں دو طالب علم ہیں ''اعجاز'' اور ''معاذ''۔ یہ دونوں طالب علم ایک امتحان میں اول آئے ہیں کیوں کہ دونوں نے سو میں اسی نمبر حاصل کیے ہیں لیکن اگر آپ ان کے پرچوں کا تجزیہ کریں تو صورت حال یہ ہے کہ پرچے میں دس سوال ہیں اور ہر سوال کے دس نمبر ہیں۔ پہلے سوال میں طالب علم ''اعجاز'' نے دس میں سے نو نمبر لئے ہیں اور طالب علم ''معاذ'' نے دس میں سے سات نمبر۔ لہٰذا پہلے سوال کی حد تک طالب علم ''اعجاز'' کو ایک درجہ برتری حاصل ہے۔ دوسرے میں ''معاذ'' نے نو اور ''اعجاز'' نے سات نمبر لئے ہیں، لہٰذا دوسرے سوال میں برتری طالب علم ''معاذ'' کو حاصل ہے۔ باقی آٹھ سوالوں میں دونوں طالب علموں نے آٹھ آٹھ نمبر حاصل کیے ہیں۔ مجموعی طور پر دونوں طالب علموں کے نمبر اسی اسی ہیں۔

اس تجزیے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مجموعی طور پر تو دونوں طالب علم برابر ہیں لیکن کسی سوال میں ''اعجاز'' کو برتری حاصل ہے اور کسی میں ''معاذ'' کو۔ اسی طرح اسلام میں عورت اور مرد کو مجموعی طور پر مساوی درجہ دیا گیا ہے لیکن کسی جگہ عورت کا درجہ زیادہ ہے تو کہیں مرد کو

فضیلت حاصل ہے۔

اسلام میں اخوت، اتحاد، مساوات اور بھائی چارے سے مراد یہ نہیں ہے کہ صرف مرد ہی آپس میں برابر ہیں۔ اس اخوت اور بھائی چارے میں خواتین بھی شامل ہیں۔ عالمی اخوت سے یہی مراد ہے کہ رنگ، نسل، زبان اور عقیدے کے علاوہ جنس کی بنیاد پر بھی انسانوں کے درمیان کوئی فرق روا رکھنا جائز نہیں۔ سب برابر ہیں البتہ جزوی فرق ضرور موجود ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے میرے گھر میں ڈاکو آ جاتا ہے، اب میں خواتین کے حقوق اور آزادی پر پورا یقین رکھتا ہوں اور دونوں جنسوں کو بالکل برابر سمجھتا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں یہ نہیں کہوں گا کہ میری بیوی یا بہن یا ماں جائیں اور ڈاکو کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں فرماتا ہے:

"الرجال قوامون على النساء"

(القرآن الکریم، سورۃ النساء، آیت نمبر 34)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔"

چوں کہ مرد کو جسمانی قوت زیادہ عطا کی گئی ہے لہٰذا اس حوالے سے اسے ایک درجہ برتری حاصل ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ خواتین کی حفاظت کرے۔ قوتِ جسمانی ایک ایسا پہلو ہے جس کے حوالے سے مرد کو برتری حاصل ہے جب کہ اولاد پر حق کے حوالے سے عورت کو برتری حاصل ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ اولاد پر ماں کا حق تین گنا زیادہ ہے۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصور نہیں دیا کہ وہ کسی خاص قوم یا خاص نسل کا خدا ہے بلکہ ارشاد فرمایا:

"الحمد لله رب العلمين○ الرحمن الرحيم○ ملك يوم الدين○"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 1 (الفاتحہ)، آیت نمبر 3-2-1)

"تعریف اللہ ہی کے لئے جو تمام کائنات کا رب ہے۔○ نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔○ روزِ جزا کا مالک ہے۔○"

اور آخری سورۃ میں بتایا جاتا ہے:

"قل اعوذ برب الناس O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 114()، آیت نمبر 1)

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں تمام انسانوں کے رب کی۔ O"

حقیقی اخوت:

1: اسی طرح سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"یایھا الناس کلوا مما فی الارض حللا طیبا و لا تتبعوا خطوت الشیطن انه لکم عدو مبین O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 2()، آیت نمبر 168)

"لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ O"

اسلام اس دنیا میں حقیقی عالمی اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنے کے لئے ایک مکمل نظام اخلاقیات بھی دیتا ہے۔ اسلام ایک ایسا اخلاقی قانون فراہم کرتا ہے جس کی مدد سے پوری دنیا میں اخوت، اتحاد اور بھائی چارے پر مبنی معاشرے کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔

2: چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 5()، آیت نمبر 32)

"جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔"

یہاں قرآن مجید فرماتا ہے کہ اگر کوئی کسی انسان کو قتل کرتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ انسان مسلمان تھا یا غیر مسلم، تو یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے پوری انسانیت کا قتل کرنا۔ یہاں نہ مذہب اور عقیدے کی تخصیص کی گئی ہے نہ رنگ و نسل اور جنس کی۔ کسی بھی بے قصور انسان کو

قتل کرنا ایسا ہے جیسے پوری انسانیت کو قتل کرنا۔ دوسری طرف اگر کوئی کسی انسان کی جان بچاتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے پوری انسانیت کو بچالیا جائے۔ یہاں بھی کوئی تخصیص نہیں کی گئی کہ بچایا جانے والا انسان کس مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھتا ہو۔؟

3: اسلام اس مقصد کے لئے متعدد اخلاقی قوانین وضع کرتا ہے تاکہ عالمی اخوت و بھائی چارہ دنیا کے ہر حصے میں جاری و ساری ہو سکے۔ قرآنِ مجید ہر صاحب نصاب کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یعنی ہر قمری سال میں کل مال کا 2.5 فی صد حصہ مستحقین میں تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آج اگر دنیا کا ہر شخص زکوٰۃ ادا کرنا شروع کردے تو دنیا میں غربت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو سکتا ہے یہاں تک کہ دنیا میں کوئی شخص بھی بھوک سے نہیں مرے گا۔

4: قرآن مجید ہمیں اپنے پڑوسیوں کے کام آنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" ولا یحض علی طعام المسکینO"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 107 (الماعون)، آیت نمبر 3)

"اور (وہ نامراد ہوا جو) مسکین کو کھانا نہیں دیتا۔ O"

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ شخص کامل مسلمان نہیں جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور وہ خود پیٹ بھر کر سو جائے۔"

5: قرآن مجید فضول خرچی سے بھی روکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وات ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراO ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربه کفوراO"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 17 ()، آیت نمبر 26-27)

"رشتہ داروں اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو۔ O

فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ o"

اگر آپ اسراف کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یقیناً آپ اخوت کی فضا خراب کرنے کا باعث بن رہے ہیں، کیوں کہ جب ایک شخص فضول خرچی اور ریاکاری کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں ناپسندیدگی اور نفرت کے جذبات کو فروغ ملتا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا کسی کو بھی دوسرے کا حق نہیں مارنا چاہئے، بلکہ ایک دوسرے کی امداد کرنی چاہئے اور اپنے پڑوسیوں کے کام آنا چاہئے۔ یہ تمام اخلاقی اصول ہیں جن کا ذکر قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

6: اسی طرح قرآن مجید رشوت سے بھی سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 188)

"اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔ o"

گویا کہ رشوت کے ذریعے دوسرے کا مال ہتھیانے سے منع کیا جارہا ہے۔

7: اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بھی شخص اپنے بھائی کی جائیداد یا مال کو ہتھیانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یایھا الناس امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 5 ()، آیت نمبر 90)

"اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ○"

اس آیت مبارکہ میں قرآن پاک ہمیں تمام نشہ آور اشیاء، جوئے، قمار بازی اور اسی طرح ضعیف الاعتقادی کے مختلف شرکیہ مظاہر سے روک رہا ہے، کیوں کہ یہ سب شیطانی افعال ہیں۔

8: ہم جانتے ہیں کہ معاشرے میں موجود بہت سی برائیوں کا بنیادی سبب منشیات کا استعمال ہے اور نتیجتاً یہ اُس مثالی اخوت و بھائی چارے کی فضا کو بھی خراب کرنے کا سبب بنتا ہے جو ایک حقیقی اسلامی اور فلاحی معاشرے کا مقصود ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکہ میں اوسطاً روزانہ تقریباً ایک ہزار نو سو جنسی زیادتی کے واقعات ہوتے ہیں اور بیش تر صورتوں میں زیادتی کرنے والے یا زیادتی کا شکار ہونے والے نشے کی حالت میں ہوتے ہیں۔

اسی طرح شماریاتی اعداد و شمار ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں "Incesl" کے واقعات کی شرح آٹھ فی صد ہے یعنی ہر بارھواں یا تیرھواں فرد محرمات کے ساتھ زنا میں ملوث ہے اور محرمات کے ساتھ زنا کے تقریباً تمام واقعات نشے کی حالت میں ہی ہوتے ہیں۔

ایڈز جیسی بیماریوں کے دنیا میں اس قدر تیزی سے پھیلنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ منشیات بھی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید منشیات کو شیطانی عمل قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ کامیابی اور فوز و فلاح کے حصول کے لئے ان شیطانی افعال سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر آپ واقعی ان اعمال سے مجتنب رہتے ہیں تو دنیا بھر میں حقیقی اخوت کا ماحول قائم کرنے میں مدد ملے گی۔

9: قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد ہوتا ہے:

"ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا ○"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 17()، آیت نمبر 32)

"زنا کے قریب نہ پھٹکو، وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔ O"

گویا اسلام زنا اور بدکرداری سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔

9: سورۂ حجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منهم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منهن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک هم الظالمون O یایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لهم اخیه میتا فکهتموه واتقوا الله ان الله تواب رحیم O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 49، آیت نمبر 11-12)

"اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔ O اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو، اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ O"

اس قرآنی ارشاد کے مطابق کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا یا غیبت کرنا بہت بڑا گناہ

ہے۔ یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا اور اس کام کی کراہت اس مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔ انسانی گوشت کھانا ہی حرام ہے اور پھر اپنے مردہ بھائی کا گوشت......؟ گویا حرمت دگنی ہو جاتی ہے۔ آدم خور لوگ جو انسانی گوشت مزے لے کر کھاتے ہیں وہ بھی اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر آپ کسی کی غیبت کرتے ہیں تو یہ دہرا گناہ ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ تو کیا آپ یہ پسند کریں گے؟ قرآن مجید خود جواب دیتا ہے کہ نہیں تم یہ پسند نہیں کرو گے۔ کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”ویل لکل همزة لمزةO“

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 104()، آیت نمبر 1)

”تباہی ہے ہر اس شخص کے لئے جو لوگوں پر طعن کرتا اور پیٹھ پیچھے برائیاں بیان کرتا ہے۔o“

قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں دیئے گئے یہ تمام اخلاقی اصول، حقیقی اخوت اور بھائی چارے کو فروغ دینے والے اور مستحکم کرنے والے ہیں۔ اسلام کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ محض اخوت، اتحاد اور بھائی چارے کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اخوت و بھائی چارے کے عملی مظاہرے کے لئے بھی مطلوبہ اقدامات پر زور دیتا ہے۔

مسلمان اس اخوت و بھائی چارے کا ایک عملی مظاہرہ دن میں پانچ مرتبہ نماز با جماعت کی ادائیگی کے دوران کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جب ہم لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔“

سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنی صفیں سیدھی کر لیا کرو، کندھے سے کندھا ملا لیا کرو اور شیطان کے لئے خالی جگہ نہ چھوڑا کرو۔“

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے دوران ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہوا کرو اور شیطان کے لئے خالی جگہ نہ چھوڑا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اس شیطان کا ذکر نہیں کر رہے جسے آپ لوگ ٹی وی پر دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ اور ایک دُم ہوتی ہے۔ یہاں شیطان سے مراد اس قسم کی کوئی مخلوق نہیں ہے، بلکہ یہاں مراد نسل پرستی کا شیطان ہے، علاقائی تعصب کا شیطان ہے، رنگ و ذات پات اور زبان کے تعصب کا شیطان ہے جسے اپنی صفوں میں جگہ دینے سے یہاں روکا جا رہا ہے۔

بین الاقوامی اخوت کی ایک بڑی مثال ''حج'' ہے۔ دنیا بھر سے تقریباً پچیس لاکھ افراد فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے کونے کونے سے وہاں آتے ہیں۔

اس موقع پر تمام مرد ایک جیسی اَن سلی سفید چادروں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ اس موقع پر آپ اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی کیا حیثیت ہے۔ وہ بادشاہ ہوں یا فقیر ان کا حلیہ ایک سا ہوگا۔ بین الاقوامی اخوت و بھائی چارے کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ حج دنیا کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع ہے۔ کم از کم پچیس لاکھ افراد وہاں جمع ہوتے ہیں۔ آپ بادشاہ ہوں یا فقیر، غریب ہو یا امیر، گورے ہوں یا کالے، شرقی ہوں یا غربی، آپ ایک ہی لباس میں ملبوس ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں اعلان فرما دیا کہ تمام انسان ایک ہی رب کی مخلوق ہیں، لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ کوئی گورا کالے سے یا کالا گورے سے افضل نہیں ہے، ہاں! برتری کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ ہے۔

صرف تقویٰ، پرہیزگاری، نیکی اور خوف خدا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کا معیار ہیں۔ آپ کی قوم اور آپ کا رنگ آپ کو کوئی برتری نہیں دلاتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب انسان برابر ہیں۔ ہاں! اگر آپ اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہیں، زیادہ پرہیزگار ہیں، زیادہ متقی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے افضل ہونے کا امکان ہے۔

حج کے موقع پر تمام حاجی مسلسل یہی الفاظ دہراتے ہیں۔

''لبیك اللهم لبیك لا شریك لك لبیك......''

''حاضر ہوں! اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں......''

پورے حج کے دوران وہ مسلسل یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں تاکہ یہ ان کے ذہن میں راسخ ہو جائیں یہاں تک کہ جب وہ واپس آتے ہیں تو پھر بھی یہ الفاظ ان کے ذہن میں رہتے ہیں۔

اسلامی عقیدے کا بنیادی ستون یہی ہے کہ اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا واحد بلا شرکتِ غیرے خالق اور مالک ہے۔ صرف وہی ہے جس کی عبادت کی جانی چاہیے۔ اگر آپ غور کریں تو ایک اور صرف ایک خدا پر ایمان کی صورت میں ہی عالمی اخوت و بھائی چارے کا قیام ممکن ہے۔

ایک ہی خدا پوری انسانیت کا خالق ہے۔ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ آپ امیر ہوں یا غریب، کالے ہوں یا گورے، مرد ہو یا عورت، آپ کا تعلق کسی عقیدے سے ہو، کسی ذات سے ہو، کسی ملک یا علاقے سے ہو، آپ سب برابر ہیں کیوں کہ آپ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ آپ سب کو خدائے واحد ہی نے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ ایک رب پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کے درمیان حقیقی اخوت و بھائی چارہ قائم ہونا ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر بڑے مذاہب میں ایک اعلیٰ سطح پر خدائے واحد کا تصور پایا جاتا ہے۔

اسلام میں حقیقی اخوت و بھائی چارے کا تصور محض ''اُفقی'' نہیں ''عمودی'' بھی ہے۔ یعنی اسلام محض اتنا ہی نہیں کرتا کہ تمام علاقوں کے رہنے والے تمام انسانوں کے مابین بھائی چارے کا تصور دے، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہے۔ عمودی تصور سے مراد یہ ہے کہ ہم سے پہلے گزرنے والے لوگ اور بعد میں آنے والے لوگ بھی ہمارے بھائی ہیں۔

ماضی میں اس زمین پر رہنے والے لوگ اور ہم جو آج اس زمین پر زندہ ہیں درحقیقت ایک ہی قوم سے اور ایک ہی اُمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایمان کا تعلق ہے۔ یہ وہ بھائی چارہ ہے جو ''ایمان باللہ'' کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح بھائی چارے کا ایک عمودی تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ایمانی بھائی چارہ ہے جو زمانی بھی ہے اور مکانی بھی۔ دنیا کے تمام مذاہب میں کسی ایک خالق پر ایمان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ایمانی اور خونی اخوت و بھائی چارہ:

اگر آپ غور کریں تو حقیقی بھائی چارہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے اور دنیا بھر میں قائم بھی رہ سکتا ہے جب تمام لوگ ایک ہی خدا پر ایمان رکھیں، ایک خالق اور ایک مالک پر ایمان رکھیں۔ اس طرح بھائی چارے کا جو رشتہ وجود میں آئے گا وہ خون کے رشتے سے بھی زیادہ مضبوط اور زیادہ اہم ہوگا۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ اسلام ہمیں والدین کی فرماں برداری کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه و بالوالدين احسانا اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما○ واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربينى صغيرا○

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 17()، آیت نمبر 23-24)

”تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو۔ نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو○ اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔○“

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں والدین کی عزت، احترام اور محبت دینا ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن اس کے باوجود ایک چیز ایسی ہے جس میں والدین کا حکم بھی نہیں مانا جا سکتا۔

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

”وان جاهدك على ان تشرك بى ما ليس لك به علم فلا

تطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفا واتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملونO"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 31()، آیت نمبر 15)

"لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اس وقت میں تمھیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔ o"

گویا والدین کی اطاعت ایک لازمی امر ہے، لیکن ان کی اجازت بھی وہیں تک ہے جہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہی برتر ہیں اور جہاں دونوں احکام میں ٹکراؤ ہو وہاں آپ اللہ کا حکم ہی مانیں گے۔ اسی طرح ایمان اور عقیدے کی بنیاد پر بننے والا بھائی چارہ ہی حقیقی بھائی چارہ ہے۔ ایمان کا رشتہ خون کے رشتے سے برتر ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے:

"قل ان کان اباؤکم و ابناؤ کم وخواتکم وازواجکم و عشیرتکم وموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا و مسکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفسقینO"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 9()، آیت نمبر 24)

"اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں۔ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے

عزیز تر ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ O“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بتاؤ اور سوچو تمہاری ترجیحات کیا ہیں؟ کیا تمہیں اپنے بیٹے عزیز ہیں؟ یا تمہیں اپنے والدین عزیز ہیں؟ یا تمہارے زوج؟ (زوج کا لفظ شوہر کے حق میں بیوی کے لئے اور بیوی کے حق میں شوہر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی لفظ ”Spouse“ کے معنوں میں) یا دیگر عزیز و اقارب۔؟

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تمہاری ترجیح مال دولت، کاروبار اور جائیداد ہے؟ کیا یہ تمام چیزیں تمہیں زیادہ پسند ہیں۔؟ اگر تم ان چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے مقابلے میں زیادہ عزیز جانتے ہو تو پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

پتہ یہ چلا کہ اگر والدین کسی غلط کام کا حکم دیں جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہو تو اس کام کا کرنا جائز نہیں۔ والدین یا اولاد یا بیوی یا دیگر کسی رشتہ دار کی محبت میں چوری کرنا، بے ایمانی کرنا، رشوت لینا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنا، کسی کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا باعث ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح مال و دولت، کاروبار، جائیداد بنانے کی خواہش میں جائز و ناجائز سے بے پروا ہو جانا بھی عذاب خداوندی کو دعوت دینے والا کام ہے۔ جہاں بات عقیدے اور ایمان کی آئے گی تو خونی رشتے بھی پیچھے رہ جائیں گے۔ قرآن مجید میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

”يايها الذين امنوا كونوا قومين بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم او الوالدين و الاقربين ان يكن غنيا او فقيرا فالله اولى بهما فلا تتبعوا الهوى ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان الله كان بما تعملون خبيرا O“

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 4( )، آیت نمبر 135)

”اے ایمان والو! انصاف کے علم بردار اور اللہ کے واسطے گواہ بنو، اگرچہ

تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ o“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب معاملہ عدل و انصاف کا ہو، جس وقت آپ گواہی دینے کے لئے کھڑے ہوں تو صرف سچی گواہی دیں خواہ اس میں آپ کا ذاتی نقصان ہو، خواہ آپ کے والدین یا رشتہ داروں کا نقصان ہو، آپ ہر حال میں سچائی پر قائم رہیں۔ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ صاحب معاملہ غریب ہے یا امیر، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لئے یکساں ہے۔ سو جب بات عدل و انصاف کی آئے گی، جب معاملہ حق اور سچائی کا ہو گا تو خون کے تمام رشتے فراموش کر دیئے جائیں گے، کیونکہ یہ عقیدہ کا معاملہ ہے اور عقیدے کا رشتہ تمام رشتوں سے برتر ہے۔

عقیدے کے اس رشتے کی اساس اس یقین پر ہے کہ ایک ہی خدائے بزرگ و برتر اس کائنات کا خالق ہے۔ تمام مذاہب فی الاصل اسی عقیدے کی تبلیغ کرتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیت پیش کی، اسلام اسی مشترکہ بات کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے:

”قل ياهل الكتب تعالوا الى كلمة سوا بيننا و بينكم الا نعبد الا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمونO“

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 3()، آیت نمبر 64)

”اے نبی! کہہ دیجئے اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ

کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے گا، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو تم صاف کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم (صرف اللہ کی بندگی و اطاعت کرنے والے) ہیں۔ O"

اللہ تعالیٰ کی ذات پر صرف ایمان رکھنا کافی نہیں بلکہ عبادت بھی صرف خدائے واحد ہی کی ہونی چاہیے۔ حقیقی عالمی اخوت، اتحاد، مساوات اور بھائی چارے کا قیام صرف اسی صورت ممکن ہے کہ پوری انسانیت ایک ہی خدائے بزرگ و برتر پر ایمان رکھے اور صرف اسی کی عبادت کرے۔

سورۃ انعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 6()، آیت نمبر 108)

"اور اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔"

قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ اخوت اسلامی کو بڑے واضح طریقے سے بیان کرتی ہے:

"یایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام ان الله کان علیکم رقیبا O"

(القرآن الکریم، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان

سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات بگاڑنے سے پرہیز کرو، بے شک اللہ تمہارا نگہبان ہے۔ ٥"

مساوات انسانی

اسلام نے بنی نوع انسان کو وحدت اور مساوات کا سبق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ"

"اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔"

تمام بنی نوع انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ قبائل، خاندان اور اقوام محض باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ اسلام میں مساوات سے دو باتیں مراد ہیں۔ ایک ہی قانون ہے امیر ہو یا غریب، سربراہ حکومت ہو یا عام انسان، کسی کو کسی بنا پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

معاشرتی مساوات سے مراد ہے کہ عام اجتماعی اور سوشل لائف میں کسی کو فضیلت حاصل نہیں۔ اسلام میں نہ اونچ نیچ ہے، نہ برتری و کمتری۔ عزت و اکرام کا معیار فقط تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان اکرمکم عنداللہ اتقکم"

"بیشک تم میں سے سب سے معزز سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان العباد کلھم اخوۃ"

"سارے انسان بھائی بھائی ہیں۔"

اور فتح مکہ کے موقعہ پر فرمایا:

"اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ۔"

اعتدال اور توازن

پوری کائنات اعتدال پر قائم ہے اور حیات انسانی میں بھی یہی توازن مطلوب ہے۔ اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کی انتہاؤں کے درمیان ایک حسین توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔

انسانی زندگی میں اعتدال صرف الہامی ہدایت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اسلام نے دین و دنیا، فرد و اجتماع اور روح و جسم کے درمیان توازن قائم کیا ہے اور افراط و تفریط کو ختم کیا ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> "میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو! تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل و عیال کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، ہر حق اس کے حقدار کو ادا کرو (میری ہدایت یہ ہے کہ) روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔"

اسی طرح دین اسلام نے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہترین توازن قائم کیا۔ ایک طرف فرد کی نشوونما کا پورا ساز و سامان کیا تو دوسری طرف اسے اجتماعی ذمہ داری کے نظام میں منظم کیا۔

اسلام نے حیات انسانی کے تمام شعبوں کے متعلق مفصل ہدایات دے کر ان تمام شعبوں کے درمیان اعتدال قائم کیا۔ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شعبہ زندگی میں یہ سنہری ہدایت دی ہے:

> "خیر الامور اوسطھا"
>
> "معاملات میں بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

> "اعتدال نبوت کا حصہ ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط (میانہ رو امت) قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ امتیاز

صرف تہذیب اسلامی کو حاصل ہے کہ اس نے افراط و تفریط سے ہٹ کر زندگی کے فطری تقاضوں کو پورا کیا، ان میں توازن قائم کیا تا کہ انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکے اور کہیں اس میں جھول، انتہا پسندی، عدم توازن اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔

ابدی اور دائمی مذہب

زندگی ایک بدلنے والی چیز ہے، اسے گھڑی بھر کے لئے قرار نہیں۔ اسلامی تہذیب کا خالق رب العالمین ہے جو ازل سے ہے ابد تک رہے گا، اس لئے اسلام کے اصول وضوابط بھی دائمی اور ابدی ہیں۔ یہ اصول انسانی معاشرے کی نت نئی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ہیں۔

انسان کے لئے محض اپنی فکر اور تجربے کی بنا پر ایسے اصول وضع کرنا ممکن نہیں۔ زمان و مکان کی جو مجبوریاں انسان کو لاحق ہیں ان کی بنا پر وہ اس کے لئے نا اہل ہے۔ یہ اسلامی نظریہ حیات کی خوبی ہے کہ جہاں وہ ایک طرف زندگی کی ابدی صداقتوں کو پیش کرتا ہے، وہیں انسانی معاشرے میں جو فطری تغیرات آتے رہتے ہیں ان سے پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کرتا ہے۔

لہذا اجتہاد اور قیاس اسلامی فقہ کے اہم اصول ہیں جن کے ذریعے نت نئے مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

اصلاحی اور انقلابی دین

دین اسلام فقط ایک نظریہ ہی نہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں ہے، بلکہ یہ ایک اسلامی اور انقلابی دین ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے دنیا میں رائج کیا جائے اور غلبہ واقتدار خدا کے دین کو حاصل ہو۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

”هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون“

”وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ تمام

ادیان پر غالب ہو، خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں۔“
(سورۃ التوبہ، آیت نمبر: ۳۳)

اس طرح دین اسلام ایک تبلیغی اور اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصد ریاست اور نظم کا قیام ہے۔ مسلم معاشرے کا ہر فرد اصلاً معلم اور داعی الی الحق کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ چنانچہ ہر فرد کو ہدایت ہے:

”تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان“

”نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی و سرکشی کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔“
(سورۃ المائدہ، آیت نمبر: ۲)

نیز امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیتے ہوئے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے:

”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر“

”تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں لائی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“
(سورۃ آل عمران، آیت نمبر: ۱۱۰)

اخلاق میں متعدی تاثیر ہوتی ہے، اچھے اخلاق کو دیکھ کر دل میں نیکی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور برے اخلاق والوں کے ہاتھوں دوسرے لوگ بھی برائی میں پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر کسی قوم میں کوئی گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے قبل دنیا میں عذاب الٰہی مسلط ہو جاتا ہے۔“
(مشکوۃ المصابیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے جو برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس میں یہ استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں اسے برا سمجھے لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''
(صحیح مسلم)

اسلام کے نظام کی برکتیں

اسی طرح اسلام محض ایک فکری تہذیب ہی نہیں، بلکہ ایک اسلامی اور انقلابی تحریک بھی ہے، جس کا مقصد نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کی بیخ کنی ہے اور خدا کی زمین پر ظلم و ستم، استحصال، ناجائز نفع اندوزی، جبر و تشدد، فحاشی اور گمراہی کو مٹا کر گلشنِ حیات کو اچھائیوں سے بھر دینا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں حضرت عیسیٰ کے الفاظ میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی برکتیں برسانے لگتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام عرب تیئس سالوں کی مدت میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام بہت جلد دور دور تک پھیلنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

''ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا''
''اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔''
(سورۃ النصر، آیت نمبر 2)

مسٹر سنیل قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''دنیا میں اس دین کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال اور نظیر نہیں ملتی۔ اس دین کو نا صرف ان لوگوں نے قبول کیا جو عربی تھے بلکہ انہوں نے بھی قبول کیا جو غیر عربی تھے، حالانکہ اس میں کوئی بات اس سے بڑھ کر نہ تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ بہر حال اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے عجیب ترقی حاصل کی۔''

☆☆☆

اسلام، جدت اور حالات حاضرہ

جدت پسندی اور اسلام

جدت پسندی بذات خود ایک مستحسن جذبہ اور انسان کی فطری خواہش ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو انسان پتھر کے زمانے سے ایٹم کے دور تک نہ پہنچتا اور قدیم ذرائع آمدورفت سے جدید وسائل مواصلات تک اس کی رسائی نہ ہوسکتی۔ انسان کی تمام تر مادی ترقی اور سائنسی ایجادات ایک جذبے کے رہینِ منت ہیں کہ وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کا متلاشی رہا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ کسی نئی بات یا جدت پر بحیثیت جدت کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، بلکہ اس کی نوعیت اور افادیت کے مطابق اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صنعت و حرفت اور فنون جنگ کے بارے میں نئے طریقوں اور آلات کار کا استعمال متعارف ہوا۔ دفاع کے سلسلے میں عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ گہری خندق کھودی گئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے طائف کے محاصرے میں دو نئے آلاتِ حرب استعمال کئے گئے، جن میں سے ایک منجنیق کی مانند تھا اور دوسرا دبابہ جسے موجودہ دور کے ٹینک کی قدیم صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔

روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان آلات کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود بنایا تھا۔ اس کے علاوہ حافظ ابن کثیر کی روایات کے مطابق حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غسلان بن سلمہ رضی اللہ عنہما کو شام کے مشہور صنعتی شہر جرش بھیجا گیا تا کہ دبابے اور منجنیق کی صنعت سیکھ کر آئیں۔ دبابے کی طرح کا ہی ایک آلہ تھا جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔

زراعت کی ترقی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ کاشت کا حکم دیا اور زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں سے رزق تلاش کرنے کی تاکید فرمائی۔

عرب لوگ بحری بیڑے کے تصور نا آشنا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور یہ پیش گوئی فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندر کی موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ اور پھر آپ نے ان کے فضائل بھی بیان فرمائے۔

عہد رسالت کے حوالے سے یہ چند مثالیں تھیں جن کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسلام نے کسی جدید ایجاد اور شے پر نئے ہونے کی حیثیت سے کوئی قدغن نہیں لگائی، بلکہ صحیح مقاصد میں جائز حدود کے ماتحت اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

عصر حاضر نے جو صنعتی ایجادات اور سائنسی انکشافات پر مبنی ہے، انسان کی مادی ترقی کو بام عروج تک پہنچایا ہے۔ نئی ایجادات نے راحت و آسائش کے بہتر طریقے مہیا کیے ہیں۔ اس کی ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے تباہ کن نقصانات بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ اس مادی ترقی اور جدت پسندی نے مختلف عنوانات سے ہوس، ملک گیری اور عریانی وفحاشی کے طوفان کھڑے کیے ہیں، گویا جدت پسندی ایک دو دھاری تلوار ہے جو بنی نوع انسان کو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کا کام تمام بھی کر سکتی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق تجزیہ کیا جائے تو عصر حاضر میں نہ تو کوئی نئی چیز نئی ہونے کی بنا پر قابل قبول ہے اور نہ قابل تردید۔

اہم سوال یہ ہے کہ وہ کیا معیار ہے جس پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ جدت پسندی کی کونسی راہ قابل قبول ہے اور کونسی نقصان دہ اور نا قابل قبول۔

اس معیار کے تعین کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ کام خالص عقل کے حوالے سے کیا جائے، چنانچہ لادینی معاشروں میں عقل کو قول فیصل کی حیثیت حاصل ہے، لیکن عقل ودانش کے دعویداروں نے ہی جدت پسندی کے نام پر انسانیت کے لئے اخلاق وشرافت کے سارے اوصاف لوٹے اور مقدس معاشرتی اداروں کی حرمت کو بھی پامال کیا ہے۔ بڑے سے بڑے نظریئے کی شاندار اور خوبصورت توجیہات پیش کیں۔ اگر جدت پسندی کی

رو میں اچھے اور برے کا فیصلہ خالص عقل پر چھوڑ دیا جائے تو زندگی کی اقدار صحیح سالم باقی نہیں رہتی اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہر شخص کی عقل کا پیمانہ دوسرے سے مختلف ہے۔ چنانچہ انسان متضاد آراء اور نظریات کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے کہ جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو عقل وحی الٰہی کی راہنمائی سے آزاد ہو وہ حقیقتاً انسان کی بہیمی خواہشات اور نفسانی اغراض کی غلام بن جاتی ہیں اور یہ عقل کی غلامی کی بدترین شکل ہے۔ ایسی عقل کو قرآن حکیم میں ''ھویٰ'' یعنی خواہش نفس قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''اگر حق ان لوگوں کی خواہشات نفس کا تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں مخلوقات ہیں ان میں سخت بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔''

یہ حقیقت ہے کہ اگر اچھے اور برے تمام کا فیصلہ عقل کے حوالے کر دیا جائے تو انسان کے پاس کسی نئے رواج کو روکنے اور جدت پسندی کے ہاتھوں قیمتی سے قیمتی اخلاقی اقدار کو بچانے کا معیار باقی نہیں رہتا۔ خود اہل مغرب کو مہلک نتائج سامنے آنے پر سخت تشویش ہے کہ اس جدت پسندی کی عام روش میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے جس کی بناء پر اعلیٰ انسانی اوصاف اور ادارے محفوظ رہ سکیں۔ ایک امریکی جج کردوزو (Carduzo) اپنی کتاب "The Growth of Law" میں لکھتے ہیں:

> ''قانون کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسا فلسفہ مرتب کیا جائے جو ثبات اور تغیر کے متضاد اور متحارب تقاضوں کے درمیان موافقت پیدا کر سکے۔''

ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عقلی فلسفے کے بس کا نہیں، عقل کے سر پر وہ بوجھ لادا گیا جس کی وہ متحمل نہیں ہے، کسی قانون کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ وہ دائمی اور نا قابل تفسیر ہے کسی دلیل کی بناء پر ہوتا ہے۔ انسانی عقل کی بناء پر کچھ لوگ عقل کو نا قابل تغیر قرار دیں گے لیکن کل کو دوسرے لوگ یہ اندازہ نہ لگائیں گے کہ وہ دائمی قانون بننے کے لائق نہ تھا۔ چنانچہ اس تجدد پسندی کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی اسلام کی قوت کو تسلیم کیا جائے اور انسان عقل کا غلام بننے کی بجائے عقل کو اس ذات کا غلام بنائے جس نے اسے اور

پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

خالق کائنات تمام وقوع پذیر ہونے والے تغیرات سے پوری طرح باخبر ہے اور ذات عالی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا کہ کونسے اصول قانونی لحاظ سے ناقابلِ تغیر اور ثبات کے حامل ہیں۔ صرف مذہب میں ہمیں ایسی بنیاد ملتی ہے اور وہ بھی مذہب کے حقائق کو منطق استدلال کے نتیجے کے طور پر نہیں بلکہ عقیدے کے ذریعے قبول کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون سے راہنمائی کے بغیر انسانیت کی نجات کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

چنانچہ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد ہے:

> "جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستے پر ہو کیا وہ اس طرح ہو سکتا ہے جن کی بداعمالی ان کو بھلی لگتی ہے اور جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔؟"

گویا تمام جدت پسندیوں، نئے طور طریقوں اور رسوم ورواج کو ان کی ظاہری چمک دمک کی بناء پر نہیں بلکہ اس بنیاد پر جانچا جائے کہ وہ پروردگار کے راستے کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر شریعت کا حکم موجود ہو تو اس کو بلاحجت تسلیم کیا جائے کیونکہ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ کے مطابق:

"کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر اس معاملے میں اس کا اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بڑی واضح قسم کی گمراہی میں جا پڑا۔"

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۵ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

> "آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ ﷺ کو اپنے باہمی تنازعات میں فیصل نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔"
>
> (سورۃ النساء، آیت نمبر: ۶۵)

کتاب وسنت کے ذریعے جو احکامات امت مسلمہ کو دیئے گئے وہ اکثر ان ہی مسائل

سے متعلق ہیں کہ اگر انہیں خالص عقل کے حوالے کیا جاتا تو وہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جاسکتی تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل کے تمام احوال سے باخبر ہے اس لئے صرف اسی کے احکام ہر دور میں واجب العمل ہو سکتے ہیں۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۶ میں بیان ہے:

''یبین اللہ لکم ان تضلو و اللہ بکل شیٔ علیم''

''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔''

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تجدد پسندی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے سلسلے میں وحی اور شریعت کی ضرورت اس لئے بھی بہت زیادہ ہے کہ خالص عقل کے ذریعے ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل ہے، لیکن یہ طرز عمل بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کسی طور طریقے، چلن یا جدت کو پہلے اپنی عقل کے مطابق صحیح یا بہتر قرار دے دیا جائے پھر اس کے بعد قرآن وسنت کو اپنے عقلی فیصلے پر پورا اتارنے کے لئے تاویلات کو اختیار کیا جائے۔ ایسا طرز عمل احکام الٰہیہ کے اتباع کے منافی ہے، بلکہ یہ تو اتباع کی بجائے ترمیم اور تغیر کہلائے گا جس کا اختیار کسی انسان کو نہیں۔

اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ہر حال میں احکامِ الٰہی پر کامل یقین کر کے کسی ترمیم کے بغیر اسے قبول کرے اور مادی قوتیں اسے کسی صورت میں بھی احکام الٰہی کے اعراض پر آمادہ نہ کرسکیں۔ چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۱۵ سے ۱۱۷ میں اس مضمون کو اس طرح واضح کیا ہے:

> ''اور آپ کے رب کی بات سچائی کے لحاظ سے پوری ہو چکی، اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں اور اس کی ذات سمیع اور علیم ہے اور اگر آپ زمین پر رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کریں گے تو وہ آپ کو راہِ خداوندی سے گمراہ کر دیں گے، کیونکہ وہ تو ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ کہ وہ تو اٹکل کی بات کرتے ہیں، بے شک آپ کا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے اور وہ ہدایت کار کو بھی جانتا ہے۔''

یہ بھی وضاحت کر دی گئی:

> ''کہتے ہیں وہ لوگ جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے کہ آپ قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ، یا اس کو بدل دو۔ تو اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اسے خود اپنی طرف سے تبدیل کردوں۔ میں پیروی کرتا ہوں صرف اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

اس اتباع خالص میں مخالفت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن جو لوگ آزمائشوں کا مقابلہ کرتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے دنیا اور آخرت دونوں میں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اور وہ لوگ جو ہماری خاطر کوشش کرتے ہیں تو ہم ضرور انہیں اپنے راستے کی طرف ہدایت دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''
>
> (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۶۹)

عصر حاضر کی مادی چکا چوند اور تجدد پسندی کے مقابلے میں یہ عمل درست نہیں کہ اگر کسی حکم الٰہی میں ظاہری فائدہ نظر آئے تو اسے قبول کرلیا جائے اور جہاں آزمائش یا تنقید کا خدشہ ہو وہاں اعراض یا تاویل سازی کی جائے۔ قرآن حکیم کے مطابق اس میں دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۱۱ میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے:

> ''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ پس اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر آزمائش آگئی تو منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ اٹھاتے ہیں اور یہ کھلا نقصان ہے۔''
>
> (سورۃ الحج، آیت نمبر: ۱۱)

تجدد پسندی کے تمام تر لوازمات کے مقابلے میں شریعت کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا عین اتباع ہے، چاہے استہزاء اور طعن کے مرحلوں سے گزرنا پڑے۔ مخالفانہ اعتراضات کا مسلمان کے پاس صرف یہی جواب ہے:

''اللہ یستھزیء بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون''

(سورۃ البقرہ)

''اللہ ان (کفار) کے مذاق کا جواب دیتا ہے اور انہیں ڈھیل دیئے ہوئے ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔''

عصر حاضر میں عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ تجدد پسندی خواہ وہ کسی بھی شعبے میں ہو اس کی حدود کو پہچانے اور ان معاملات میں دخل اندازی نہ کرے جن کو شریعت نے مکمل کر دیا۔

عالم اسلام کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مادی ترقی اور تجدد پسندی کی جن خوبیوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ان کی طرف ہماری رسائی بہت سست روی کا شکار ہے اور جن خامیوں سے ہمیں احتراز کرنا چاہئے تھا وہ بہت تیز رفتاری سے مسلم معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں۔

عصر حاضر کی ذمہ داریوں سے اسلامی فکر ونظر کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی صورت میں یہ ثابت ہے کہ دین اسلام جس طرح قوت وطاقت رکھتا ہے، اسی طرح بہترین نتائج پیدا کر سکتا ہے اور عالمی قوت کی حیثیت سے اعلیٰ ترین کردار ادا کر سکتا ہے، جس طرح عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین کی مثالیں ہماری تاریخ کے اوراق میں جگمگا رہی ہیں۔

☆☆☆

عصری علوم اور دین اسلام

اہم ترین عصری علوم دو اقسام کے ہیں:

1: علم فلسفہ۔

2: علم سائنس۔

زمانۂ قدیم کی سادہ زندگی سے لے کر دور جدید کی پیچیدہ زندگی تک بنی نوع انسان کی دو اہم بنیادی ضروریات رہی ہیں:

1: اسے کھانے پینے، رہنے سہنے کی آسائش اور محفوظ زندگی حاصل ہو۔ یہ ایک حیاتیاتی

ضرورت ہے جو زندگی کی بقاء اور نسل انسانی کے تسلسل کے لئے ضروری ہے۔

2: اس حیاتیاتی ضرورت کے علاوہ انسان کی کچھ ذہنی احتیاجات بھی ہوتی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی دنیا ایک بامقصد نظر آئے، وہ اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے حل کا متلاشی ہوتا ہے، زندگی، کائنات اور زمان و مکان کے حقائق سے چشم پوشی کرنا اور اس کے مسائل حل نہ کرنا دنیا کو بے مقصد اور بے معنی بنا دینے کے مترادف ہے جس کے نتائج انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے۔

محفوظ زندگی گزارنے کے لئے اور دیگر آسائشوں کی تلاش میں انسانی ذہن نے نئے نئے علوم کو جنم دیا۔ مثلاً: زراعت، طب اور انجینئرنگ۔ یہ سب ہی علوم دراصل قدرتی وسائل اور زمین کے ذرائع انسانی فائدے کے طور پر استعمال کرنے سے متعلق ہیں جو ٹیکنالوجی کہلائے۔

علم فلسفہ اور دین اسلام

انسان بالطبع صاحب فکر و عقل ہے۔ انسانی شعور جب بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنے مدمقابل ایک وسیع و عریض کائنات دیکھتا ہے جس کی حقیقت کو وہ سمجھنا چاہتا ہے۔ انسان مختلف آرزوؤں، جستجو اور اشتیاق کے ساتھ کائنات کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہی غور و فکر کا نظام فلسفہ کہلایا۔

فلسفہ ایک یونانی اصطلاح ہے جو ان دو الفاظ کا مرکب ہے:

1: فلو۔

2: سفیہ۔

فلو (Philo) کے معنی حب کے ہیں اور سفیہ (Sphia) کے معنی دانش و حکمت کے ہیں۔ گویا اس کا مفہوم حب دانش ہے۔ فلسفی کو فلسفی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ عقل و استدلال کے ذریعے کسی شے کی آخری اور انتہائی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

1: ڈی بوئر (De Boer) کہتا ہے:

''فطرت کے ایک جامع نقطہ نظر کی تلاش اور اشیاء کی ہمہ گیر توجیح کی کوشش فلسفہ کہلاتی ہے۔''

2: فلسفہ کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

"Philosophy is an inquiry into the nature of life and of existence."

فلسفے کا خاص مسئلہ یہ ہے کہ حکیمانہ طور پر علم و وجود کی اساس کی تحقیق کی جائے اور تمام موجود حقیقتوں کا ربط ان کے ساتھ واضح کیا جائے۔ دنیا کو بحیثیت مجموعی ایک کلی واقعہ اور مظہر سمجھ کر اس کی علت العال تلاش کی جائے۔

فلسفے کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے:

''جزو اور کل کے درمیان کیا تعلق ہے۔؟ اگر کائنات کو کل اور انسان کو جزو قرار دیا جائے تو انسان کا اصل مقصد کیا ہے۔؟ اس کے مطابق انسان کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ کائنات کل ہونے کی حیثیت سے ابتداء، انتہا، ماہیئت اور مقصد کے اعتبار سے کیسی ہے۔؟ اس کا کوئی آغاز یا انجام ہے یا نہیں۔؟ انسانی آرزوؤں کے ساتھ یہ کائنات سازگار ہے یا نہیں۔؟''

فلسفے کا تیسرا اہم ترین مسئلہ یہ ہے:

''خیر و شر کی اصل حقیقت کیا ہے۔؟ انسان جس کی فطرت طلب خیر کا تقاضا کرتی ہے وہ خیر کے حصول میں ارادہ اور اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔؟ کائنات کا کوئی مقصد بھی ہے یا نہیں؟ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اور اس کے ہونے یا نہ ہونے کا ہماری زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔؟''

یہ تمام فلسفے کے مسائل ہیں اور اگر ایک خاص ترتیب سے ان میں نظم پیدا کر لیا جائے تو یہی سوالات مذہب کے دائرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں:

''یہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے اور اس کی ترکیب کیا ہے۔؟ کیا اس کی ساخت میں کوئی دوامی عنصر موجود ہے۔؟ ہمیں اس سے کیا

تعلق ہے؟ اور ہمارا اس میں کیا مقام ہے۔؟ باعتبار اس مقام کے ہی طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔؟ یہ سوالات ہیں جو مذہب، فلسفہ اور اعلیٰ شاعری میں مشترک ہیں۔''

جہاں تک فلسفے اور مذہب کے بنیادی مسائل کا تعلق ہے تو اس میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ اگر فلسفہ حکمت کا نام ہے تو یہ عین قرآنی چیز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کے جو چار تقاضے قرآن حکیم میں بیان کئے گئے، انہیں سے ایک تعلیم حکمت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''اے نبی! آپ کو حکمت اور خیر کثیر عطا کی گئی ہے۔''

دین اسلام کو سمجھنے کے لئے جو منہاج یا طریق کار اختیار کیا جائے اس کے دو اجزا ہیں:

1: مذہب کو صاحب کے حوالے سے سمجھا جائے۔

2: موضوع زیر بحث کی اصل ماہیت، مقصد اور غایت کو سمجھا جائے۔

اسلام کا سرچشمہ اور ماخذ پیغمبرانہ ہدایت ہے جو وحی متلو اور وحی غیر متلو پر مشتمل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو، اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی افراد پر مشتمل ہو۔ جن کی کوشش کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف اور غم سے محفوظ رہے۔ اس معاشرے میں نمونہ تقلید اور استحکام کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص وفاداری ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی استعداد عطا کی ہے۔ انسان اپنے حواس کے ذریعے خام مواد جمع کرتا ہے اور عقل کی خصوصیت کے ذریعے جب اسے منظم کیا جاتا ہے تو اس علم کو کہتے ہیں ''فلسفہ''۔ فلسفہ بھی علم کی ایک شاخ ہے جو انہی مسائل کو زیر بحث لاتا ہے جن سے مذہب بھی بحث کرتا ہے، لیکن علم اور عقل اپنی یہ انتہائی معراج کے باوجود حقائق کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہو سکتے اور یہ کمی وحی پورا کرتی ہے۔ انسانی عقل کے ناقص ہونے کی تلافی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات نازل فرمائیں وہ سلسلہ وحی کہلاتا ہے۔

فلسفے کو مذہب پر فوقیت حاصل نہیں۔ فلسفہ کو مذہب کی جانچ کا حق ضرور حاصل ہے، لیکن مذہب ایسا معاملہ نہیں ہے جسے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ لہٰذا مذہب کی

قدر و قیمت کے پیش نظر فلسفے کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ مذہب کی تعمیر فکر میں مرکزی حیثیت کو تسلیم کرے۔

> ”عام خیال ہے کہ مسلمانوں میں جو حکماء اور فلاسفہ پیدا ہوئے ان میں سے کچھ تو ملحد و بے دین اور اکثر ضعیف العقیدہ تھے، یا کم از کم ان کی مذہبی حالت بہتر نہ تھی۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے، کیونکہ حکمائے اسلام نے بڑی خدمات سرانجام دیں کہ فلسفے کو مذہب اور اسلام سے قریب تر کر دیا، نبوت کا اثبات کیا اور روح و احساسات کو فلسفیانہ دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا۔ ابن عربی، الکندی، الفارابی، ابن سینا، امام الغزالی اور ابن رشد مشہور فلاسفہ اور حکیم تھے جن کے افکار سے تاریخ اسلام جگمگاتی رہے گی۔“

مسلمانوں میں فلسفیانہ فکر کی نشوونما کے سلسلے میں یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ یہ یونانیوں سے مستعار شدہ تھا۔ درحقیقت مستشرقین کی رائے مسلمانوں کے خلاف اس عناد کا نتیجہ ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہا۔ ان کا انداز فکر یہ ہے کہ جب تک اسلام کے خلاف منافرت پیدا نہ کی جائے مسیحیت مقبول نہیں ہو سکتی، وہ اسلام کے ثقافتی فضائل کے خلاف رائے قائم کرانا چاہتے ہیں۔

غیر مسلموں کے نظریئے کے مطابق اسلام نے اخلاق اور تصوف مسیحیت سے مستعار لیا ہے...... قانون یہودیت اور رومن لاء سے...... اور فلسفہ یونانی فکر سے۔

فلسفے کے ضمن میں غیر مسلموں کی دلیل یہ ہے کہ اس کا آغاز مسلمانوں میں اس وقت ہوا جب عباسی خلافت کے زمانے میں مامون الرشید کے دور حکومت کے دوران بیت الحکمت قائم ہوا اور فلسفے کی یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے گئے۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان تراجم کی ابتدا سے تقریباً ۱۰۰ سال پیشتر معتزلہ نے فلسفیانہ بحثوں کا آغاز کیا تھا اور دیکھا جائے تو استعداد، عقل، فہم اور دانش کسی دوسری قوم سے مستعار لینے والی چیز نہیں۔ تبلیغ اسلام کے لئے اسلامی عقائد کو عقل و دانش کے ذریعے منوانے کی خاطر فلسفیانہ افکار کو ہوا ملی اور اس نے ترقی کے مدارج طے کئے اور اس کی تردید کے لئے یہ دلیل بھی بہت وزنی ہے کہ یونانی مفکرین کی نسبت اسلامی

مفکرین کی تصانیف بہت زیادہ ہیں اور زیر غور مسائل کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔

اس سلسلے میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ فلسفیانہ فکر کی نشو ونما کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے قائم شدہ مفروضوں کو رد کیا جائے تا کہ بحث و تمحیص اور دلائل کے ذریعے نیا تجزیہ منظر عام پر آئے۔ اس بناء پر فکر اسلامی کا یونانی افکار سے ماخوذ ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ہر قوم میں فلسفیانہ غور و فکر کے محرکات الگ الگ ہوتے ہیں۔

یونانیوں کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ محسوس اور معقول کے درمیان کیا تعلق ہے۔؟ مجوسیوں میں خیر وشر کے متضاد اصولوں کی بنا پر ایک ہم آہنگ نظریہ جو حقیقت پر مبنی ہو غور و فکر کا محرک تھا۔ مسیحیوں میں علم اور ایمان کے درمیان ہم آہنگی کا مسئلہ تفکر و تدبر کا باعث بنا۔ مسلمانوں میں فلسفیانہ غور و فکر کے آغاز کا باعث یہ بات تھی کہ وہ دین کی تلقین کرنے سے پہلے مخالفین کے ساتھ علمی اشتراک پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کی نہج پر ان سے بات کرتے تھے۔ گویا دینی اشتراک سے پہلے علمی اشتراک پیدا کرنا بنیادی مقصد تھا۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے دوسرے فلسفیانہ نظاموں کو جن کے محرکات کچھ اور تھے مستعار لے لیا۔

اسلام اور سائنس

دنیا کو سمجھنے، اس کو با معنی اور با مقصد بنانے کی ذہنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جو علوم وجود میں آئے سائنس ان میں سے ایک ہے۔ سائنس کی نوعیت اور ماہیت کے بارے میں کئی تعریفیں کی گئیں:

> ”سائنس ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنی جاننا کے ہیں، لیکن اصطلاحا اس کے معنی نظام فطرت کے اس علم کے ہیں جو مشاہدے، تجربے اور عقل سے حاصل ہوتا ہے۔“

مارٹن نے سائنس کی تعریف یہ کی ہے:

"Science is a systematized posipive knowledge.

کانٹ (Kant) کہتا ہے:

"سائنس تصورات اور تصوراتی منصوبوں کا ایک مربوط سلسلہ ہے۔ جس نے تجربات اور مشاہدات کے نتائج میں نشو ونما و ارتقاء حاصل کیا اور اس سے مزید تجربات اور مشاہدات بار آور آئے۔"

رضی الدین کہتا ہے:

"سائنس مشتمل ہے تجربات کے نظریات کے مشاہدات اور ضبط ایثار پر، یعنی سائنس کی بنیاد صرف تجربے پر ہی مشتمل نہیں اور نہ ہی یہ محض عقل اور غور وفکر کا نتیجہ ہے، بلکہ ان سب اشیاء کی آمیزش ہے۔"

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس ہماری مادی دنیا پر تصرف حاصل کرنے اور ان قوتوں کی توضیح وتشریح کا ایک منظم اور مرتب نظام ہے۔ یہ حقائق کا ان کی اصل شکل میں مطالعہ ہے۔ یہ ایک متحرک علم ہے اور اگر یہ علم ترقی اور ارتقاء کو ترک کر دیتا ہے تو وہ جلد ہی اپنی سائنسی حیثیت کھو دیتا ہے۔

علوم میں سے یہ ایک ایسی قسم ہے جو گرد ونواح کو سمجھنے اور مخصوص حقائق سے آگہی کی باشعور کوشش کا نام ہے۔ یہ مظاہرِ فطرت کا مشاہدہ ہے جو ہمارے حواسِ خمسہ کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ سائنس دان کائنات کے مشاہدے سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے، پھر ان نتائج کو ایک قابلِ فہم تنظیم اور ترتیب کے ساتھ جمع کرتا ہے، تجربات کے بعد درست سائنسی نتیجے کو ایک مستقل علمی حیثیت یا قانون سمجھا جاتا ہے، یعنی علمی حقائق یا مشاہدے سے دریافت ہونے والے نتائج کو جب مرتب اور منظم کر لیا جائے تو اسے ہم "علم سائنس" کہتے ہیں۔

سائنس کے بارے میں اسلام کا طرز عمل کیا ہے؟ اس کے متعلق دو مختلف آراء موجود ہیں۔

ایک گروہ کی رائے کے مطابق سائنس کا حصول دائرۂ اسلام سے اخراج کی قوی دلیل ہے، جبکہ دوسرے گروہ کے خیال میں ان میں باہم کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔

ان دونوں آراء سے قطع نظر دین اسلام کا اگر ہم مطالعہ کریں تو یہ ایک صحت مند معاشرہ پیدا کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرے کے قیام اور اس کی بقاء وترقی

کے لئے تین شرائط بنیادی ہیں۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

1: انسانی شخصیت کی نشو و نما۔
2: ہیت عمرانی کی تشکیل۔
3: ماحول کی تسخیر۔

پہلی دونوں شرائط کی تکمیل کے لئے وحی کی راہنمائی سے کامل ہدایت میسر آتی ہے اور ماحول کی تسخیر کے لئے سائنس کی گنجائش موجود ہے۔

قرآن حکیم نے علم کی اہمیت اور فضیلت سے روشناس کراتے ہوئے اس کے حصول پر زور دیا۔ حقائق میں تقویت اور استحکام پیدا کرنے کے لئے جو دلائل دیئے جا سکے ہیں، اس میں مطالعہ کائنات کے حق میں سب سے پہلی آواز دین اسلام کی تھی۔ قرآن حکیم میں یہ واضح بیان کیا گیا ہے کہ توحید کی نشانیاں اور علامات مظاہرِ قدرت میں نظر آئیں گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ”ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار والفلك التی تجری فی البحر بماینفع الناس ومانزل اللہ من السماء من ماء فاحیابه الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابة وتصریف الریح والسحاب المسخرین بین السماء والارض لایت لقوم یعقلونO“
>
> (سورۃ البقرہ)

گویا مظاہر قدرت کے مشاہدے اور مطالعے کی دعوت دی گئی تا کہ حقیقت اور اصلیت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ جب تمام اسرار و رموز سے آگاہ ہو گئے تو گویا تمام طبیعاتی علوم وجود میں آ گئے۔ اسی طرح حیاتیاتی دلیل کے طور پر مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ زمین سے روئیدگی، لہلہاتے کھیتوں، پیداوار، غلہ اور اناج سب کے مشاہدے اور مطالعے سے گویا نباتاتی علوم معرض وجود میں آ گئے۔

اسی طرح قرآن مجید نے دنیا اور انسان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں اور قوانین کا ذکر

بھی کیا۔ یہ قرآن حکیم کا ہی فیض تھا کہ انسان کو علمی میدان میں قدم رکھنے کی تلقین کی، اس میں علمی روح بیدار کی، بحیثیت مجموعی علم سے بحث کی اور سائنس اس علم ہی کا ایک حصہ یا جزو ہے۔ اسلام نے وہ خطوط مہیا کیے جن کی راہنمائی میں صحیح نتائج تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ آئن سٹائن کا ایک مشہور مقولہ ہے:

"Science without religion is lame and Religion without science is Blind."

مسلمان اور سائنس:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دنیا نے اس وقت سائنسی علوم کو نکھارا جب پورا یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑے بڑے سائنس دان علماء پیدا ہوئے۔ احمد بن یعقوب علم جغرافیہ کے بانی تھے اور ان کی تحریر کردہ کتابیں اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں جغرافیے کے نصاب میں شامل رہیں۔

ابن مسکویہ نے حیات انسانی سے بحث کی اور یورپ کے چارلس ڈارون کے نظریات زیادہ تر انہی کے مرہون منت ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن مسکویہ نے صرف قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بات کی تھی۔

ابن الہیثم علم المناظرہ کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے انعطاف نور پر تجربات کیے۔

جابر بن حیان بابائے کیمیا کہلوائے اور انہوں نے بے شمار کیمیائی مرکبات ایجاد کیے۔

محمد بن زکریا رازی پہلے طبی انسائیکلوپیڈیا ''الحاوی'' کے مصنف تھے۔

ابوالقاسم الزہراوی وہ پہلے سرجن تھے جنہوں نے پوسٹ مارٹم کو انسانی اعضاء کی تحقیق کے لئے ضروری خیال کیا۔

اسی طرح محمد بن موسیٰ خوارزمی، یعقوب بن اسحاق کندی، ابوموسیٰ علی الطبری، ابو عباس، احمد الفرقان البیرونی، بوعلی سینا اور ابن بیطار بہت ہی نامور مسلمان سائنس دان گزرے ہیں۔

مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر دور میں علم اور سائنس کی بڑی خدمت کی

اور یہی اسلامی اثرات اور یورپ پر اس کے نتائج اندلس کے ذریعے مختلف ممالک پر وارد ہوئے۔ اگر قرون وسطیٰ کے زمانے میں یورپ میں اسلامی خدمات ان کی تاریخ کے اوراق کو رنگین بنانے کے لئے دو بدو نہ ہوتیں تو آج برلن، واشنگٹن، لندن، ماسکو اور پیرس کی حالت کچھ اور ہوتی۔ یہ صرف مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ تھا کہ یورپ نے اس سے آگے قدم رکھ کر گزشتہ خدمات کا سہرا بھی اپنے سر سجالیا اور سائنسی علوم وفنون میں پیش رو قرار پائے۔

وجود خداوندی کے منکرین مادیت پرست سائنس دان جس غلطی کا شکار ہوئے، اس کی وجہ یہ تھی انہوں نے خود سائنس کی حدود کو نہ سمجھا اور اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ سائنس زندگی کے اس عقدہ کو حل کر سکتی ہے۔ جس طرح بحری جہاز ہوا میں نہیں اڑ سکتا اسی طرح طبعی دنیا کا مطالعہ کرنے والی سائنس مابعد الطبیعاتی حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی۔

سائنس اپنے مخصوص دائرہ کار میں مفید خدمت سرانجام دے سکتی ہے، لیکن اس کے نام پر کسی ایسے معاملے کو موضوع بحث بنانا جو اس کی حدود سے متعلق نہ ہو، اس کے دائرہ کار سے باہر ہو، بذات خود ایک غیر سائنٹفک بات ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہنا کہ سائنس خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے، ایک بے سروپا بات اور غیر عقلی دعویٰ ہے۔ درحقیقت یہ سوال ہی سائنس کے دائرہ عمل سے خارج ہے۔

چنانچہ فرانسیسی پروفیسر لیز نے لکھا ہے:

> ”کائنات کے آغاز وانجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں، اس لئے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا انکار کریں، جس طرح ہمارا کام یہ بھی نہیں کہ ہم اس کو ثابت کریں۔ ہمارا کام نفی اور اثبات دونوں سے الگ ہے۔“

سائنس اور اسلام کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مغرب کے سائنس دانوں کے ایک گروہ نے خدا کے وجود سے انکار کیا اور مذہب سے فرار کی کوشش کی، لیکن اقلیتی گروہ کی اس کارروائی میں سائنس کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ یہ ایک ایسی لہر ہے جو زیادہ دیر بلند نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ مورس (Maurice) نے اپنی کتاب "Man in not alone" میں لکھا ہے:

''ہم ابھی سائنس کی ترقی کے دور میں سے گزر رہے ہیں لیکن جیسے جیسے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے یہ بھی واضح ہوتا جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ایسا ضرور ہے جس کی دانائی اور حکمت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ علم نے ہمارے سینوں میں یہ انکسار اور یقین پیدا کر دیا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم خدا سے دور جانے کی بجائے خدا کے وجود کو تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کے قریب آرہے ہیں۔''

"Francis Beacon" نے بجا طور کہا تھا:

''سائنس کا نامکمل علم آپ کو ملحد بنا دیتا ہے لیکن سائنس کا وسیع اور عمیق مطالعہ آپ کو خدا پر ایمان رکھنے والا بنا دیتا ہے۔''

ڈاکٹر ڈوزلے نے اپنی کتاب ''The Human Destiny'' اس دعوے کے ساتھ پیش کی تھی:

''اگر ہم سائنس کے جمع شدہ سرمائے کا تنقیدی مطالعہ کریں اور اس سے منطقی اور عقلی نتائج مستنبط کریں تو یہ لازمی طور پر ہمیں خدا تک لے آتے ہیں۔''

پروفیسر "Jude" نے "God and Evil" میں یہاں تک کہہ دیا:

''آج سائنس اور مذہب کائنات کی حقیقت کے بارے میں ایک ہی طرح کی بات کہہ رہے ہیں، گو اپنے نتائج فکر تک پہنچنے کے لئے دونوں کے طریقہ ہائے تحقیق و مطالعہ جدا جدا ہیں، بہرحال ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج سائنس نے خدا کے تصور کا اثبات کر دیا ہے۔''

مغربی علماء کی یہ آراء مذہب اور سائنس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں کافی وزنی ہے۔

اگر عقیدۂ توحید کو اساس بنا کر تحقیق وجستجو کی رغبت دلائی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس میں کسی تضاد کے واقع ہونے کا امکان نہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی

ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اگر ہم اپنی دنیا یا ماحول کا جائزہ لیں تو زیادہ بہتر اور مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جہاں سائنس تہی دامن ہو وہاں مذہب کے اٹل حقائق سے مدد لے کر تمام عقدوں کو سلجھایا جا سکتا ہے۔ اس طرح زیادہ صحیح، زیادہ بہتر اور زیادہ مثبت نتائج تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

فلسفہ اور سائنس اسلام کی نظر میں

اس کا نتیجہ یہی نکالا جا سکتا ہے کہ فلسفہ اور سائنس اپنی حدود اور مخصوص دائرہ کار کے مطابق دینِ اسلام سے کوئی تضاد نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا تعلق مذہب کے ساتھ بہت گہرا ہے اور مذہب ان دونوں کو وہ بنیاد مہیا کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ اپنی اس کمی اور خامی کو دور کر سکتے ہیں جو محض حسی دائرہ کار کی وجہ سے اصولی طور پر ان میں موجود ہے۔

تفکر و تدبیر اور عقل و دانش کے ساتھ ساتھ تجربے اور مشاہدے کو دین کے حقائق سمجھنے میں راہ خیال نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ تضاد صرف اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ان دونوں کو ان کے محدود دائرہ کار سے نکال کر مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے یا ان دونوں سے غلط توقعات وابستہ کر لی جائیں۔ بصورت دیگر سائنس اور فلسفہ دونوں علوم سے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

حصہ نمبر 4:

کنفیوشس، زرتشت اور اسلام کا تقابل

(عقائد، شعار، اعمال، رہنما اور کتب)

الجزء الاول

اسلام، زرتشت و کنفیوشس میں بنیادی فرق

سامی و غیر سامی

اسلام ایک الہامی مذہب ہے جبکہ زرتشت اور کنفیوشس غیر الہامی ہیں۔ الہامی مذاہب سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر الہامی مذاہب کا سامی نسل سے کوئی تعلق نہیں۔

تصور خدا

الہامی مذاہب اصلاً ایک خدا کے تصور پر مبنی ہیں جبکہ غیر الہامی اس کے پابند نہیں۔ یہاں تک کہ بعض سرے سے خدا کے تصور سے بھی عاری ہیں۔

رسولوں پر ایمان

الہامی مذاہب پیغمبروں کے قائل ہیں، غیر الہامی نہیں۔

آفاقی تعلیمات

الہامی مذاہب کا اصل منبع و سرچشمہ سماوی ہیں، غیر الہامی مذاہب میں یہ ضروری نہیں۔

مخصوص خطہ

الہامی مذاہب سبھی مشرق وسطی کے ایک محدود خطے میں پیدا ہوئے، لیکن غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے۔

دائرہ کار

الہامی مذاہب سامی اقوام کے تاریخی حلقہ اثر میں پیدا ہوئے، لیکن باہر بھی پھیلے مگر غیر الہامی اس کے باہر پیدا ہوئے اور کبھی الہامی مذاہب کے دائرہ اثر میں شائع نہیں ہوئے۔

تبلیغی وغیر تبلیغی

الہامی مذاہب اپنی تعلیمات یا عملی تاریخ کے باعث تبلیغی ہیں اور غیر الہامی اپنی اصلی تعلیمات کے مطابق تبلیغی نہیں۔

معین وواضح تعلیمات

الہامی مذاہب کی تعلیمات معین اور واضح ہیں، لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات غیر معین اور لچکدار ہیں۔

کلی وجزئی تعلیمات

الہامی مذاہب کی تعلیمات کلی ہیں اور اپنی اصل کی بنا پر دینی اور دنیوی زندگی پر کم و بیش حاوی ہیں، لیکن غیر الہامی مذاہب کی تعلیمات جزوی ہیں یعنی یا تو صرف روحانی زندگی سے متعلق ہیں جیسے تاؤ مت یا پھر دنیوی زندگی سے متعلق ہیں جیسے کنفیوشس مت۔

☆☆☆

الجزء الثانی:

کنفیوشس اور اسلام کا تقابل

اخلاقی و سیاسی تعلیمات

اسلام اور کنفیوشس مذہب اخلاقی اور سیاسی تعلیمات بنیادی طور پر یکساں ہیں لیکن ظاہری شکل اور عملی طریقہ مختلف ہے۔

انسانی دوستی اور انسانی فطرت

دونوں مذہب انسانی دوستی اور انسانی فطرت کا گناہ سے پاک ہونے کے دعویدار ہیں۔

راہِ اعتدال

دونوں نے اعتدال کی راہ کی تلقین کی ہے۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا۔

راست بازی

دونوں مذہبوں کے رہنماؤں کا ذاتی کردار راست بازی پر مبنی ہے۔

معاشرتی رابطے

دونوں معاشرتی رابطوں کو مستحکم بنیاد پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

بین الاقوامی

کنفیوشس مذہب بین الاقوامی مذہب نہیں۔ اس کی تعلیمات فقط چین کی افتادطبع کے عین مطابق ہیں۔

جامعیت

کنفیوشس مذہب میں جامعیت نہیں، صرف سیاسی اور اخلاقی تعلیمات ہیں، دینی عقائد کی نہیں۔

مابعد الطبعیاتی مسائل

کنفیوشس مذہب مابعد طبعیاتی پہلو کو نظر انداز کرتا ہے جبکہ اسلام کی بنیاد ہی ایمانیات پر ہے۔

شرک و توحید

کنفیوشس مذہب میں مردہ پرستی، اوہام پرستی، دیوی دیوتاؤں کی پرستش، مندروں میں کنفیوشی کے نام پر قربانیاں دی جاتی تھیں یہ سب شرک کی اقسام ہیں جبکہ اسلام کامل توحید کا دین ہے۔

الہام

کنفیوشس مذہب الہام کا دعویٰ نہیں کرتا جبکہ اسلام الہامی دین ہے۔ کنفیوشس نے خود کہا:

> ”میں اسلاف کا سرمایا آگے منتقل کرنے والا ہوں، اسلاف سے محبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔“
>
> (Degge)

کتب میں تغیر و تبدل

کنفیوشس مذہب کی اصل کتب یا ضائع ہوگئیں یا ترمیم و تنسیخ کا شکار ہوگئیں جبکہ

اسلامی کتاب قرآن مجید مکمل طور پر محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں کنفیوشس کے بعد پرانی کتابوں کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا یا مجروح، لیکن قارئین کرام کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ چین کی یہ پرانی کتب اس امر کی مدعی نہیں کہ وہ الہامی ہیں یا بذریعہ وحی نازل ہوئیں ہیں۔ انہیں مورخین، شعراء اور دیگر مصنفین نے اس طرح تصنیف کیا جس طرح یہ عبارتیں ان کے خیال میں آئیں۔

(Doctrine of Meahs)

مصالحت کا پہلو

کنفیوشس کی تعلیمات لچکدار اور مصالحت پسندانہ ہیں جبکہ اسلام بنیادی عقائد میں مصالحت کا روادار نہیں ہے۔

انجذابی اور غیر انجذابی مذہب

کنفیوشس انجذابی اور انہضامی مذہب ہے جبکہ اسلام دوسروں کو جذب کرتا ہے۔

معاشرتی تعلیمات

کنفیوشس مذہب معاشرتی تعلیمات اور سیاسی رابطے کی تلقین کرتا ہے لیکن اسلام نے زیادہ مفصل اور جامع تعلیمات دی ہیں۔

کنفیوشس کے پانچ بڑے رابطے اور اسلام

حکیم کنفیوشس نے معاشرتی استحکام کے لئے مندرجہ ذیل پانچ رابطوں کے استحکام پر زور دیا ہے:

1: حاکم اور رعایا کا رابطہ۔

2: باپ اور بیٹے کا رابطہ۔

3: میاں اور بیوی کا تعلق۔

4: بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے تعلق۔

5: دوست اور دوست کا تعلق۔

کنفیوشس نے اخلاقی زندگی اور معاشرتی استحکام کی بنیاد مذکورہ پانچ رابطوں پر رکھی ہے، ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کچھ فرائض اور ہر ایک کے لئے کچھ حقوق ہیں جن کا تعلق حاکم وقت سے بھی ہے اور عام رعایا سے بھی۔ ان میں سے ہر شخص اطاعت وفرمانبرداری کے ایسے نظام سے منسلک ہے جس کا تعلق ایک دوسرے سے ہے۔ پہلے چار رشتوں کے متعلق معین اصول ہیں اور پانچویں رشتے میں تسلیم ورضا اہم کردار سرانجام دیتے ہیں۔

کنفیوشس اس بات کا قائل ہے کہ بدنظمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حاکم اپنے مرتبہ کے تقاضے نبھانے میں قاصر ہو اور رعایا بھی اپنے مقام سے دور ہو چکی ہو۔ باپ اپنے مقام اور مرتبہ سے غافل ہو اور بیٹا اپنے فرائض سے منہ موڑ چکا ہو۔ علی ھذا القیاس اخلاقی بلندی اور معاشرتی استحکام اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کا خیال نہ رکھے۔

کسی نے ایک باراس سے پوچھا:

”کیا کوئی لفظ ایسا ہے جو زندگی کے لئے بنیادی اصول کا کام دے سکے۔؟

اس نے جواب دیا:

”ہاں! باہمی مراعات یعنی دوسروں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو تم دوسروں سے اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔“

کنفیوشس کا یہ بھی قول ہے:

”اچھی حکومت اور اچھا معاشرہ وہ ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو، وزیر وزیر ہو، باپ باپ ہو اور بیٹا بیٹا ہو۔

حاکم کو تلقین کی کہ بادشاہ خود اپنے عمل سے رعایا کے لئے اچھی مثال قائم کرے نیز تاکید کی کہ حکمران طبقہ اور رعایا اپنے فرائض خلوص سے سرانجام دے۔

حکیم کنفیوشس نے جن پانچ رابطوں کے استحکام پر زور دیا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہیں، جبکہ اسلام نے ان رابطوں کے متعلق تفصیل، وضاحت اور جامعیت سے تاکید کی ہے۔

حاکم اور رعایا: کنفیوشس کے نزدیک رعایا کو ہر حال میں حاکم کی اطاعت کرنی چاہئے اور حاکم کو بھی رعایا کے حقوق مدنظر رکھنے چاہئے۔

اسلام نے بھی حاکم کی اطاعت کی تاکید کی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''اَطِیْعُو اللهَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ''

(سورۃ النساء)

''اللہ اور اس کے رسول اور حاکم کی اطاعت کرو۔

اسی طرح خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں فرمایا:

''جب تک میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں اس وقت تم میری اطاعت کرنا۔
بصورت دیگر تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔''

علاوہ ازیں حاکم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ رعایا کی بہتری کے لئے کوشاں رہے۔ حکمران پر فرض ہے کہ وہ رعایا کے کمزور معذور اور بے سہارا طبقوں کو ضروریات زندگی مہیا کرے۔ نیز اندرونی امن قائم کرے اور بیرونی دشمنوں سے حفاظت کرے۔ اس طرح اسے رعایا کے جان، مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

باپ اور بیٹا: کنفیوشس میں باپ بیٹے کا مالک ہے اور بیٹا اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ باپ کو حکم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے۔

اسلام نے اولاد اور والدین کے حقوق بھی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ اسلام نے والدین پر بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری ڈالی ہے، بلکہ ان کی تعلیم اور روحانی تربیت کو دینی فریضہ قرار دیا ہے تاکہ ان کی تعلیم و تربیت دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا''

(سورۃ التحریم: آیت نمبر 6)

''اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اس کی تائید میں ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے:

''قیامت کے دن سب سے پہلے مدعی انسان کے رہنے والے اپنے اہل

وعیال ہوں گے۔ وہ دربار الٰہی میں عرض کریں گے: ”اے ہمارے پروردگار! تو خود ہمارا انصاف فرما کہ ہم مجرم ہیں یا والدین مجرم ہیں۔؟ ہم نادان تھے، مگر ہمارے والدین نے ہمیں حرام کھلایا، انہیں جیسی تعلیم ہمیں دینی چاہیے تھی اس میں کوتاہی کی اور نتیجتاً ہم جاہل اور بے دین رہ گئے۔“

(احیاء علوم الدین از امام محمد غزالی الشافعی)

اس کے برعکس اسلام نے اولاد کے بڑے بڑے فرائض احسان، احترام، اطاعت، شکر گزاری اور دعائے خیر بیان کیے ہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

”اور تمہارے رب کا حکم ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان کے سامنے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو، انہیں اف تک نہ کہو، نہ جھڑکو بلکہ ان سے ادب سے گفتگو کرو اور دعا کرتے رہو کہ اے اللہ ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے بچپن میں ہماری پرورش کی۔“

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 23 اور 24)

اسی طرح دین اسلام نے تفصیل سے والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض کا تعین کیا ہے۔

میاں بیوی کا تعلق: کنفیوشس میں میاں گھر کا سربراہ ہے جبکہ بیوی اس کی غلام۔ میاں کو بیوی اور بیوی کو میاں کے حقوق کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔

انسان بنیادی طور پر مدنی الطبع ہے۔ ارسطو کے بقول انسان مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ اس طرح عائلی زندگی تمدن کا بنیادی اور پہلا یونٹ ہے۔ قرآن مجید نے عائلی زندگی میں قاعدہ کلیہ اس طرح بیان کیا ہے:

”اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ“

(سورۃ النساء)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں۔“

عائلی زندگی میں مرد کو سربراہی حاصل ہے اور عورت اس کی مشیر اور وزیر ہے۔ پھر قرآن مجید نے ایک مثالی بیوی کی اس طرح خصوصیات بیان کی ہیں:

”فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ“

(سورۃ النساء)

”نیک بیویاں اپنے خاوند کی مطیع اور ان کی عدم موجودگی میں مال وعزت کی محافظ ہوتی ہیں۔“

اس کی تائید میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم دیکھو تو دل خوش ہو جائے، کوئی بات کہو تو اطاعت کرے اور تمہاری غیر حاضری میں تمہارے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔“

اس کے برعکس ایک خاوند کو ہدایت کی:

”خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ“

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہو۔“

نیز فرمایا:

”خاوند پر فرض ہے کہ جب کوئی چیز خود کمائے تو بیوی کو حصہ دے اور اسے اچھے کپڑے پہنائے، ناراضگی کی حالت میں نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے اور نہ گالی دے۔“

الغرض میاں بیوی انسانی گاڑی کے دو پہیے ہیں، جنہیں اسلام نے اپنے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرنے کی ہدایت کی ہے، تاکہ انسانی زندگی کی گاڑی آسانی سے رواں دواں رہے۔

بھائی کا بھائی سے تعلق: کنفیوشس کہتا ہے کہ ایک بھائی کے دوسرے بھائی کے ساتھ تعلقات بہتر ہونے چاہئے۔ بہرحال بڑا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

تمام مسلمان آپس میں دینی بھائی ہیں، لہٰذا انہیں آپس میں اتفاق، اتحاد، پیار اور محبت سے رہنا چاہئے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ“

''بے شک مومن بھائی بھائی ہیں۔''

نیز فرمایا:

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر:103)

''تم سب اللہ کی رسی کو تھام لو اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، کسی چیز کی قیمت بڑھانے کے لئے بولی نہ دو، آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، ایک دوسرے کے سودے پر سودا مت کرو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے حقارت سے دیکھتا ہے۔''

دوست کا دوست سے تعلق: کنفیوشس میں دوستی کوئی لازمی امر نہیں۔ بہر حال اگر کسی آدمی کا کوئی دوست ہو تو اسے اس کی رعایت اور خوشنودی ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے۔

اسلام میں دوستی، محبت اور دشمنی کی بنیاد اللہ کی خوشنودی اور رضا کو ٹھہرایا ہے اور

''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ''

''اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت''

کا بار بار درس دیا گیا ہے۔ ایک دوست کو دوسرے دوست سے نہ صرف محبت' پیار سے پیش آنا چاہئے بلکہ اس کے لئے ایثار اور قربانی کا بھی مظاہرہ کرنا چاہئے اور ضرورت پڑنے پر اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دینی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ''

(سورۃ الحشر، آیت نمبر:9)

''اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ وہ خود ضرورت مند ہی

کیوں نہ ہوں۔"

اسی کی تائید میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہے۔ نہ تو خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے مصیبت میں تنہا چھوڑتا ہے۔"

ابن خلدون نے اپنی کتاب تاریخ کے "مقدمے" کے چھٹے باب میں لکھا ہے:

"معاشرہ میں مختلف لوگوں کو علیحدہ علیحدہ صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر تمام افرادِ معاشرہ اپنے فرائض بہتر طور پر ادا کریں تو معاشرہ ترقی کرتا ہے۔"

اس طرح اسلام نے معاشرتی اصلاح کی غرض سے مندرجہ بالا تمام اکائیوں اور رشتوں کی اصلاح کے لئے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں، تا کہ معاشرے کا ہر طبقہ اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرے اور معاشرہ مستحکم، مضبوط اور مثالی بن جائے۔

☆☆☆

الجزء الثالث:

زرتشت اور اسلام کا تقابل

بنیادی عقائد

زرتشتی مذہب اور اسلام کے بعض بنیادی عقائد میں مماثلت ہے۔

توحید

دونوں مذاہب خدا کی وحدانیت اور رحمت پر ایمان رکھتے ہیں۔

خیر وشر کی کشمکش

ہر دو انسانی زندگی کو خیر وشر میں کشمکش قرار دیتے ہیں جس میں آخرکار نیکی اور خیر کو فتح ہوتی ہے۔

اختیار انسان

نیکی اور برائی کے اختیار کرنے میں انسان خود مختار ہے۔

دیگر عقائد

دونوں حیات بعد الممات، جنت و دوزخ، ملائکہ اور انبیاء کی ضرورت کے قائل ہیں۔

اخلاقی تعلیمات

ہر دو کی اخلاقی تعلیم تقریباً یکساں ہے۔ مثلاً طہارت، راست گوئی، خدمت خلق اور عائلی زندگی پر تاکید ہے۔

زرتشت اور محمد ﷺ

اسلام ایک تاریخی دین ہے۔ تاریخ کی کسوٹی اور تنقید پر پورا اترتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بانی کی زندگی اور تعلیمات تفصیلاً محفوظ ہیں اور تاریخی تنقید اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔

لیکن مجوسیت غیر مستند قصے کہانیوں کا مرقع ہے۔ زرتشت کی زندگی اس قدر افسانوی ہے کہ قطعیات سے کوئی بات کہنا محال ہے حتی کہ:

1: زرتشت کے تلفظ کے متعلق 11 آراء ہیں۔

2: زرتشت کے معنی میں بیسیوں شبہات ہیں۔

3: جائے پیدائش اور وطن کے متعلق مختلف رائے ہیں۔

4: حتی کہ زرتشت کے زمانے اور وقت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔

انہی امور سے ان کی شخصیت کو افسانوی کہا جاتا ہے۔

کتاب اسلام اور کتاب مجوس

اسلام کا الہامی صحیفہ یعنی قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ جس شکل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسی شکل میں موجود ہے حتی کہ غیر مسلموں اور مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ قرآن ہر لحاظ سے محفوظ اور مستند ہے۔

لیکن مجوسیت کے صحائف اور دیگر دینی ادب تباہی کا شکار ہوا۔ بعد ازیں کئی صدیوں بعد پروہتوں نے یادداشت سے لکھا۔ اس میں تحریف و ترمیم مسلم ہے۔ ترجمہ کے ذریعے اصل تعلیمات میں تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ موجودہ ژند اوستا کے بہت کم حصے کو زرتشت کی اصلی تعلیمات قرار دیا جا سکتا ہے۔

کامل توحید

اسلام کامل توحید کا علمبردار ہے۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات اور توحید فی الافعال کا قائل ہے، وہ صرف ایک رب العالمین پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔

لیکن اول تو مجوسیت میں توحید پائی ہی نہیں جاتی اگر پائی بھی جاتی ہے تو وہ ناقص ہے، وگرنہ اس میں شویت دو خداؤں یعنی آہور مزدا (یزداں) اور اہرمن کا تصور پیش کرتی ہے۔ علاوہ ازیں آہور مزدا کے ساتھ بھی چھ صفات متشخص کی گئی ہیں جنہیں سات غیر فانی ہستیاں یا ''ہفت ملائکہ'' کہتے ہیں۔

فطری وغیر فطری تعلیمات

اسلام سادہ اور فطری دین ہے، عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات دیتا ہے۔

لیکن مجوسیت میں آتش پرستی بنیادی عقیدہ ہے جو سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔ نیز موجودہ مجوسیت دیو مالائی اور غیر فطری عناصر کا مجموعہ ہے حتی کہ محرمات سے نکاح بھی جائز ہے جو بالکل خلاف عقل، خلاف فطرت اور خلاف اخلاق ہے۔

عالمگیریت

اسلام عالمگیر، جامع اور آفاقی دین ہے۔

لیکن مجوسیت ایک قومی مذہب ہے بلکہ وراثتی ہے۔ ان کے ہاں دوسروں کو اپنے دین میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

تبلیغی وغیر تبلیغی مذہب

اسلام تبلیغی دین ہے۔

لیکن زرتشت ازم غیر تبلیغی ہے۔

آسان وپیچیدہ تعلیمات

اسلام آسان اور سہل دین ہے:۔

''الدین یسر''

''دین میں آسانی ہی آسانی ہے۔''

ہر معاملہ میں انسانی فطرت اور سہولت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ ہر شخص علم دین حاصل کر کے عالم دین، امام اور خطیب بن سکتا ہے۔ عبادات کی قیادت کے لئے کوئی پیشہ ور مذہبی راہنما ضروری نہیں ہے، اس طرح شادی بیاہ، ولادت اور موت کی رسوم سادہ اور سہل ہیں۔

لیکن ابتدائی زرتشت میں رسم و رواج نہایت سادہ تھے مگر بعد کے زرتشتی مذہب میں پیچیدگیاں آگئیں، یہاں تک کہ نکاح موت اور دیگر معاشرتی رسوم موبد اور مذہبی راہنما کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی۔ اس طرح ان کے ہاں پیشہ ور مذہبی گروہ پیدا ہو گیا۔

موت و میت کے احکام

اسلام میں میت اور مردے کا بڑا احترام کیا جاتا ہے، اسے بڑے اعزاز کے ساتھ غسل دیا جاتا ہے، خوشبودار کفن دیا جاتا ہے اور بڑی سادگی اور احترام سے دفن کیا جاتا ہے۔

لیکن زرتشت سے قبل مجوسی لوگ مردوں کو دفن نہیں کرتے تھے، بلکہ درندوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ زرتشت نے یہ رسم موقوف کر کے مردے دفنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر اس کے بعد پھر وہی وحشت ناک رسم شروع ہوگئی۔ زرتشتی اپنے مردے کو ایک کنوئیں میں جسے ٹاور آف سائلنس (خاموشی کا کنواں) میں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں ان کا گوشت چیلیں اور دھیں کھا جاتی ہیں۔

☆☆☆

THIS IS TRUTH

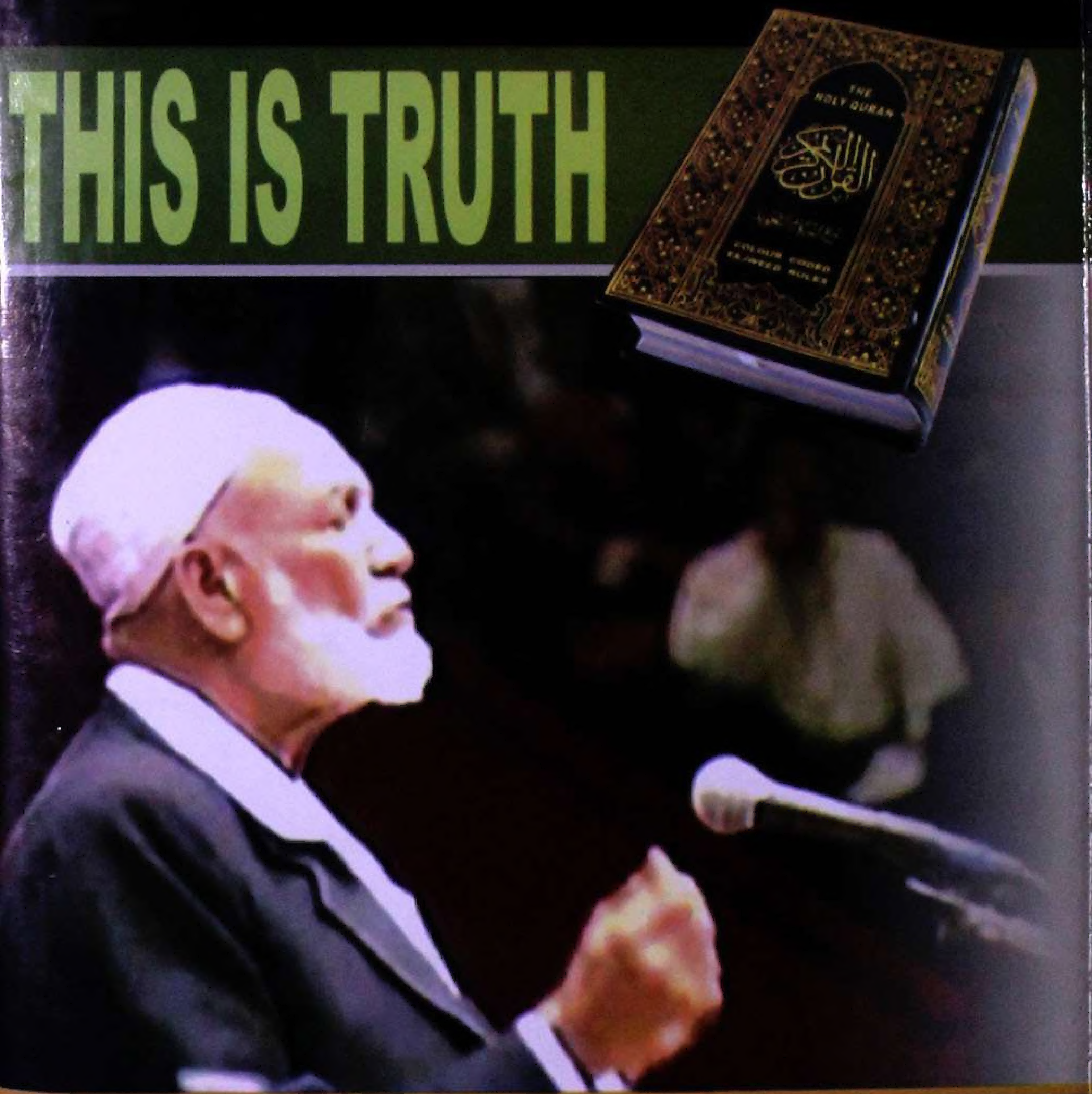
THE HOLY QURAN
القرآن الكريم
COLOUR CODED
TAJWEED RULES

اسٹاکسٹ:
مُشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور